

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کاروان زندگی

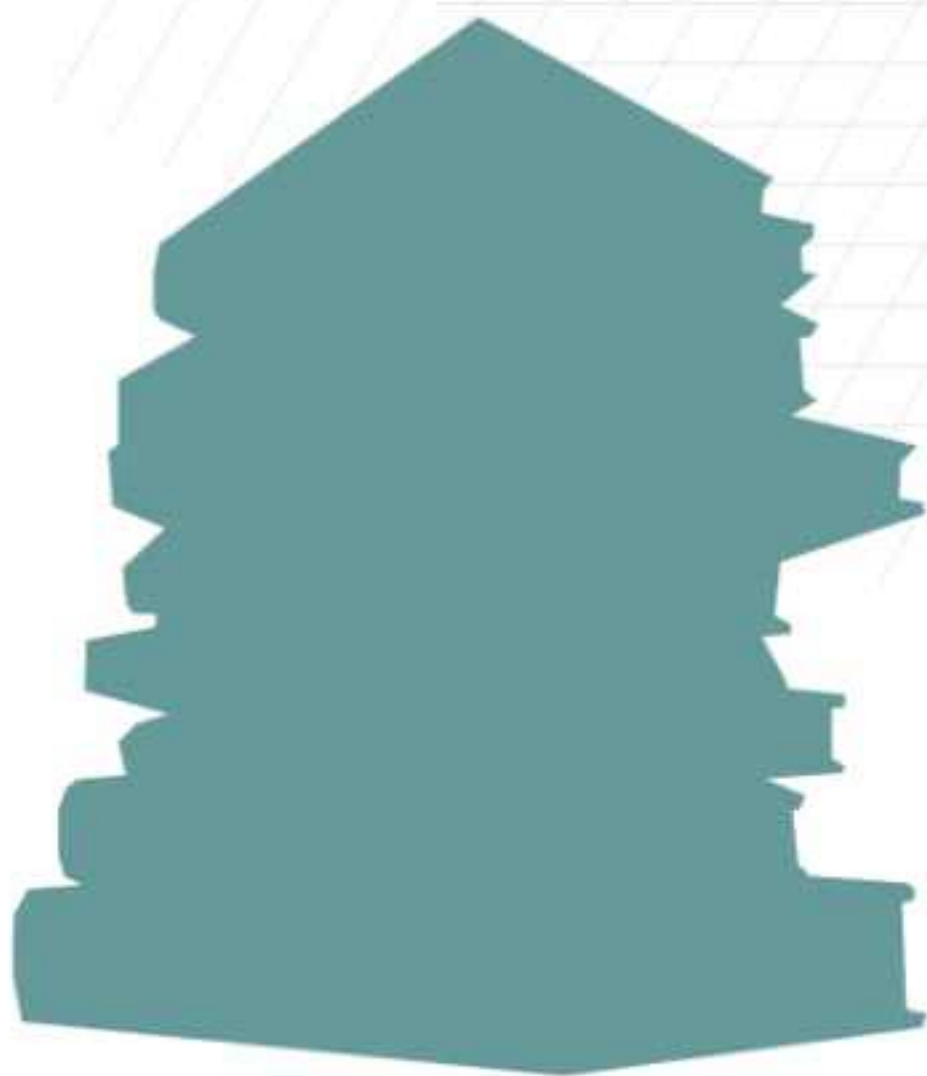
حصہ سوم

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

**پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ**



کارواندگی

(حصہ سوم)

جنوری ۱۹۸۲ء سے لے کر نومبر ۱۹۸۶ء تک کے اہم حالات و واقعات، تحریکات، سرگرمیاں، جن سے مصنف کتاب کا براہ راست تعلق رہا ہے اور جن کے بارے میں ذاتی مشاہدات و تاثرات اور اخذ کردہ نتائج، ملک و عالم اسلام کے آئندہ مورخین کے لئے شہادتِ عینی و دستاویزی مواد فراہم کرتے ہیں، نیز بعض قدیم اور نئے ملکوں کے طویل سفر، وہاں کے چشم دید حالات، ایک داعی دین، قرآن میں غور و فکر کرنے والے اور ملل و ادیان کی تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مخلصانہ مشورے اور تبصرے، ملک کے تشویشناک اور قابل فکر حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ، پیام انسانیت اور بقائے باہم کی کوششوں اور علمی سیمیناروں اور موتمرات کی مختصر روداد۔



مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلامیہ

۱۔ کے۔ ۳۰ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

129390

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس طہ دار المصنفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزینگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب	_____	کاروان زندگی (جلد سوم)
تصنیف	_____	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت	_____	مولانا پرنٹنگ پریس، کراچی
ضخامت	_____	۳۶۰ صفحات
ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۶		

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوۃ قائم سینٹر اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۸۹۱۶

ناشر

فضلہ ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ا۔ کے۔ ۲، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست عناوین

(کاروان زندگی سوم)

پیش لفظ	۹	اصحابِ کہف کا غار	۲۱
باب اول			
عُمان (شرق اردن) حجاز و یمن کا سفر، اہم		عُمان کے اجاب اور مجالس	۲۳
مجالس میں تقریریں اور خطابات، یمن کے		حجاز مقدس میں	۲۶
مشاہدات و تاثرات ۱۱-۵۲		رابطہ ادب اسلامی کا قیام	۲۷
		مفتی عتیق الرحمن صفا کی وفات کی اطلاع	۲۸
کاروانِ زندگی کی تیسری جلد کا آغاز	۱۱	یمن کا سفر	۳۰
شرق اردن اور یمن کا تاریخی سفر	۱۲	صنعا میں	۳۲
عُمان میں	۱۳	صنعا یونیورسٹی میں تقریر	۳۴
متاز سیمار	۱۴	مسلمان کی قوت کا سرچشمہ	۳۶
ہندوستان میں مسلمان اور ان کا تاریخی کردار	۱۵	قومِ سبا کے قصہ سے سبق	۴۱
فلسطین اور بیت المقدس کے مسئلہ پر		ذمہ دارانِ حکومت سے ملاقاتیں	۴۳
امیرین کی پراز معلومات اور مدلل تقریر	۱۷	یمن میں دعوتی لٹریچر اور اس کا اثر	۴۴
لاکھ حکیم سرجمیب ایک کلیم سرکیف	۱۸	صنعا اور اس کے اطراف	۴۵
عُمان کی مصروفیتیں اور خطابات	۱۹	یمن کے مرکزی و تاریخی مقامات کا دورہ	۴۸

۱۱۹	پیریم کورٹ کا فیصلہ اور شرعی قانون کا تقابل		اہم اور تاریخی مساجد کو منقذ میں تبدیل کرنے کا مطالبہ
۱۲۱	ایک خطرناک اقدام	۸۱	
	پیریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف ہندوگیر	۸۲	سزاندرا گاندھی کے نام تاریخی خط
۱۲۳	مہم اور عظیم الشان جلسوں کا سلسلہ	۹۱	سزاندرا گاندھی کا قتل اور اس کا ردِ عمل
	انگریزی ہندی پریس کا ناقابل فہم موقف		حجاز مقدس کا ایک سفر اور ایک اہم تقریر
۱۲۸	اور زلزلہ انگیز طوفان مخالفت	۹۲	اور ایک استقبالیہ
	وزیر اعظم سے ملاقاتیں اور اقوامِ تہذیب	۱۰۲	پیام انسانیت کا ایک دورہ
۱۳۱	کی کوشش	۱۰۶	لندن، آکسفورڈ اور سمیرگ میں چند دن
۱۳۵	ایک نازک مرحلہ	۱۱۰	ایک مخلص ملی کارکن اور رفیق کار کی وقتاً
۱۳۸	بابری مسجد		باب چہارم
۱۳۹	مسٹر راجو کے بل کی حمایت میں بیانات		مسلم پرنسپل (مسلمانوں کے عائلی قانون) کے تحفظ
۱۴۱	بل کی پارلیمنٹ سے منظوری		کی مہم ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے نئی آزمائش
۱۴۸	راجو جی کے نام ایک اہم خط		ہندو تحریک اسلامی عائلی قانون میں عدالت عالیہ
۱۵۱	مشترک عائلی قانون کا خطرہ	۱۱۰-۱۱۱	کی مداخلت اور مقابلہ اور ملت کی کامیابی
۱۵۳	سطحی و عامیانہ خیال		مسلم پرنسپل (مسلمانوں کے عائلی قانون)
	جمہوری ملک میں حقوق کی حفاظت	۱۱۱	کے تحفظ کی مہم اور تحریک و راس کی ذمہ داری
۱۵۵	کا طریقہ	۱۱۳	کلکتہ کا اجلاس عام
۱۵۶	بابری مسجد		پیریم کورٹ کا فیصلہ کھلی مداخلت فی الدین
۱۵۹	چند اہم اجتماعات	۱۱۶	اور شریعت اسلامی پر حملہ

باب پنجم

۱۸۹	امام حرم اور سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی کی لکھنؤ اور دارالعلوم میں آمد	انتبول (ترکی) میں رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ
باب ہفتم		کراچی کا چند روزہ قیام اور اس کی اہم تقریریں ۱۶۱-۱۶۸
۱۶۱	دہلی، ناگیور اور پونہ کے ڈائلگ ۱۹۳-۲۱۲	ترکی میں رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ
۱۶۲	شاخ نشین	شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعزالی
۲۰۰	ناگیور کا ڈائلگ	حیات بعد الموت کی وسعت
۲۰۲	دوسرے جلسے	بورصہ میں
۲۰۵	پونہ	کراچی میں ڈھائی دن
۲۰۶	جلسہ	اسلامی معاشرہ کے لئے حقیقی خطرات
۲۰۷	مقالہ کے اہم نکات	نعمتوں پر شکر اور ہوشمندانہ تقابل
۲۱۲	دوسری مجالس	باب ششم
باب ششم		انگلستان، الجزائر، اور حجاز کے سفر، آکسفورڈ
۲۱۵-۲۳۲	رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس	یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر اور الجزائر کے "ملتی"
۲۱۶	رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ ندۃ العلماء میں	الفکر الاسلامی کے سیمینار میں شرکت، حجاز میں چند روزہ
۲۱۸	جامعہ ہدایت جے پور میں رابطہ کا سیمینار	قیام، چند اہم واقعات ۱۶۹-۱۹۲
۱۷۹	مغربی فکر و ادب کی بے راہ روی، خامی	اسلامک سنٹر آکسفورڈ میں
۲۲۲	وٹار سائنس کی بنیادی سبب	الجزائر کے سیمینار میں
۱۸۲	دنیا کی علمی، فکری اور ادبی قیادت،	ملتی کا مقالہ
۲۲۶	مسلمانوں کا منصب اور فریضہ	رفیق قدیم مولانا حافظ محمد مگران نصاب کی وقت

	دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رابطہ	۲۸۷	دوسری نشستیں، مقالہ اور آخری تقریر
۳۱۰	ادب اسلامی کا ایک سیمینار	۲۹۲	بلد امین (مکہ) کی خصوصیات اور شعار و دعوت
	ایک عظیم حادثہ، سید صباح الدین جیلانی	۲۹۸	مکہ معظمہ و حرم کے تاثرات
۳۱۸	صاحب کی وفات	۳۰۰	مدینہ طیبہ کی حاضری
	شیخ الاسلام امام حافظ ابن تیمیہ پر	۳۰۳	مدینہ طیبہ کا چند روزہ قیام
۳۲۵	جامعہ سلفیہ بنارس کا سیمینار	۳۰۵	رابطہ ادب اسلامی کی نشستیں
۳۳۳	اشاریہ (انڈیکس)	۳۰۵	جدہ کا ایک روزہ قیام اور ایک تقریر
	مرتبہ از:۔۔ محمد غیاث الدین ندوی		باب سیزدہم دوسینار، ایک عظیم حادثہ ۳۱۰-۳۳۲



پیش لفظ

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
 کاروانِ زندگی کی دوسری جلد پر جو ۱۹۸۳ء کے واقعات اور روئیداد پر
 ختم ہوئی ہے، تیسری جلد کے لکھنے کا خیال بھی نہ تھا، لیکن جب ان دو جلدوں کا عربی
 ترجمہ عزیز القدر مولوی سید سلمان حسینی ندوی کے قلم سے مکمل ہو کر دارالعلم دمشق و جدہ
 کے مالک استاد محمد علی دولہ کے پاس پہنچا اور وہ شعبان ۱۴۰۴ھ (مئی ۱۹۸۶ء) میں
 طباعت کے اس اعلیٰ پیمانہ اور معیار پر فی مسیریۃ الحیاء کے نام سے زیور طبع سے
 آراستہ ہوا جس پر کتر کتابیں شائع ہوتی ہیں، تو اچانک طالب و ناشر (استاد محمد علی دولہ)
 اور مصنف کے علم میں یہ بات آئی کہ قلمی سے سرورق پر جلد اول کا نمبر پڑ گیا
 ہے، شاید فاضل ناشر کے خیال میں یہ بات رہی ہو کہ اس کی تیسری جلد تیار ہوگی
 اور وہ اس جلد کے بعد جلد دوم کے عنوان سے شائع ہوگی، استاد محمد علی دولہ نے معذرت
 کے ساتھ اس بات کی خواہش کی کہ اب یہ سلسلہ مکمل کر لیا جائے، اور اس کی تیسری
 جلد بھی لکھی جائے، جو فی مسیریۃ الحیاء کی جلد دوم کے طور پر شائع کی جاسکے،
 ورنہ خوب لاوارز قارئین کتاب کو نا مکمل سمجھیں گے اور جو اس کو حاصل کریں گے وہ
 اس کی دوسری جلد کے منتظر رہیں گے۔

ادھر جلد دوم کی تکمیل کے بعد ناچیز مصنف کی زندگی اور ملک ملت کے دائرہ میں

بہت سے ایسے اہم واقعات اور مرحلے پیش آئے جن کی روئیداد لکھنا اور ان کو تاریخی طور پر محفوظ کر دینا مفید اور ضروری نظر آیا، خاص طور پر مسلم پرسنل لا کے دفاع اور تحفظ اور سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف جس میں سرکچی مداخلت فی الدین تھی، ہندوستانی مسلمانوں کی وہ عظیم الشان مہم اور جدوجہد شروع ہوئی جس کی نظیر اپنی عمومیت اور اہمیت اور نزاکت میں ملت اسلامیہ ہندوستان کی پچھلی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اور اس کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ کچھ وقت گزر جانے کے بعد اس کے بارہ میں صحیح معلومات اور ضروری تفصیلات کا دستیاب ہونا مشکل ہو جائیگا، اسی طرح دوسرے ملی مسائل، فرقہ وارانہ صورت حال، بقائے باہم اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور انصاف کرنے اور احترام انسانیت کے سلسلہ میں ڈائلاگ کی شکل میں ہندوستان کے مختلف مرکزی شہروں میں جو کوشش کی گئی ہے، اس کا ریکارڈ بھی ملنا مشکل ہو جائیگا، اس کے علاوہ کچھ اہم بیرونی سفر اور عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے بعض اہم سفر اور واقعات پیش آئے جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

یہ سب احساسات و حقائق اس تیسری جلد کے محرک ہیں، اب یہ جلد قارئین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے، تقدیری بات ہے کہ اس کے نین ابتدائی ابواب گرمی کے رمضان المبارک میں لکھوائے گئے، اور رقیبہ حصہ طویل علالت کے دوران لکھوایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان مجبور یوں اور کمزوریوں کے باوجود جن میں یہ کتاب وجود میں آئی، اس کو مفید اور صحت مند اسلامی ادب میں جگہ پانے کی مستحق قرار دے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

ابوالحسن علی ندوی



بَابِ اَوَّل

عَمَّان (شرقِ اردُن) حجاز و بَیْن کا سفر، اہم مجالس میں تقریریں
اور خطابات بہن کے مشاہدہ و تاثرات
کاروانِ زندگی کی تیسری جلد کا آغاز و جواز

کاروانِ زندگی کی جلد دوم امارات و کویت کے اس سفر کی مختصر روئیداد
پر ختم ہوئی تھی، جو ۱۵ نومبر ۱۹۸۳ء کو شروع ہو کر ۱۱ دسمبر ۱۹۸۳ء پر ختم ہوا تھا،
کاروانِ زندگی کا اس کے بعد رواں دواں رہنا اور سفر حیات کا تسلسلِ صحت
کی کیفیت، مختلف امراض اور ضعف و انحطاط کے روز افزوں سلسلہ کو دیکھنے
ہوئے، مشکوک نظر آ رہا تھا، کتاب کی ضخامت بھی ۳۸۹ صفحات تک پہنچ چکی
تھی، اس لئے قلم کو وہیں روک دینا پڑا۔

لیکن اس کے بعد بھی زندگی کی مہلت ملی اور اس چار سال کی مدت میں
متعدد اہم سفر، ہندوستان اور عالم اسلام میں تاریخی اہمیت کے حامل واقعات
خصوصاً ملت اسلامیہ ہندوستان کے لئے عظیم آزمائش و امتحان کے مسائل پیش آئے
جن سے راقم سطور کا براہ راست تعلق تھا، بیرون ہندوستانی تقریبات اجتماعات
میں بھی شرکت کے مواقع حاصل ہوئے، جن کی یادیں اور واقعات تاریخ کی

قابل حفاظت امانت، نوخیز و نورد سال اسلامی نسل کے لئے سبق آموز
 و معلومات خیز ذخیرہ ہے، اور اس سب سے مستقبل کے موتیخ کو اس عہد کی تاریخ
 کی ترتیب تکمیل میں مدد ملے گی، اس لئے اس کاغذی کشتی کو بسم اللہ
 ہجر یہا و مرساھا کہہ کر پھر تھک و رواں کرنا پڑا۔

شرق اردن اور یمن کا تاریخی سفر

راقم سطور کئی سال سے شرق اردن کے علمی و تحقیقی ادارے اور اکیڈمی مؤسسۃ
 ال البیت کارکن چلا آ رہا تھا، جس کو ولی عہد سلطنت ہاشمیہ عالی مرتبت
 امیر حسن بن طلال کی سرپرستی حاصل ہے، اور اس سے ان کو خصوصی دلچسپی اور ربط
 و تعلق ہے، اس کے سالانہ جلسوں (مؤتمرات) کے موقع پر ادارہ کا دعوت نامہ اور
 امیر حسن کی طرف سے ترغیب و تاکید کا خط آتا، لیکن ابھی تک مجھے اس دعوت کو
 قبول کرنے اور اس کے جلسوں میں شرکت کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اور آخر
 مارچ یا اوائل اپریل ۱۹۸۲ء میں پھر اس کا دعوت نامہ اور تاکید کی خطوط آئے،
 اور اطلاع دی گئی کہ ۲۵ تا ۲۹ اپریل ۱۹۸۲ء کی تاریخوں میں عمان میں اس کے
 اہم ترین شعبے "مجمع بحوث الحضارة الاسلامیة" (اسلامی تہذیب و تمدن
 اکیڈمی) کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقد ہوگی، جس میں اسلامی تہذیب و تمدن
 اور اس میں مختلف ممالک کے تاریخی کردار اور وہاں کے تحقیقاتی اور علمی کارناموں
 پر مقالات پڑھے جائیں گے اور تبادلہ خیال ہوگا، مجھے بار بار محنت کرنے سے
 شرم آئی، خاص طور پر عالی مرتبت امیر حسن کا لحاظ غالب آیا جنہوں نے شخصی طور پر

کئی مرتبہ یاد فرمایا، اور میری شرکت کی خواہش کا اظہار کیا تھا، میں نے اس مرتبہ
 عثمان جانے کا فیصلہ کر لیا اور موٹو سسے کے ذمہ داروں کو اس کی اطلاع دیکھا
 اور وہاں پڑھنے کے لئے ایک مضمون بھی تیار کر لیا، جس کا تعلق ہندوستان میں
 اسلامی تمدن و علوم اور ان میں ہندوستانی مسلمانوں کی خدمات و خصوصیات تھی،
 اس مرتبہ اپنی رفاقت کے لئے خواہر زادہ عزیز مولوی سید محمد واضح حسنی ندوی
 (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مدیر خصوصی "الرائد") کا انتخاب کیا، جن سے
 مجھے وہاں کے مجالس، علماء و ادباء سے ملاقاتوں اور علمی، ادبی مسائل پر تبادلہ خیال
 میں مدد ملنے کی امید تھی، اخباری نمائندوں کے لئے انٹرویو اور بیانات وغیرہ
 تیار کرنے میں بھی ان کے رواں اور شاداب قلم سے ہمیشہ مدد ملتی رہی ہے، اس
 مؤتمر یا سیمینار میں عالم عربی کی ممتاز علمی ادبی شخصیتوں کی (سفر کی سہولتوں اور
 ایک سلطنت کی سرپرستی کی وجہ سے) بڑی تعداد شریک ہوتی ہے، اور ایک جگہ
 بیک وقت مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں و رہنماؤں اور علماء و ادباء سے
 ملاقات میسر آجاتی ہے، میں نے اس سفر میں حجاز و یمن کی زیارت کا بھی ارادہ
 کر لیا، یمن کی دعوت پہلے سے آئی ہوئی تھی، اور حجاز کو عمرہ و زیارت کے شوق
 اور اس لئے بھی شامل کیا گیا کہ وہاں سے صنعاء کا سفر آسان ہوگا۔

عثمان میں

۲۳ اپریل ۱۹۸۲ء کو دہلی سے (M. O. A. C.) کے طیارہ سے کویت روانگی

ہوئی، وہاں ایک دن اپنے عزیزوں کے پاس ٹھہر کر اور آرام کر کے اگلے دن

لے کویت میں عزیزان سید ابراہیم حسنی ندوی اور سید احمد علی حسنی ندوی کے پاس ٹھہرا ہوا۔

۲۴ اپریل کو کویت کے طیارہ سے عمان روانگی ہوئی، ملکہ عالیہ ہوائی اڈہ پر
 مؤسسہ کے نائب صدر فاروق بجزار (غالباً امیر حسن کے ایما سے) استقبال
 کے لئے موجود تھے، عمان کے متعدد مخلص احباب بھی نظر آئے، اس سے پہلے
 میرے عمان کے تین سفر ہو چکے تھے جن کا ذکر کاروان زندگی کی پہلی دوسری
 جلدوں میں اپنے اپنے موقع پر آچکا ہے، والی سلطنت ملک حسین اور ولی عہد
 سلطنت کے نامور دادا ملک عبدالرشید شریف حسین سے ۱۹۵۱ء میں بیت المقدس
 سے واپسی پر دو ملاقاتیں ہو چکی تھیں، اگست ۱۹۶۳ء میں شاہ حسین سے تفصیلی
 ملاقات ہوئی تھی، اور وہ بڑے اکرام سے پیش آئے تھے۔

ممتاز سیمینار

عمان میں ہمارا (سیمینار کے دوسرے مہمانوں کے ساتھ) قیام دار السلطنت
 کے بڑے ہوٹل ریجنسی بالاس (REGENCY PALACE) میں ہوا جو پیش منزلہ ہو
 ہے اور پہاڑ کی ایک چوٹی پر واقع ہے جہاں سے عمان کا سارا شہر نظر آتا ہے،
 مؤتمر ۲۵ اپریل ۱۹۸۲ء کو شروع ہوئی، ممتاز و مشہور اہل علم و ادب، علمی و تحقیقی
 کام کرنے والے بڑی تعداد میں شریک تھے، اس تیسری کانفرنس میں ۳۲ ممالک
 کے ۱۳ علماء و مفکرین نے حصہ لیا جن میں ماسکو سے بھی علماء کا ایک وفد آیا ہوا
 تھا جس کی قیادت وہاں کے مذہبی امور کے ذمہ دار مرحوم ضیاء الدین بابا خانو
 کے فرزند شرف الدین بابا خانو کر رہے تھے، مندوبین کے علاوہ مختلف

۱۔ ملاحظہ ہو کاروان زندگی، جلد اول صفحہ ۳۵، ۲۔ کاروان زندگی، حصہ دوم صفحہ ۱۶۵-۱۶۶

مالک کے سفراء، شاہی خاندان کے افراد اور دیگر ممتاز لوگ شریک تھے۔ امیر حسن نے اپنی استقبالیہ تقریر میں خصوصیت کے ساتھ میرا نام لے کر میری آمد پر اپنی مسرت کا اظہار کیا، اور میں نے ان کے اس خصوصی تذکرہ اور اظہار مسرت و ممنونیت پر مناسب الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کیا، میں نے کہا کہ میں اُردن کو عالم اسلام کی آخری دفاعی لائن اور اہم اور نازک محاسن محاذ جنگ سمجھتا ہوں جس کا ہر مسلمان پر حق ہے، اسی احساس نے مجھے صحت کی کمزوری اور مشاغل کی کثرت کو نظر انداز کر کے اس سفر اور کانفرنس کی شرکت پر آمادہ کیا۔

ہندوستان میں مسلمان اور ان کا تاریخی کردار

اگرچہ میں اپنا مقالہ سکریٹریٹ کو پیش کر چکا تھا، لیکن امیر موصوف کی خواہش پر میں نے زبانی ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک مجل خاکہ پیش کیا، مسلمانوں نے اس ملک کی خدمت کے ساتھ اپنی اسلامی شخصیت و ملی خصوصیات کی حفاظت جس طرح کی اس کا بھی ذکر کیا، عربی زبان اور اس کے علوم و ادب کا گہری دلچسپی و وابستگی اور اس کے عوامل و اسباب کی نشاندہی بھی کی جن میں عشق رسول، حرمین شریفین سے قلبی تعلق، دینی غیرت و حمیت کو خاص مقام حاصل ہے، اس سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اس حکیمانہ وصیت کا حوالہ دیا کہ وہ اپنی اسلامیت کی حفاظت کے لئے حرمین شریفین سے ہمیشہ تعلق اور آمد و رفت رکھیں، اور عربی زبان، اس کے

قواعد و علوم و آداب و تعلیم و تعلیم کا اہتمام رکھیں، وہ اپنے رسالہ "المقالة الوصیة فی النصیحة والوصیة" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ہم پر دینی لوگ ہیں، ہمارے آباء و اجداد نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی، نسب اور زبان کی عربیت ہمارے لئے سرمایہ فخر ہے کیہی ہمارے لئے سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین، مخزومہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا ذریعہ ہے!"

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

"ہم میں خوش نصیب وہ ہے جس کو عربی زبان، اس کی صرف و نحو اور کتب ادب سے حصہ ملا ہو، اور اس کو حدیث و قرآن سے واقفیت ہو، ہمارے لئے حرمین شریفین کی حاضری اور ان کے ساتھ تعلق خاطر بھی ضروری ہے، یہی ہماری سعادت کا راز ہے، اور وہ کم نصیب اور محروم ہے، جو ان سے روگردانی کرتا ہے!"

ہندوستان کی مختلف پہلوؤں سے اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں والدیراجہ مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی تصنیفات کا ذکر کیا جن میں سے ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون کی تاریخ اور علمائے ہند کی تصنیفات کی ڈائرکٹری "الثقافة الاسلامیة فی الہند" کے نام سے دمشق کی مشہور موقر سرکاری اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" کی طرف سے شائع ہو چکی ہے، اور حال میں اس کا دوسرا ایڈیشن نکلا ہے۔

لے حال مجمع اللغة العربیة دمشق۔

فلسطین اور بیت المقدس کے مسئلہ پر امیر حسن کی پُراز معلوما اور مدلل تقریر

اسلامی تہذیب و تمدن، اس کی خصوصیات، تاریخی کردار اور اس کے عروج و ارتقاء اور مظاہر و مراکز کی علمی بحثوں اور مقالات کے ساتھ فلسطین اور بیت المقدس کا مسئلہ اس کی بازیافت، استخلاص کے ذرائع و تدابیر پر بحث و فکر، پوری مؤتمر اور اس کی زیادہ تر نشستوں پر چھایا رہا، اور ایسا ہونا بیت المقدس کے جغرافیائی قرب و ارتباط، مشرق اردن کی اس کے بالے میں خصوصی ذمہ داری اور عرب علماء، زعماء کے اس عظیم اجتماع، پھر سب سے بڑھ کر اس وجہ سے کہ یہ مؤتمر جبکہ ہینے میں ہو رہی تھی (جو اسراء و معراج کا ہینے ہے، اور جس کی اولین منزل خود مسجد اقصیٰ تھی) بالکل قدرتی و طبعی امر بلکہ ایک دینی و اخلاقی فرض تھا، ۲۷ رجب کا پورا دن (جو معراج کی خاص تاریخ ہے) اسی مسئلہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

امیر حسن نے خود اس بحث کا آغاز کیا، اس کے مختلف پہلوؤں، اس کے تاریخی پس منظر اور اسرائیل کی موجودگی سے عالم اسلام اور عالم عربی کے لئے جو پیچیدہ مسائل و خطرات پیدا ہوتے ہیں، ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی، انھوں نے ان نقشتوں کی مدد سے جو خاص طور پر اس موقع کے لئے تیار کئے گئے تھے، ایسے اعداد و شمار پیش کئے جو اس مسئلہ سے تعلق رکھنے والے تمام ممالک اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے غور طلب اور قابل فکر و تشویش ہیں، یہ جلسہ ہوٹل کے قاعة البتراء میں ہو رہا تھا، اور پورا مجمع گوشش برآواز اور

ولی عہد سلطنت کے گہرے مطالعہ اور وسیع معلومات سے متاثر تھا۔

لاکھ حکیم سر بحیب ایک کلیم سر بکف

میں نے امیر موصوف کی تقریر کے بعد کچھ کہنا ضروری سمجھا، میری تقریر کی روح اور خلاصہ یہ تھا کہ انسانی باخصوص اسلامی تاریخ کی متوازن شہادتیں ہیں اصل فیصلہ کن چیز ملتوں اور قوموں کی تقدیر کو بدلنے والی حقیقت، ممالک کا سیاسی اور جنگی نقشہ یکسر تبدیل کرنے والی طاقت، اعداد و شمار، قلت و کثرت کا تناسب اور تسلیم شدہ صورت حال نہیں ہوتی، اصل انقلاب انگیز طاقت اور ناممکن کو ممکن بنانے والی چیز اس ہستی کا وجود ہے جو عزم و ایمان کی خارق عادت طاقت سے سرشار، صورت حال کو یکسر تبدیل کر دینے کے لئے ہمہ تن تیار، اور اس کی راہ میں ہر طرح کی قربانی و جان نثاری، خطر پسندی و ہم جوئی کے لئے مضطر و بیقرار ہو، تاریخ کی شہادت ہے کہ اس موقع پر یہ ٹھوس اعداد و شمار اور مشکلات اور مخالفتوں کے پہاڑ بروت اور روم کی طرح پگھل کر پانی ہو جاتے ہیں، اور فتح کا آفتاب رات کے اندھیرے اور سردی کے گہر کو چیرتا اور آنکھوں کو خیرہ کرنا ہوا طلوع ہوتا ہے، یہی سلطان صلاح الدین ایوبی کی سرگزشت اور جنگ صلیبی کی تاریخ کا خلاصہ ہے، اقبال نے اسی حقیقت کو اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے ۷

میشل کلیم ہوا اگر معرکہ آزما کوئی اب بھی درخت طوس سے آتی ہے بانگ لائیف
صحبت پیر روم سے مجھ پر ہوا نکتہ نشا لاکھ حکیم سر بحیب ایک کلیم سر بکف

احمد لکھنؤ اس تقریر نے دلوں کو گرا دیا اور بہت سی آنکھیں انکبار
دیکھی گئیں۔

عمان کی مصروفیتیں اور خطابات

اردن میں ۸ دن کا قیام رہا، رجب کا ہیبتناہونے کی وجہ سے تقریر کا
زیادہ تر موضوع اسراء و معراج، اس کے مضمون معانی و لطائف اور اس کے دور میں
مقاصد و نتائج تھے، یہ تقریریں بنی اسرائیل سے اسلام قبول کرنے والے عربوں
کی طرف انسانیت کی امامت و قیادت اور منصب ہدایت کی منتقلی اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے امتوں کے امام اور نبی آخر الزماں ہونے کے اعلان اور
اس سلسلہ میں اس خیر امت کے منصب و مقام کی طرف واضح اشارات پر
مشتمل ہوتی تھیں، خاص ۲۷ رجب کو اس موضوع پر ایک مفصل تقریر، زرقاء
(اردن) کی مسجد سیدنا عمر بن الخطابؓ میں ہوئی، جس میں "شب معراج" کی
خصوصیت کی وجہ سے سامعین کی بڑی تعداد تھی، اور وسیع جامع مسجد میں
گنجائش نہیں رہی تھی، باہر بھی دوزنگ لوگ کھڑے تھے۔

دوسری تقریر ۲۹ رجب کو ایربڈ کی جامعۃ الیرموک
کے ہال میں ہوئی، جس میں یرموک کی فیصلہ کن جنگ کا

لہ: میدان یرموک اس قدیم تاریخی شہر کے سامنے ہے، قریبی مقام ام قیس پر کھڑے ہو کر
دریائے یرموک اور گولان کی پہاڑیاں صاف نظر آتی ہیں، اسی مناسبت سے اس کا
نام جامعۃ الیرموک رکھا گیا ہے۔

تذکرہ کرتے ہوئے اس سے سبق لینے اور اس امتیازی اسلامی و ایمانی شخص کو پیدا کرنے کی دعوت دی گئی جو تمام اسلامی فتوحات اور کامیابیوں کا اصل راز تھا، اس سلسلہ میں مقرر نے بتایا کہ آج بھی بڑے صغیر مہند کے مسلمانوں کو ان تاریخی مقامات اور اسلامی جنگوں اور ان کے میدانوں سے کیسا تعلق ہے، میں نے کہا کہ میں جب ۱۹۵۶ء میں دمشق یونیورسٹی کی دعوت پر شام گیا تو میرے محترم دوست اور مشہور عرب فاضل اور دینی قائد کلبیۃ الشریعۃ کے عمید (پرنسپل) ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مرحوم نے مجھے یونیورسٹی کا مہمان بنا کر دمشق کے اس ہوٹل میں ٹھہرایا جس کا نام "فندق الیرموک" ہے، میں نے ہندوستان کے مشہور عالم و مصنف مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کو (جن کا میں استاد کی طرح احترام کرتا تھا) اسی ہوٹل سے خط لکھا خط کے سرنامہ پر "فندق الیرموک" لکھا تھا، مولانا کو نہیں معلوم تھا کہ یہ ہوٹل یرموک کی رزم گاہ سے سیکڑوں میل دور دمشق کے شہر میں واقع ہے، لیکن ان پر یرموک کا نام دیکھتے ہی وجد کی ایک کیفیت طاری ہو گئی، اس وقت وہ وجع الفواد (انجائنا) کے مریض تھے، اور پٹنہ کے ایک اسپتال میں داخل تھے، انھوں نے میرے خط کے جواب میں جو لکھا اس کا ایک حصہ سنا تا ہوں:-

"خدا ہی جانتا ہے کہ الیرموک کی موجوں نے کن دے دبائے تاریخی

محموظات اور ان سے پیدا ہونے والے جذبات میں طوفانی ہل چل برپا
 کر دی، صرف الیرموک کے لفظ پر نظر پڑنے ہی تخیل کو آگے مشاہد سے

بوٹھوڑا بہت سہارا ملا تو گھنٹوں پر موک اور جو کچھ اس کے ساحل پر گزرا اسی میں غرق ہو گیا!

کانفرنس کے اختتام پر ۳۰ اپریل کو میں اپنے رفیق عزیز کے ساتھ دارالبتر کے مہمان خانہ میں منتقل ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور کٹیۃ العلوم العربیۃ میں ہوئی جس میں ہزاروں کی تعداد میں طلباء زیر تعلیم ہیں اور اس پر یونیورسٹی کا دھوکہ ہوتا ہے، تقریر میں معراج نبوی کے واقعہ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے ملت و افراد کی اسلامی شخصیت کی خصوصیات کو برقرار رکھنے اور اس معنوی طاقت کو دوبارہ بروئے کار لانے کی دعوت دی گئی، جس نے روم و ایران کی ترقی یافتہ تہذیب اور مادی ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچے ہوئے معاشرہ پر فتح حاصل کی اور ایک نئے عہد اور نئی دنیا کی بنیاد رکھی، کٹیۃ العلوم کی طرف سے مقررہ ”قبتہ الصخرۃ“ (مسجد اقصیٰ) کا خوبصورت مرمی ڈھانچہ تحفہ اور یادگار کے طور پر پیش کیا گیا۔

اصحابِ کہف کا غار

مؤتمر کے بعد دو روز قیام رہا، عثمان کے اس قیام میں ڈاکٹر رفیق و والد تھانی کی معیت و رہبری میں (جو محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین اور ڈیپٹی ڈائریکٹر ہیں) جبل رحیب پر اہل کہف کے غار کی زیارت کی جو کہف الرحیب

لہ ”پرانے چراغ“ حصہ اول ص ۹

کے نام سے مشہور ہے، یہ عمان کے جنوب مشرق میں ۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، ڈاکٹر رفیق وفاد جانی کی تحقیق یہ ہے کہ اہل کہف کا یہی وہ غار تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، ہم لوگ اس غار میں اترے اور اس کو ایک ماہر فن اور محقق کی رہبری میں تفصیل سے دیکھا، قرآن مجید کی آیات میں اس کی جو صفت اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں، وہ اس پر منطبق معلوم ہوئیں، ڈاکٹر رفیق نے دوسرے تاریخی قرائن و آثار اور شواہد و دلائل سے اس کو ثابت کیا کھدائی میں جو تختیاں نکلی ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ان میں کہف کا نام "کہف الرجم" لکھا ہے، مختلف اسلامی عہد کے کتبے بھی ملے جن پر سنین ثبت تھے، اس غار میں اب بھی ۸ قبریں پائی جاتی ہیں، مسلمان مؤرخین میں سے مقدسی، البیرونی، یاقوت کا بھی یہی خیال ہے، کہ یہی اصحاب کہف کا غار ہے، فرانسیسی مستشرق "گالو" بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

اے ملاحظہ ہو رفیق دجانی کی کتاب "کہف اہل الکہف" جو انھوں نے ڈاکٹر ریٹ کے مقالہ کے طور پر یونیورسٹی کو پیش کیا تھا، اس میں ثابت کیا ہے کہ کہف کی جگہ شہر فیس نہ تھا، جو اناطولیہ کے شہروں میں سے ایک ہے، اور وہ ترکی کے موجودہ شہر از میر سے ساٹھ کلومیٹر کی مسافت پر ہے، (اور جس کو مصنف نے بھی اپنی کتاب "الصراع بین الایمان والمادیة" میں اختیار کیا ہے) بلکہ عمان میں واقع یہ مقام ہے، انھوں نے اس کے لئے ناقابل تردید تاریخی و اثری دلائل دیئے ہیں، اور اس کی صحت کے قرائن و آثار بتائے ہیں، یہ بات بعید از قیاس نہیں، کیونکہ موجودہ مشرق اردن رومی مملکت کا ایک حصہ تھا، اور اس کا قدیم نام فلاڈلفیا تھا، (جس پر امریکہ کے شہر فلاڈلفیا کا نام رکھا گیا)

عمان کے اجاب اور مجالس

اس ہشت روزہ قیام میں زیادہ تر اپنے قدیم فاضل عرب دوست اور صاحبِ قلم اتاذ محمد براہیم شقرہ کے ساتھ وقت گزارنا تھا جو ۱۹۷۹ء کے ندوۃ العلماء کے پچاسویں سالہ اجلاس میں عمان سے شرکت کے لئے آئے تھے اور انہوں نے اس کی مجلسِ مضامین اور تجاویز وغیرہ کی ترتیب میں خصوصی حصہ لیا تھا، وہ وزارتِ اوقاف میں مدیرِ شئونِ القدس کے عہدہ پر متعین ہیں، اجلاس میں شرکت اور شہر میں نقل و حرکت میں وہ ہمیشہ ہم دونوں کے ساتھ رہتے تھے، دوسرے نمبر پر اپنی متعدد کتابوں کے عرب ناشر مؤسسۃ الرسالۃ اور دار البشیر کے مالک اتاذ رضوان دعبول کے ساتھ وقت گزارا جنہوں نے عمان میں ایک تحقیقی مرکز بھی قائم کر رکھا ہے، جس کے ذمہ دار ایک محقق عالم الشیخ شعیب ارناؤوط ہیں، ان دونوں حضرات کے علاوہ اپنے قدیم اخوانی دوست عبدالرحمن خلیفہ کی وجہ سے جو انخوان کے قائم و ذمہ دار رہے ہیں، سفر میں مطلق اجنبیت اور بیگانگی محسوس نہیں ہوئی۔

مجمع البحوث کے علاوہ جمعہ کو مسجد صلاح الدین میں (جس میں شیخ محمد ابراہیم شقرہ امام ہیں) بعد نماز جمعہ خطاب ہوا جس میں مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین یوسف کی ذات اور خصوصیات موضوع تھا، مسجد کی نسبت، حالات کے تقاضے اور اس محبوب نام کے اثر سے تقریب میں جوش اور مضامین کی آمد تھی۔

عمان میں تبلیغی مرکز میں بھی جماعت کے افراد اور اس طریقہ پر کام

کرنے والوں سے خطاب ہوا، اور ان کے وطن اور ماحول اور زمانہ عہد کے لحاظ سے کچھ باتیں کہی گئیں۔

اس تقریر میں اذکار و نواقل کے ساتھ اخلاق و معاملات کی اہمیت پر زور دیا گیا، اور دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داری کی نشاندہی کی گئی، اسی کے ساتھ دعوتی کام کرنے والوں کو مطالعہ کا مشورہ بھی دیا گیا اور کہا گیا کہ داعیانِ دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ماحول اور اپنے زمانہ سے واقف ہوں، زمانہ کی ضروریات، مقتضیات اور خطرات پر نگاہ ہونی چاہئے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ زمانہ کے فکری و سماجی رجحانات کیا ہیں؟ کس طرح کی تحریکیں چل رہی ہیں؟ اور اسلام اور مسلمانوں کو کس کس طرف سے خطرات کا سامنا ہے، اس کے بغیر وہ نہ تو زندگی و معاشرہ میں موثر ہو سکتے ہیں، نہ دین کی موثر خدمت انجام دے سکتے ہیں، بقولِ قبائل:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر

تیرا رُجلا ج ہو نہ سکے گا حرفِ سنگ

عمان کے معززین اور اعیان میں استاد کامل الشریف (جو اصلاً فلسطینی

ہیں) راقم کے پرانے دوستوں میں ہیں، وہ عرصہ تک شرقِ اردن کے سیر رہے،

رابطہء عالمِ اسلامی (مکہ معظمہ) کے شروع سے رکن ہیں، انھوں نے اپنے گھر پر

ایک خصوصی نشست رکھی، جس میں ہمارے قدیم کرم فرما ڈاکٹر اسحق فرحان

(سابق وزیرِ اوقاف و وزیرِ تعلیم شرقِ اردن) عربی کے مشہور ادیب و شاعر

استاد عمر بہاء الامیر (سابق سفیرِ شام) ابراہیم شقرہ، کمال ابوالمجد اور دوسرے

ممتاز حضرات تھے، گفتگو کا مرکزی موضوع تحریک اسلامی کے تجزیوں کا جائزہ اور حکام کے ساتھ موقف کا تعین تھا، اس سلسلہ میں عمر بہاء الامیری کا موقف یہ تھا کہ حکام کے ساتھ بہتر تعلق اور افہام و تفہیم کی کوشش بہتر نتائج پیدا کر سکتی ہے، استاد رضوان دعبول کے مکان پر بھی علماء اور ممتاز لوگوں سے کھانے پر ملاقات ہوئی۔

کالفرنس کے شرکاء اور اپنے قدیم ملاقاتیوں میں مغرب کے مشہور فاضل مہدی بن عبود، ابو ظبی کے رئیس القضاة شیخ احمد بن عبدالعزیز المبارک، شام کے (حال تقیم رباط) عربی کے مشہور شاعر اور سابق سفیر شام متعینہ پکتا سعودی عرب عمر بہاء الامیری اور مشہور مصری فاضل ڈاکٹر یوسف القضاوی (عمید کلیة الشریعة قطر) اور مشہور خوانی مصنف اور داعی شیخ محمد الغزالی سے خاص طور پر ملاقاتیں اور مجلسیں رہیں۔

ولی عہد کی ایک دعوت میں بھی شرکت کا موقع ملا، اس دعوت میں عمان (مسقط) کے مفتی حمد انجیلی بھی موجود تھے، جنھوں نے امیر کے سامنے میری کتاب "روائع اقبال" کے صفحے کے صفحے زبانی سننے شروع کئے۔

۲ مئی کو مقامی وقت کے مطابق تقریباً بجے دوپہر میں ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہوئے، متعدد اجاب پہنچانے آئے، موشمسہ کے صدر ڈاکٹر ناصر الدین الاسد (غالباً عالی مرتبت امیر حسن کے ایما و خواہش پر) رخصت کرنے کے لئے خود موجود تھے، انھوں نے عرفہ ملکیت (شاہی کمرہ) میں بٹھایا، اور اسی راستہ سے طیارہ تک پہنچایا، عمان سے سعودی طیارہ پر روانہ ہو کر

اسی روز شام کو جدہ پہنچے، ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزو (سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو سینار میں شرکت کے لئے ہندوستان سے ساتھ ہی آئے تھے) بھی ہم سفر تھے، جو حجاز سے ہندوستان واپس ہوئے۔

حجاز مقدس میں

۱۹۸۲ء کو عمان سے روانہ ہو کر اسی روز شام کو جدہ پہنچ گئے، پہلے سے مدینہ طیبہ سے احرام باندھنے کی نیت کر لی تھی، اور ابتداءً وہیں حاضر کا ادا وہ تھا، اس لئے بغیر احرام کے یہ سفر کیا گیا، اپنے قدیم معمول کے مطابق جدہ میں سات ٹورولی صبا کے یہاں قیام کیا، ۳۰ مئی کی صبح کو برادر عزیز حسین طارق صبا کی معیت میں (جو مدینہ طیبہ میں ٹیلیفون کے محکمہ میں انجینئر ہیں) مدینہ طیبہ کے لئے روانگی ہو گئی، وہاں چار دن قیام رہا، مقصد صرف حاضری درود و سلام اور مسجد نبوی تھی، اس لئے وہاں کوئی پروگرام نہیں رکھا گیا، قیام گاہ ہی پر جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ اور مدینہ طیبہ کے علماء و احباب تشریف لاتے رہے۔ یمن کے سفر کے بارے میں تاخیر، موسم کی سختی، اور اس وجہ سے کہ اصل دست

اے عبدالغنی محمد نورولی کے نام سے جدہ میں شہور فرم ہے جس کا مالک ایک قدیم ہندوستانی دیندار خاندان ہے جو تقریباً ایک صدی قبل ظن (گجرات) سے یہاں منتقل ہوا، اور نورولی کے نام سے مشہور ہے، اس وقت اس خاندان کے ذمہ دار فرداود فرم کے مالک حاج محمد نور عبدالقادر نورولی ہیں، ۱۹۶۲ء سے جدہ اور مدینہ طیبہ میں انہیں کے یہاں قیام رہتا ہے، ان کے برادر عم زاد محمد ولی عبدالشکر نورولی بھی خاص تعلق رکھتے ہیں۔

مکتبۃ التوجیہ والإرشاد (الهیئة العامة للمعاهد العلمیة) اور اتحاد طلاب الیمن یمین کے طلبہ کے وفاق (فیڈریشن) کے طرف سے تھی، اور یہ ماہ شاہد مدارس کے امتحانات کا ہو، یمین کے سفر کے بارہ میں بڑا تردد پیدا ہو گیا تھا، اور اس کو ملتوی کر دینے کا ارادہ غالب تھا، لیکن جامعہ اسلامیہ کے ایک ممتاز اتا و عبد الشرف قادری صاحب نے جو اصلاً یمین ہی کے ہیں، اور ان کے وہاں کے ذمہ داروں اور جمعیات کے عہدہ داروں سے خصوصی تعلقات ہیں، سفر پر زور دیا اور کہا کہ نہ موسم گرم ہوگا، اور نہ طلبہ کے امتحانات اس سفر کے لئے کوئی مانع ہے، انھوں نے سفر کے انتظامات کی ذمہ داری لی اور صنعاء سے براہ راست رابطہ قائم کیا، جتدہ میں جمعیت اتحاد الطلبة کے نمائندہ نے بھی اس معاملہ میں تعاون کیا، اور سفر کا عزم کر لیا گیا۔

رابطہ ادب اسلامی کا قیام

مدینہ طیبہ سے، مٹھی کو جتدہ واپسی ہوئی، مکہ مکرمہ جا کر عسرہ کیا، وہاں عربی ادب کے ممتاز علماء کا ایک وفد آ کر ملا، یہ وفد ریاض کی امام محمد بن سعود یونیورسٹی اور مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ ڈاکٹر عبد الباسط بڈ اتا و حیدر بڈ اور ڈاکٹر عبد القدوس ابو صاع پر مشتمل تھا، یہ حضرات ریاض اور مدینہ سے خاص غرض سے مکہ مکرمہ آئے تھے، انھوں نے رابطہ ادب اسلامی کے اغراض و مقاصد بیان کئے اور اس کے آئین کا مسودہ پیش کیا اور مجھ سے اس کی سربراہی قبول کرنے اور اس رابطہ کو ایک بین الاقوامی تنظیم

کی حیثیت سے قائم کرنے کی اجازت دینے کی خواہش کی، یہ بھی طے پایا کہ عربی انشورہ کی ایک کمیٹی بنادی جائے اور مراکش اور الجزائر سے لے کر خلیج کی ریاستوں کے ادباء اور اہل قلم کو شرکت و رکنیت کی دعوت دی جائے اور آئندہ سال اس کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہو، اس کا صدر دفتر ندوۃ العلماء ہی میں ہے گا، اور عزیزی مولوی محمد رابع ندوی عمید کلیۃ اللغة العربیۃ اس کے جنرل سکرٹری ہوں گے۔

مفتی عتیق الرحمن حسنا کی وفات کی اطلاع

۱۰ شعبان ۱۴۰۲ھ (۱۲ مئی ۱۹۸۲ء) کو ہم لوگ جدہ میں نورانی حسنا کے مکان پر

لے اس رابطہ کے قیام کے اصل محرک داعی امام محمد بن حودو نیویٹی کے شعبہ ادب کے صدر ڈاکٹر عبدالرحمن رافت اباشا تھے، جنہوں نے ادباء کی ایک مجلس میں پہلی ملاقات کے موقع پر کئی سال پہلے ریاض میں مجھے یہ کہا تھا کہ ادب اسلامی کے نقطہ نظر سے اور ادب عربی میں اسلامی عناصر کو تلاش اور اجاگر کرنے کے لئے ادب عربی اور عربی زبان کے اسلامی کتب خانہ کو دوبارہ کھنگالنے اور اس کا از سر نو جائزہ لینے کا خیال سب سے پہلے آپ کی کتاب "مختارات" کے مقدمہ اور اس مضمون سے پیدا ہوا، جو آپ نے المجمع العلمی العربی دمشق کا رکن منتخب ہونے پر ۵۷ھ میں لکھا تھا، اور وہ المجمع کے سہ ماہی رسالہ میں شائع ہوا تھا، ڈاکٹر اباشا نے خود ساہا سال سے اسی لائن پر کام شروع کر رکھا تھا، اور کئی مجموعے مرتب کر کے شائع کر چکے تھے، اسی نقطہ نظر سے وہ اپنے طلبہ کو ڈاکٹر ٹیٹ کے مقالوں کی تیاری کے لئے مشورہ دیتے تھے، اس طرح بالواسطہ اور بلاواسطہ ادب اسلامی کا ایک ذخیرہ منظر عام پر آ گیا، ادباء عرب کی یہ وسیع النظری اور فراخ دلی کی دلیل ہے (جو ان کا قومی اور نسلی خاتمہ ہے) کہ انہوں نے اس رابطہ کی صدارت کے لئے ایک عجمی ہندی نثر اور خادم دین و ادب کا انتخاب کیا۔

بیٹھے ہوئے تھے کہ حافظ کرامت اللہ صاحب کا دہلی سے فون آیا کہ مفتی عتیق الرحمن صاحب کا انتقال ہو گیا، اور فلاں وقت تدفین ہے، مفتی صاحب اگرچہ آخر فروری ۱۹۸۲ء سے علیل تھے، ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء کو دارالمصنفین کے ”اسلام اور مستشرقین“ پر ہونے والے سیمینار سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ان پر فلج کا حملہ ہوا تھا، جس سے وہ صحت یاب نہیں ہوئے، بالآخر وہ حادثہ پیش آگیا، جس کا عرصہ سے خطرہ تھا، لیکن فرط تعلق سے ایسا معلوم ہوا، کہ یہ حادثہ اچانک اور ناگہانی طور پر پیش آیا ہے، معاصر علماء و ملت کے قائدین، دینی اداروں اور مسلمانوں کی بزم ملی کے اراکین بلکہ اساطین میں سے کسی سے شاید ایسا تعلق و انس نہ رہا ہوگا، جیسا مفتی صاحب مرحوم سے تھا، کاروانِ زندگی میں مجلس مشاورت کے دوروں کے سلسلہ میں تعاون بہروں میں رفاقت اور اتحاد و فکر و خیال کی طویل داستان، کاروانِ زندگی، جلد دوم میں پڑھی جاسکتی ہے، اطلاع کا قلب و دماغ پر بڑا اثر پڑا اور میں نے اجاب خاص سے اسی وقت استدعا کی کہ وہ مفتی صاحب کی نیت سے عمرہ و طواف کر کے ان کی روح کو ثواب پہنچائیں، اسی وقت کئی دوست بواہلِ دین و صلاح اور ہندوستان کی ملتِ اسلامی کا درد رکھنے والے تھے، مکہ معظمہ روانہ ہو گئے، میں نے جدہ ریڈیو سے مفتی صاحب کے بارہ میں ایک تقریر اردو میں نشر کی جس میں ان کی ملی خدمات اور ان کی خداداد خصوصیات و کمالات کا ذکر کیا اور بتایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں ان کی وفات سے قیادت و رہنمائی کا

لے حافظ کرامت صاحب دہلی کے بڑے ٹھیکیداروں میں ہیں اسی کے ساتھ دیندار، تبلیغی جماعت اور تبلیغی مرکز

سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، مرکز کے قریب ہی نظام الدین ویسٹ میں ان کی کوٹھی ہے، اور رقم سٹوڈ

کا ادھر کئی برسوں سے دہلی میں انھیں کے یہاں قیام رہتا ہے، ”کاروانِ زندگی“ جلد دوم ص ۹۱-۱۰۵

کیسا خلا پیدا ہو گیا ہے، یہ بھی مفتی صاحب کی مقبولیت کے آثار میں سے ہے کہ جب وہ ناگزیر مرحلہ پیش آیا جو سب کو پیش آتا ہے، تو ان کا ایک محب و مخلص قدردان اور خود رفیق کار اس سر زمین مقدس پر تھا، اور اس کو ان کے دوستوں و شیرالتعداد نیاز مندوں کو ان کے لئے دعا و ایصالِ ثواب کی طرف توجہ دلانے کی توفیق ہوئی۔
ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.

بمن کا سفر

بمن سے تعلق اور اس ارضِ علم و ایمان اور سر زمین رنگ و بو کو دیکھنے کا اشتیاق تو ہر مسلمان کو ان امتیازی اوصاف اور تعریف کی بنا پر ہونا قدرتی ہے، جو زبانِ نبوت سے اہلِ بمن کی شان میں ان الفاظ میں آئی ہے "أتاكم اهل اليمن أساق أفئدة وألين قلوباً لإيمانيمان والحكمة يمانية" (تمہارے یہاں اہلِ بمن آئے ہیں، بڑے رفیقِ القلب، نرم دل ہیں، ایمانِ بمن کا حصہ ہے، دین کی سمجھاؤر حکمتِ بمن کی خصوصیت ہے) لیکن میرے لئے ذاتی طور پر ایک اور محرک تھا، وہ یہ کہ میری عربی زبان و ادب کی تعلیم اور اس کا ذوق بکیر شیخ خلیل بن محمد بن حسین یانی کا رہنمائی منت ہے، ان کو یمنی خصائص کا ایک بڑا حصہ وراثت میں ملانہا،

لہ مفتی صاحب پر راقم کا مفصل مضمون "برہان" کے یادگاری نمبر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

لہ یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں (کتاب المغازی) بخاری ہی کی دوسری روایت میں "والفقهيمان والحكمة يمانية" کے الفاظ بھی آئے ہیں (صحیح بخاری جلد ۲) لہ تفصیلی تعارف اور ان کے خصائص و کمالات معلوم کرنے کے لئے "پرانے چراغ" جلد اول کا مضمون ملاحظہ ہو جو ان کے بارہ میں ہے (۲۰۶-۲۲۸)

اور ان کے رگ و پے میں ساری و جاری، ان کی صحبت میں یمن سے گرویدگی اور اس کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا نہ ہونا محلِ تعجب تھا، اس کے ساتھ میری سندِ حدیث جو مجھے شیخ الحدیث مولانا جید حسن خاں کوئی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید امام حدیث اور خاتم الحدیثین شیخ حسین بن یحییٰ بھوپالی سے حاصل ہوئی، اس کے ابتدائی شیوخ و وسائل سب یمنی ہیں لیکن تقدیری بات ہے، اور ایک طرح سے موجبِ حیرت کہ عالمِ عربی کے اکثر بلاد و امصار (خلج سے لے کر اجکڑ اور رباط و مراکش تک) کی سیاحت و سفر کا موقع ملا اور اکثر بلاد میں ایک سے زائد بار جانا ہوا، لیکن ابھی تک یمن کے سفر کی نوبت نہیں آئی تھی، ۱۹۷۶ء میں یمن آنے کی دعوت ملی تھی اور ٹکٹ بھی پہنچ گئے تھے، لیکن وزیر میں تاخیر ہو گئی اور وہاں کا سفر ملتوی کر کے آگے کا پروگرام (البوظی وغیرہ کا) مکمل کر لیا گیا، "الأمور مرهونة بأوقاتها" کی مثل جیسے صدیوں پہلے صادق تھی آج بھی ایک حقیقت ہے، میری عربی تصنیفات میں پہنچ چکی تھیں، اور بعض نصاب میں داخل ہیں، وہاں کے علماء و مصنفین ان سے مانوس تھے۔ سفر کے بڑے محرک اور اولین داعی ایک فاضل یمنی نوجوان احمد عبدناشر تھے، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل ہیں، اور اس وقت یمن کے مکتبۃ التوجیہ والارشاد (قومی تربیت کا محکمہ) کے مشیر ہیں، شمالی یمن کی حکومت نے بھی جس میں اس وقت دینی رجحان کے لوگ غالب ہیں، اس سفر سے خاص دلچسپی لی اور تعاون کیا، وہاں جا کر یہ دیکھ کر تعجب ہوا، کہ سو مت نے ایسے خصوصی اعتماد کا اظہار کیا، جو ابھی تک کسی اسلامی مملکت یا کسی عرب ملک نے نہیں کیا تھا، اور ایسے مرکزوں میں تقریر کی اجازت دی جہاں باہر کے لوگوں کو آزادی سے جانے اور دیکھنے کا بھی موقع نہیں دیا جاتا ہے، اس میں وہاں کے ان بعض علماء، قضاة اور صدور کا بھی

بڑا دخل تھا، جن کا عوام اور اہل حکومت دونوں کی نظر میں احترام ہے، اور صدر جمہوریہ و وزیر اعظم سے لے کر عام محکام و ارکان پارلیمنٹ سب ان کو مخلص، پسندیدہ عالم اور ملک و وطن کا سچا خیر خواہ اور قابل اعتماد مشیر سمجھتے ہیں، اس سب کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔

صنعا میں

۱۲ مئی کو صبح ۷ بجے جدہ سے سعودی ایر لائنس کے طیارہ سے روانگی ہوئی، طالب علمی کے زمانہ میں حماسہ کا ایک قصیدہ پڑھا تھا، جس کا پہلا مصرعہ تھا:
لأبد من صنعا وإن طال السفر
اب طیارہ کے سفر نے اس کو گھنٹوں کی بات کر دی ہے، سو اگھنٹہ کے بعد ہم صنعا ایر پورٹ پہنچ گئے، ہوائی اڈہ پر احمد عبیدہ ناشر، شیخ محمد المؤید (مدیر الدعوة والارشاد) مین اسٹوڈنٹس فڈریشن کے نمائندے اور دوسرے ممتاز اصحاب موجود تھے۔

اقبال نے قرطبہ میں کہا تھا ہے

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے

رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اب ہم خود یمن پہنچ گئے تھے، طبیعت میں ایک انشراح اور شہر و محسوس

ہو رہا تھا، مطار پر آنے والے حضرات قانونی کارروائیاں مکمل کرنے کے بعد

لے صنعا جانا ضروری ہے، چاہے سفر کتنا طویل طویل ہو۔

ہمیں شہر کی طرف لے چلے، ایک پرانے طرز کے محلہ میں جہاں عمومی قسم کے مکانات تھے، انھوں نے موٹر روکی، مجھے تعجب ہوا کہ عام طور پر یہاں لوگوں کو شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہرایا جاتا ہے، یا کسی معزز آدمی کا مہمان بنایا جاتا ہے جس مکان میں وہ لے گئے اس میں بکریاں بندھی ہوئی تھیں، خیال ہوا کہ کیا یہیں ٹھہرنا ہوگا؟ دروازہ کھلا اور قدیم علماء کا نمونہ ایک صاحب نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں خوش آمدید کہا، انھوں نے دین کی دعوت دینے والی اور اس کے غلبہ کی کوشش کرنے والی جماعتوں پر تبصرہ کیا اور کہا کہ دو طریق کار ہیں، ایک یہ کہ اہل ایمان (حکومت کی) کرسیوں تک خود پہنچ جائیں (یعنی ان کو براہ راست اقتدار حاصل ہو جائے) دوسرے یہ کہ ایمان ان کرسیوں تک پہنچ جائے (یعنی اہل حکومت دین کی دعوت قبول کر لیں اور اس کی ترویج و تنفیذ کا خود ذمہ لے لیں) انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے سمجھا ہوں کہ آپ اس دوسرے طریق کار ہی کو ترجیح دیتے ہیں، میں نے اس سے اتفاق کیا اور کہا کہ ہمارے یہاں بڑے صغیر ہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد فاروقی (م ۱۳۱۷ھ) نے یہی طریق کار اختیار کیا تھا، اور اس کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ ہمارے علم میں عالم اسلام میں کسی انقلابی و اصلاحی تحریک کو حاصل نہیں ہوئی، پھر انھوں نے شمالی سین کی موجودہ صورت حال کا ان کے امکانات اور تقاضوں پر مختصر تبصرہ کیا، اس کے بعد مجلس درخواست ہوئی، اور ہم لوگ ان سے رخصت ہوئے، معلوم ہوا کہ ان کا نام شیخ یسین عبدالعزیز ہے، اور وہ ایک عالم و مخلص داعی ہیں، ہمارے رفقاء نے بتایا کہ ہم کو اپنی جائے قیام پر پہنچنے سے پہلے یہاں اس لئے لایا گیا تھا کہ ہم

ملک کی صورت حال سے واقف ہو جائیں، اور یہاں کے قیام میں اس سے فائدہ اٹھائیں، ہمیں ان کی یہ جدت بہت پسند آئی، اور اس میں "الحکمة یمانیة" کا پرتو نظر آیا۔

یہاں سے وہ ہمیں سیدھے ہوٹل فندق الحمد للسیاحی لے گئے، جو کسی زمانہ میں امیر علی کا محل تھا، بعد میں اسی ہوٹل کے احاطہ میں ہماری سہولت کے پیش نظر ایک (VILLA) نما چھوٹی سی عمارت میں ہمیں منتقل کر دیا گیا، جہاں موٹر دروازہ تک آجاتی تھی، یمن میں ہمارے پروگراموں کی ترتیب اور اس سفر و قیام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا نقشہ بنانے، اس کے لئے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرنے، اور ذمہ داران حکومت سے ملانے اور ان سے آزادانہ تبادلہ خیال کا موقع فراہم کرنے میں جن لوگوں کا خاص طور پر دخل تھا اور ان کی رہنمائی تھی، ان میں یمن کے مدارس و معاہد کی ہیئت عام (الهیئة العامة للمعاہد العلمیة) کے صدر شیخ یحییٰ الفیصل، اور القاضی الارشی تھے، جو سابق صدر جمہوریہ حال نائب صدر جمہوریہ اور مجلس الشعب کے صدر ہیں، آخر الذکر یمن کی بڑی محترم و معتمد علیہ شخصیت ہیں، جن کا علم و صلاح اور اخلاص عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، ان کے بعد پارلیمنٹ کے ایک ممبر جمود ہاشم الذارجی اور صنعاء یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبد العزیز المفاحیح کا نمبر ہے۔

صنعاء یونیورسٹی میں تقریر

پہونچنے کے دوسرے ہی روز (۱۴ شعبان ۱۴۰۲ھ، ۱۵ مئی ۱۹۸۲ء) صنعاء یونیورسٹی میں تقریر کا پروگرام تھا، ہم ہال میں پہونچے، تو دیکھا کہ طلبہ اور صنعاء کے

تعلیم یافتہ حضرات سے ہال بھرا ہوا ہے، جن کو کرسیوں پر جگہ نہیں ملی تھی، وہ فرش پر بیٹھے تھے، باہر کا میدان بھی سامعین سے پُر تھا، یہ مین میں میری تقریر کا پہلا موقع تھا، مجھے محسوس ہوا کہ طبیعت کھلی ہوئی ہے، اور مضامین کی آمد اور خیالات کا جوش ہے۔

میں نے اپنے اس دلی تاثر و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے تقریر یہاں سے شروع کی کہ آپ لوگ دنیا کے اس مشہور آبشار سے واقف ہیں، جو کنیڈا کے مشہور شہر ٹورنٹو (TORONTO) کے قریب اور NIAGARA FALLS کے نام سے مشہور ہے، اور دنیا کے سائٹ عجائبات میں اس کا شمار ہے، میں نے خود اس کو دیکھا ہے، وہ ایک سو اٹھ میٹر کی بلندی سے گرتا ہے، پانی کی بلندی ۵۴ میٹر ہوتی ہے، لیکن جس ملک کو اللہ تعالیٰ نے یہ آبشار عطا فرمایا ہے، وہ اس سے صرف قوتِ کهربائی (ELECTRIC POWER) حاصل کرتا ہے، جس سے کہتے ہیں کہ پچاس لاکھ (MEGA-WATT) کی قوت حاصل کی جاتی ہے، اور اس سے دُور دُور کے شہر میں روشنی پہنچائی جاتی ہے، اس سے یہی کام لیا جاسکتا ہے، اور اس ملک و معاشرہ کا یہی ذہن اور یہی میدانِ عمل ہے۔

لیکن میں آج آپ کو ایک دوسرے ”آبشار“ کی خبر دیتا ہوں، جس میں اس امتِ اسلامیہ کا عام اور آپ کے ملک کا خاص حصہ ہے، اور جس کے وجود اور قوت کی شہادت زبانِ نبوت نے دی ہے، وہ ”آبشارِ ایمانی“ ہے، جس سے اللہ نے خاص طور پر آپ کے ملک اور قوم کو سرفراز فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ أَرْقًا فَدَعَا إِلَيْنِ قُلُوبًا بِالْإِيمَانِ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةَ يَمَانِيَّةً“

دنیا کے مالک اور قومیں دنیا بھر کی طاقتوں، دولتوں اور خزانوں کی مالک ہیں لیکن اس آبشار سے محروم ہیں، اس کا نتیجہ مادہ پرستی، قوم پرستی، نفسانیت، جماعتی اور

یاسی تعصبات اور انتشار و تصادم ہے، میں نے ان مغربی ممالک کا نقشہ ان کے سامنے کھینچا اور بتایا کہ آج بھی مسلم ممالک اور مسلم اقوام کن خصوصیات کی مالک ہیں، ان سے کتنا بڑا کام لیا جاسکتا ہے، اور دنیا میں انقلاب لایا جاسکتا ہے، لیکن عوام ان سے ناواقف اور ان کے قائدین اور ذمہ داران حکومت ان سے خائف اور متوجس ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اس سے کام نہیں لیا جا رہا ہے، بلکہ اس کو کمزور کرنے اور بند کرنے کی تدبیریں سوچی جا رہی ہیں، اس کو قدامت پسندی کا ایک نشان اور رجحیت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

پھر میں نے ان نوجوانوں کو خطاب کر کے کہا کہ آپ خود شناسی اور خود نگری سے کام لیں اور گویا اقبال کے ان اشعار کو اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

تا چند غافل فارغ نشینی	بینی جہاں را خود را نہ بینی
دستِ کلیمی در آستینی	نورِ قدیمی شب را با فروز
تو بیشتر از بینی تو بیشتر از بینی	بیروں قدم نہ از دور آفاق
مرگ است صیدے تو در کمینی	از مرگ نرسی اے زندہ جاوید؟

تقریر کرتے کرتے ایک ایسا مضمون قلب میں وارد ہوا جس سے خود مجھے بھی حدیث کے فہم کی ایک نئی لذت ملی، میں نے کہا۔

عزیزو اور بھائیو! اگر کوئی طبیب کسی شخص کو دیکھ کر کہے کہ تم بالکل تندرست ہو،

اے اس کو ہندوستان کی موجودہ سیاست و محافت کی زبان میں بنیاد پرستی (FUNDAMENTALISM) کہا جاتا ہے۔

تم صحت کی بڑی اچھی حالت میں ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص دو دن یا چار دن کے بعد بھی ایسا ہی رہے گا، اس لئے کہ طبیعت نے اپنے فن اور تجربہ کے مطابق اس کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اس کو اطمینان دلایا، لیکن جب خدا کا پیغمبر جس کی صفت "لَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ" بیان کی گئی ہے وہ فرماتا ہے کہ "الإيمانُ بيمانٍ" تو ضروری ہے کہ اس قوم میں اس ایمان کی تجلی ہر زمانہ میں ہو اور خود آپ کو بھی غیرت آنی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ یہ خصوصیت ہونبی کی شہادت پر مبنی ہے ہمیشہ آپ کے ملک اور آپ کی قوم کا خاصہ رہے۔

پھر میں نے کہا کہ آج دنیا کی بہت سی مسلم اقوام اور مختلف ملکوں کے مسلمان آپ سے اس معاملہ میں سودا کرنے اور تبادلہ پر تیار ہیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہے ان سے لے لیجئے اور ایمان کی یہ گواہی ہونبی برحق کی زبان نے دی ہے، ان کو دے دیجئے، اور میں ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے تو پورے اطمینان و وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کے جتنے چاہئے کتب خانے، مدرسے اور دولت نیز تمدن و ترقی کے مظاہرے لیجئے اور ہم کو یہ شرف و عزت دے دیجئے جو اللہ کے نبی نے آپ کو عطا کی۔

یہ تقریر ڈیڑھ دو گھنٹے کے قریب جاری رہی اور سامعین ہمت تن گوش برآواز اور محو سماعت رہے۔

مسلمان کی قوت کا سرچشمہ

مجلسوں میں کئی جگہ ایشار کا تذکرہ سا، شہر میں اس کا چرچا تھا، صنعا میں

لہ پوری تقریر "نجات الإیمان بین صنعا و عمان" میں دیکھی جاسکتی ہے، جو مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے اور "دار الصحوۃ" قاہرہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

تین تقریریں اور پوٹیں ایک گلیتھ الطیران (AIR FORCE) ٹریننگ کالج میں جو صنفاً پہنچنے کے بعد ہی ہوئی، مغرب کے بعد تقریر کا پروگرام تھا، ہم لوگ مسجد میں مغرب سے پہلے پہنچ گئے، دیکھا کہ خاصی تعداد میں نوجوان تلاوت قرآن میں مشغول ہیں، معلوم ہوا کہ نمازیہاں لازمی ہے۔

افسوس ہے کہ اس تقریر کا کیسٹ نہیں مل سکا اور نہ کوئی یادداشت اس لئے اس کا خلاصہ پیش نہیں کیا جاسکتا، البتہ مدثرعات (ARTILLERY CENTRE) میں جو ٹینک پر کام کرنے والے فوجیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے، کی تقریر محفوظ ہے اور اس کا خلاصہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس مرکز کے حدود میں پہنچے تو وہاں کے افسر اعلیٰ نے استقبال کیا، اور فوجی طریقہ پر فوجیوں کو ہال میں جمع ہونے کا اشارہ دیا، جو کئی سو کی تعداد میں تھے، مقرر کے لئے پہلا موقع تھا کہ اس اہم اور نازک موقعہ و مرکز میں خطاب کرتا، اپنے طویل اور کثیر التعداد سفروں اور مسلم و عرب ممالک میں سے بعض کی حکومتوں کی دعوت پر ان ملکوں میں جانے کے باوجود یہ پہلا تجربہ تھا کہ حکومت نے ایر فورس اور (ARTILLERY) سے خطاب کا موقعہ دیا۔

تقریر میں نے قرآن مجید کے سورہ نساء کی اس آیت سے شروع کی :-

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقُوَّةِ ۗ

اِن تَكُونُوا تَامِلُونَ فَاِنَّهُمْ

يَاْمُونَ كَمَا تَامِلُونَ وَتَرْجُونَ

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ط

اور دشمنوں کے سچھا کرنے میں سستی

نہ کرنا، اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو

جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو

اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا

اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں

رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے اور

خدا سب کچھ جانتا ہے اور بڑی

حکمت والا ہے۔

پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا کہ مسلمان سپاہی کی قوت کا سرچشمہ اللہ کے ان وعدوں پر ایمان ہے جو شہید کے لئے کئے گئے ہیں اور اس فضیلت و مرتبہ اور اجر و ثواب کے حصول کا شوق جو قرآن مجید کے آیات اور احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے اور جو درجہ قطعیت و نواتر تک پہنچ گیا ہے اور نہ انسانی جسم و اعضاء اور درد و تکلیف، زخم و جراحت کے احساس اور زندگی و موت کے طبعی قانون کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، میں نے ان آیتوں کی تلاوت اور ان متعدد احادیث کا حوالہ دینے کے بعد جو شہادت اور شہید کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، بتایا کہ یہی وہ خارق عادت، بحیر العقول اور ناقابل قیاس طاقت تھی، جس میں امت اسلامیہ کے مجاہدین و سرفروشان دنیا کے تمام قوموں سے ممتاز اور ان پر فائق تھے، اور جس طاقت کے معجزات اور خوارق کا ظہور ہوا، دنیا کا نقشہ بدل گیا، انسانیت کی تقدیر تبدیل ہو گئی، اور اس نے تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا، اس سلسلہ میں میں نے حضرت جعفر طیار، حضرت انس بن النضر، سعد بن ربیع اور حضرت خبیث کی جاں سپاری، سرفروشی، اور ناقابل قیاس شجاعت کے واقعات بیان کئے۔

پھر میں نے کہا کہ شاید کوئی یہ کہے کہ یہ اس زمانہ کے واقعات ہیں جو خبر و برکت کے

لہ یہ واقعات مجموعہ "نغمات الایمان" میں درج اس تقریر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

معمود اور سراپا سعادت اور نور تھا، آپ ایسے لوگوں کے حالات بیان کر رہے ہیں جو نبوت کے گود میں پلے اور قرآن و ایمان کے مدرسہ میں پڑھے اور بڑھے تھے، ان کی توقع ان لوگوں کی جاسکتی ہے جن کو نہ وہ مبارک زمانہ ملا، نہ وہ مقدس ماحول و مقام، اس لئے میں ہندوستان کی تحریک جہاد و دعوت کے جس کی قیادت حضرت بید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، چند ایمان افروز واقعات سناتا ہوں، پھر میں نے مایا ر کی جنگ، ایک زخمی مجاہد سید ابو محمد کی جان کنی کے وقت شکر و مسرت اور مقدمہ انبالہ (۱۸۶۳ء) کے ”مزموموں“ کا اپنی پھانسی کا فیصلہ سننے پر نشا نشت اور حمد و شکر کے منظر، اور مولانا یحییٰ علی صاحب صادق پوری کے صبر و استقامت اور فرحت و اطمینان کا واقعہ سنایا، پھر میں نے کہا کہ اس قوت کو جو وحی اور تعلیمات نبوت کا نتیجہ ہے کسی طرح ضائع نہیں ہونے دینا چاہئے، اسی طرح خدا کی نافرمانی سے احتیاط ضروری ہے، اس موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس تحریر کا اقتباس سنا یا جو انھوں نے اپنے فوجی قائد (کمانڈر) کو بھیجی تھی، انھوں نے تحریر فرمایا تھا:-

”اگر مخالفین اور ہم معاصی میں برابر ہو گئے تو وقت و طاقت اور

تعداد میں تو وہ ہم سے پہلے ہی سے بڑھے ہوئے ہیں اگر ہم اپنی حقانیت

اور فضیلت کی بناء پر نصرت الہی کے مستحق نہیں ہوئے تو محض اپنی طاقت

سے ان پر غلبہ نہیں پاسکتے..... اس لئے طاقت اور قدرت کے بجائے

اپنے طرز زندگی اور گناہوں کی فکر زیادہ ضروری ہے“

لے یہ واقعات ”سیرت بید احمد شہید“ یا مصنف کی دوسری مختصر کتاب ”جہاد ایمان کی بہار آئی“ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ۱۵ یہ تحریر ”نفعات الایمان“ میں مندرج تقریر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

قوم سبا کے قصہ سے سبق

تیسری تقریر جامع مشہد میں ایک بڑے مجمع کے سامنے ہوئی، جس میں اس تاریخی حقیقت سے فائدہ اٹھایا گیا کہ قوم سبا اور ملکہ سبا کا تعلق یمن ہی کی سرزمین اور قدیم تاریخ سے تھا، میں نے آیت کی تفسیر اور شان نزول بیان کرتے ہوئے سامعین کو انسان کی اس فطری کمزوری پر توجیہ کیا کہ وہ راحت و آرام، سکون و اطمینان کے تسلسل اور ایک ہی قسم کی چیز سے (خواہ وہ کتنی لذت بخش اور راحت رساں ہو) اکتا جاتا ہے، اور تبدیلی چاہتا ہے، چاہے یہ تبدیلی اس کے بالکل برخلاف اور سخت آزمائشوں میں مبتلا کر دینے والی ہو، اسی کو قرآن مجید نے "بَطْر" کے بلیغ لفظ سے ادا کیا ہے:-

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ
 اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک
 مَعِيشَتَهَا. (سورہ قصص - ۵۸)
 کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت
 میں اتر رہی تھیں۔

یہ قوم سبا کی کہانی ہے، جس کو اللہ نے سب کچھ دیا تھا، سفر کو نہایت سہل و پُر راحت بنا دیا تھا، فاصلے قریب کر دیئے تھے:-

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى
 اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں
 الَّتِي بَرَكَتْنَا فِيهَا قُرَى ظَاهِرَةً
 کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی

اے سبا کا دارالسلطنت صنعاء کے مشرق میں ۳۷۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہ قوم
 یمنی الاصل اور یمنی الوطن تھی۔

وَقَدْ زَنَا فِيهَا السَّيْرَ سَيْرًا
بستیاں آباد کر رکھی تھیں (دور سے)
فِيهَا لِيَالِي وَأَيَّامًا مَمِينًا ۝
نظر آنے والی، اور ہم نے اس میں
(سورہ با - ۱۸)
سفر ٹھہرا دیا تھا، سفر کرو اس میں
رات اور دن بے کھٹکے۔

لیکن انھوں نے اس نعمت کی ناشکری کی قرآن کہتا ہے :-

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيِّنَاتٍ
پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے
أَسْفَارِنَا. (سورہ با - ۱۹)
پروردگار ہمارے سفروں میں
درازی کر دے۔

یہ کوئی سفر میں سفر ہے کہ ہم کھاتے پیتے مزے اڑاتے، بات کرتے ایک جگہ
سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان سے وہ سب
نعمتیں سلب کر لیں اور ان کو ملکوں میں تتر بتر کر دیا اور ان کو تاریخ کا افسانہ
بنا دیا :-

فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَذَاهِمَ
تو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور
كُلَّ مُتَرَقٍّ. (سورہ با - ۱۹)
ان کو بالکل تتر بتر کر دیا۔

پھر میں باصنی سے حال کی طرف آیا، اور میں نے کہا کہ مجھے بہت سے مسلم اور
عرب ممالک اور اسلامی معاشروں کے بارہ میں اسی بیماری (بطر) کے پیدا ہونے کا
خطرہ ہے کہ وہاں ہر طرف ہل من جدید کانعرہ سنتے ہیں آتا ہے ہل من مزید
کانعرہ اتنا خطرناک نہیں جتنا ہل من جدید کانعرہ ہے، کیسے ہی حالات ہوں،
بہر حال "انقلاب زندہ باد" کانعرہ لگایا جاتا ہے، یہ ملک قوم کو نئے خطرہ اور

آزمائش سے دوچار کر لینے کے مراد ہے کہ صراح کے بجائے طالع، امن کے بجائے بدامنی، خیر خواہی کے بجائے بدخواہی کی کوئی تمیز اور عواقب نتائج سے کوئی بخت نہ ہو، یہ طرز فکر اور نفسیات (PSYCHOLOGY) بہت خطرناک ہے، اور قوم بلکہ انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا
نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ
(سورۃ ابراہیم - ۲۸)

کیا آپ نے ان لوگوں کو سن رکھا
جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے
معاوضہ میں کفر کیا، اور اپنی قوم کو
ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں لا اتارا۔

ذمہ داران حکومت سے ملاقاتیں

صنعا میں چوٹی کے ذمہ داران حکومت سے ملاقاتیں ہوئیں، ان میں صدر جمہوریہ علی عبداللہ الصراح بھی تھے، جنہوں نے جمعہ کے دن قصر جمہوریہ میں کھانے پر مدعو کیا، شیخ یحییٰ الفیصل کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی، جو معاہدہ علمیہ کی ہیئۃ عامہ کے صدر ہیں، اور صدر جمہوریہ سے ان کے اچھے تعلقات معلوم ہوئے ہیں، نماز کے بعد کھانے پر گئے، صدر صاحب نے مجلس میں بھی اور تنہائی میں بھی گفتگو کی، بڑی سادگی، نیکلفی، احترام اور اظہار اعتماد کے ساتھ ملے، میں اٹھنے لگا تو انہوں نے تھوڑی دیر اور بٹھایا، وہاں سے نکلنے کے بعد T.V. اور ریڈیو پر پروگرام تھا، جس میں میں نے اپنی تعلیم اپنے استاد خلیل عرب صاحب اور میں سے قدیم تعلقات کا حوالہ دیا، اور رمضان المبارک کی

آمد پر اس کے استقبال اور اس کا حق ادا کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔

صدر جمہوریہ کے علاوہ وزیر اعظم عبدالعزیز عبدالغنی و وزیر اوقاف، وزیر خارجہ صنّیجی اور بعض ارکان پارلیمنٹ سے بھی ملاقاتیں رہیں، اور سب سے پوری آزادی کے ساتھ بات کرنے کا موقعہ دیا اور دیکھی اور توجہ کا اظہار کیا، علماء و قائدین میں سے قاضی عبدالرحمن محبوب اور یحییٰ لطیف الفیصل سے برابر ملاقاتیں اور رابطہ رہا، اول الذکر مکتبۃ التوجیہ والارشاد کے سربراہ ہیں جو عوام کی فکری اور دینی رہنمائی کا مرکز ہے، ثانی الذکر الہیئة العامة للمعاہد العلمیة کے سربراہ ہیں جو پورے ملک میں تعلیمی ترقی اور مدارس کے قیام اور ان کی باہمی ربط کا بھی ذمہ دار ہے۔

بین میں دعوتی لٹریچر اور اس کا اثر

یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ باہر کی دنیا سے روابط کی کمی کے باوجود ہماری عربی کتابیں اور رسائل یہاں پہنچے ہوئے تھے اور پڑھے گئے تھے، بعض حضرات سے ملنے جانا ہوا تو دیکھا کہ دروازہ پر ہماری بعض کتابوں اور رسائل کا اسٹال لگا ہوا ہے، ان میں "اذا هبت ریح الایمان" بھی نظر آئی، بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ

لہ رمضان المبارک میں ایک ہی عشرہ رہ گیا تھا اور واپسی سے پہلے بین سے سفر اجعت تھا، اس لئے اس سے فائدہ اٹھایا گیا۔ ۱۹۵۷ء یہ کتاب حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت کے مؤثر اور سبق آموز واقعات، دینی جذبے، شوق جہاد و شہادت، ایثار و قربانی اور اخلاقی بلندی کے واقعات پر مشتمل ہے جو قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں اس کا ترجمہ عزیز مرحوم سید محمد احسنی کے قلم سے "جیل بیان کی بہار آئی" کے نام سے موجود ہے۔

جب جنوبی یمن کی کمیونسٹ حکومت کی فوجوں نے شمالی یمن پر حملہ کیا اور اہم مقامات پر قبضہ کر لیا، اور یہ نظر آنے لگا کہ شمالی یمن کی حکومت ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی، اس وقت کے ذمہ داران حکومت کے حوصلے بھی لپست ہو گئے، اس وقت نوجوانوں کی ایک جماعت کھڑی ہوئی جس نے عربی میں ایسا دعوتی اور فکری لٹریچر پڑھا تھا جو دینی جذبات کو غذا پہنچاتا، فکر کو متاثر کرتا اور اسلام کے غلبہ کے لئے جدوجہد کی آہنگ اور شوق پیدا کرتا ہے، وہ کمیونسٹوں کے ارادے اور ان کے اثر و اقتدار کے نتائج سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ ان کے برسرِ حکومت آجانے کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، اور آزادی سے اسلامی زندگی گزارنا بھی مشکل ہو جائے گا، انھوں نے حکومت سے اجازت مانگی کہ ان کو کچھ سامان جنگ دے کر مقابلہ کی اجازت دی جائے، اہل حکومت نے پہلے اس کو ان کی ناتجربہ کاری اور عمر کی کمی و خامی پر محمول کیا، پھر ان کے اصرار سے تجربہ ان کو چند توپیں اور اسلحہ دیئے، یمن پہاڑیوں کا ملک ہے، انھوں نے ایک پہاڑی پر مورچہ لگایا اور بنام خدا نعرہ تکبیر سے کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی خارق عادت طریقہ پر مدد فرمائی، انھوں نے جنوب کی بڑھی ہوئی فوجوں کو پیچھے ڈھکیں دیا، نقشہ جنگ بدل گیا اور شمالی یمن کمیونزم کے خطرہ سے بچ گیا۔

صنعا اور اس کے اطراف

صنعا کے اجاب نے صنعا کے باہر کا پروگرام بھی بتایا تھا، اس میں ملکہ با

لہ اس سلسلہ میں (والعہدۃ علی الراوی) بیان کرنے والوں نے تین کا نام لیا جن کی کتابیں

اس طبقہ نے ذوق و شوق سے پڑھی تھیں اور ان سے ان کے اندر نیا جوش اور اعتماد پیدا ہوا

تھا، یہ قطب، مولانا مودودی اور راقم سطور۔

کا دارالسلطنت اور سڈن ہاؤس کے دیکھنے کا پروگرام بھی تھا، (جو صناعاء سے ۱۷۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے) لیکن وقت کی تنگی اور سفر کی صعوبت کی وجہ سے ہم اس کی ہمت نہ کر سکے، حکومت نے ہیلی کاپٹر کے انتظام کا بھی اشارہ کیا، لیکن پھر بھی اس کی ہمت نہ کی جاسکی، صناعاء میں بھی صرف محدث جلیل عبدالرزاق بن ہمام صاحب نے مصنف کی قبر کی زیارت کی جو ایک ٹیلہ پر مسجد کے نعل میں واقع ہے، وہاں راستہ کی ناہمواری اور پتھروں کی وجہ سے صرف فوجی جیب ہی جاسکتی تھی، اسی سے ہم لوگ وہاں پہنچے اور فاتحہ پڑھی، علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب تیل الاوطار کی (جو ہمارے شیوخ حدیث میں ہیں) قبر کی زیارت نہ کر سکے، کہ وہ صناعاء سے زیادہ فاصلہ پر ہے، قابل دید مقامات میں سے امام بھٹی کا محل دیکھا، جو صناعاء کے ایک نواحی محلہ میں واقع ہے، اس کے علاوہ صناعاء میں قابل دید مقامات ہیں، کم سرطکیں عام طور پر کچی اور ناہموار ہیں، عین کے حکام (ائمہ عین) نے ملک کو تمدن اور ترقی یافتہ بنانے سے قصد اگر بڑھایا اور تمدن تنظیم جدید کی مفید اور ضروری چیزیں بھی اختیار نہیں کیں، انھوں نے عین کے دروازے مضبوطی سے بند رکھے، لیکن فطرت انسانی اور قانون قدرت نے اپنا کام کیا، عین میں انقلاب آگیا، پہلے تجدید پسند اور کمیونسٹ نواز منحصر غالب آیا، اور اس نے عین میں تیزی سے تبدیلی لانے کی کوشش کی، اس کے بعد حالات نے کئی کروٹیں لیں، بالآخر موجودہ حکومت کے لوگوں نے

اے عبدالرزاق بن ہمام حمیری صناعاء دوسری تیسری صدی ہجری کے جلیل القدر محدثین میں تھے

(ولادت ۱۲۶ھ وفات ۲۱۱ھ) امام احمد کو بھی ان سے تلمذ تھا، اور خاص اس مقصد کے لئے

(مکہ معظمہ میں ان کے مل جانے کے باوجود) انھوں نے ان کی خاطر صناعاء کا مستقل سفر کیا۔

ملک کی باگ ڈور سنبھالی جن کا رجحان اگر کھلا ہوا دینی نہیں تو مخالفت دین بھی نہیں ہے، اب وہ ملک کو ترقی دینے کی کوشش کر رہے ہیں، تیزی سے سڑکیں بن رہی ہیں، اور عصر جدید کی سہولتیں اور تمدن کے لوازم سے ملک کو روشناس کیا جا رہا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس میں کتنی منصوبہ بندی اور نئی نسل اور ملک کے مستقبل پر اسلام اور قابل حفاظت یعنی خصوصیات کے بقا و اقتدار کا لحاظ ہے۔

یمن میں قدیم سے زیدی مذہب غالب چلا آ رہا ہے، اس کے آثار اب بھی نمایاں ہیں، لیکن عبادات، اجتماعات، اخلاق و معاملہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، یمن میں نسلی، قومی نقشہ اور حلیہ کے علاوہ دو چیزیں مشترک پائیں، ایک خاص طرح سے سر پر پٹی رومال باندھنا، جو غالباً قدیم عربوں کے رواج سے قریب تر ہے، ہم نے اپنے استاد عرب صاحب کو ہمیشہ اسی طرح رومال باندھتے ہوئے دیکھا نجد اور منطقہ، تشرقیہ میں رومال کو صرف سر پر ڈال لیتے ہیں، قدیم حجاز اور موجودہ یمن کا طریقہ عامہ کی سنت سے قریب تر ہے۔

دوسرے کمر میں خنجر باندھنا جس کو جنبیہ کہتے ہیں، جو حیثیت کے مطابق سستا

لہ یمن کے ماضی و حال پر مفصل تبصرہ، امکانات اور خطرات کی نشاندہی کی تفصیل مصنف کی کتاب

”مسلم مالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش“ میں پڑھی جائے ۳۹-۴۸

لہ یہ فرقہ اگرچہ حضرت علی کی تفضیل کا قائل ہے، لیکن مذہب اثنا عشری جعفری سے بہت مختلف

ہے، اس میں تبراً صحابہ کرام کی تکفیر اور ان کی ردّت کا خیال اور اہل سنت کے خلاف غلو نہیں

پایا جاتا، یمن کے اخیر دور کے مدین کبار اور علمائے اہل سنت میں سے کئی زیدیت ترک کر کے

اہل سنت کے دائرہ میں آئے اور حدیث کی بڑی خدمت انجام دی۔

اور قیمتی ہوتا ہے، بینوں کا شمار بن گیا ہے، اس سے علما بھی مستثنیٰ نہیں، اس طرح
بینی قوم نیم مسلح ہے۔

بین کے مرکزی و تاریخی مقامات کا دورہ

صنعا کے اجاب نے بین کے اہم تاریخی شہروں اور قدیم علمی مرکزوں کی
زیارت کا بھی پروگرام بنایا تھا، ان میں وقت کی کمی کی وجہ سے انھوں نے تین ہی
مقامات رکھے تھے، تعز جو بین کا دوسرا دارالسلطنت سمجھا جاتا ہے، زبید جو کسی
زمانہ میں لغت اور حدیث کا عالمی شہرت کا مرکز رہا ہے، اور حدیدہ جو بین کی ایک
بندرگاہ بھی ہے، اور بڑا شہر بھی، اور ہمارے سلسلہ حدیث کے شیخ اکبر شیخ حسین بن
محسن انصاری پانی اور ان کے خاندان کا وطن بھی۔

صنعا سے ہم ۴، ۵ ممتاز اور فاضل بینی علماء کے ساتھ تعز کے لئے روانہ
ہوئے، راستہ چونکہ پہاڑی تھا، اس لئے ایک رہبر حفاظتی کار (PILOT CAR)
جس میں کچھ سپاہی بھی تھے، آگے آگے چل رہی تھی، راستہ بڑا خوش منظر اور نظر فریب
تھا، پہاڑیاں نہایت سرسبز اور وادیاں نہایت شاداب، حسین اور آبادیوں سے
معمور تھیں، معلوم ہوتا تھا کہ ہم کشمیر میں سفر کر رہے ہیں۔

تعز میں وہاں کے دو سربراہ اور وہ حضرات قاضی اسماعیل الاکوع اور
شیخ محمد علی الاکوع سے ملاقات ہوئی، تعز کے ایک دینی ذہن رکھنے والے
صنعت کار نے اپنے مکان پر معززین شہر اور اعلیٰ عہدیداروں کو جمع کیا،
اور وہاں ایک مختصر خطاب رہا، دوپہر کے کھانے کے بعد جب قات

کا دور شروع ہوا، تو میں نے اجازت لی اور آرام کیا۔

شام کو شہر کی جامع مسجد جامع المنظر میں بعد مغرب تقریر ہوئی جس میں علماء اور معززین شہر کی بڑی تعداد شریک تھی، مسلم ممالک اور معاشروں کے عام حالات اور بین کے خصوصی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے (جس کے سر پر جنوبی مین کی کمیونسٹ حکومت کے غلبہ اور کمیونزم کے اثر کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے) میں نے تقریر کا موضوع اور اس کا مرکزی نقطہ فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ کے اس تاریخی جملہ کو بنایا جس سے انھوں نے عرب فاتح فوج اور مسلمانوں کو مخاطب کیا تھا، انھوں نے فرمایا تھا "إتکم فی رباط دائم، لکثرة الأعداء، وکلم و تشوؤ قلوبہم إلیکم" (تم اپنے کو مستقل محاذ جنگ پر سمجھو، اس لئے کہ تمہارے چاروں طرف کثرت سے دشمن پھیلے ہوئے ہیں، اور ان کی نیتیں اور نگاہیں ہر وقت تمہارے اوپر ہیں) میں نے اس کی تشریح کرتے ہوئے دائمی طور پر بیدار اور تیار اور خطرات و امکانات سے خبردار رہنے کی ضرورت بیان کی، اسی کے ساتھ تن آسانی

لے قات مین کی ایک بوٹی ہے جس کے مینتی شدت سے عادی ہیں (چائے، کافی اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے زیادہ) دوپہر کے کھانے کے بعد خاص طور پر اس کا دور چلتا ہے، اور اس کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں پیش کی جاتی ہیں، اس کے کھانے سے سرور اور بھگوان نشہ پیدا ہوتا ہے، اس کا معدہ اور صحت پر خوشگوار اثر نہیں، لیکن علمائے مین کی اکثریت اس کے جواز کی قائل ہے، اور اس میں کوئی دینی کراہت نہیں سمجھتی، بعض علماء کے اس کے بارہ میں مستقل رسائل اور فتاویٰ ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کا مین قوم کے قوی اور ملک کی اقتصادیات پر (اس لئے کہ وہ قیمتی چیز ہے) برا اثر پڑتا ہے، اگر کبھی وہاں کوئی ہمہ گیر اصلاحی تحریک پیدا ہوئی تو وہ اس کو ضرور ممنوع قرار دے گی۔

اور سہولت پسندی کی زندگی اور اخلاقی گراؤ اور اجتماعی امراض سے بھی آگاہی
دی، اور علامہ اقبال کے ایک شعر کی عربی میں تشریح کی ہے
میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

پھر میں نے ہندوستان کی مغل حکومت کے آغاز و انجام کو پیش کیا کہ وہ بابر کی
جھاکشی، شہسواری، اور کشورکشائی سے شروع ہوئی تھی، اور محمد شاہ رنگیلے اور اس کے
جانشینوں کی عیش پسندی اور رنگ رلیوں پر ختم ہوئی، پھر قرآن مجید کی اس آیت کو
پڑھ کر اس کی تشریح اور واقعات سے اس کی تائید بیان کی :-

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَوْمًا
أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا
تَدْمِيرًا

جب ہم کسی سنی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے
ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے
ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں
تب عذاب فیصلہ اس سنی پر چسپا ہو جاتا ہے

(سورہ بنی اسرائیل - ۱۶) اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

تغز سے چل کر ہم لوگ زبیر پہنچے، یہاں اپنے ہمینی شیوخ حدیث میں سے علامہ
سلیمان بن یحییٰ بن عمر بن مقبول الاہل ہی کے گھر میں ناٹشہ کیا اور اسی خاندان کے ایک
محترم فرد شیخ اہل کے ہاں رہے، زبیر میں علامہ مجدد الدین فیروز آبادی کی قبر پر فاتحہ
پڑھی جو اسلامی حکومت کی طرف سے یہیں متعین تھے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا،
اسی زبیر میں فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی (متوفی ۱۲۰۵ھ) نے ادب
و حدیث میں مہارت پیدا کرنے کے شوق میں اتنا طویل قیام کیا کہ زبیر کے لقب سے

مشہور ہو گئے، اور اچھے اچھے اہل علم بھی بھول گئے کہ وہ او دھ کے قصبہ بلگرام کے رہنے والے اور سادات کے مشہور خاندان کے فرد تھے، ان کی دھوم ساری عربی دنیا میں مچی ہوئی تھی، ان کو اہل زبان نے خود عربی زبان و لغت کا امام تسلیم کر لیا تھا، بڑے بڑے بادشاہ ان کی کتابوں کی نقلیں منگواتے تھے، اور ان سے سند حاصل کرنا فخر سمجھتے تھے، انھوں نے قاموس کی شرح تلج العروس لکھ کر اپنی زبان دانی اور تحقیق کا اسکے علمائے عرب و عجم سے منوالیا، اس کی نظیر کسی دوسری زبان کی کسی لغت، قاموس (DICTIONARY) کے معاملہ میں نہیں ملتی، قدیم تاریخی مسجد کی بھی زیارت کی۔

زبید سے ہم لوگ حُدیدہ گئے، وہاں اس خیال سے کہ یہ ہمارے محبوب استاد شیخ خلیل عرب اور ہمارے شیوخ حدیث کا وطن ہے، ایک کشش اور محبت محسوس ہوئی، حُدیدہ میں تبلیغی مرکز میں مختصر خطاب اور مہدی علمی میں عمومی اور مفصل خطاب ہوا، جلسہ کے آغاز میں بچوں نے ایک استقبالیہ نظم بڑے دلکش اور پراثر لہجہ میں پڑھی جس میں بار بار آتا تھا کہ ہم ابوالحسن کا استقبال کرتے ہیں، سر آنکھوں پر، یا موجبا بآبی الحسن غشی علی الرؤس والمقل میں نے وہاں کھل کر اس شہر سے اپنے محبوب و محسن استاد کے رشتہ سے تعلق کا ذکر کیا، پھر عربی زبان کی (قرآن مجید کی بدولت) عالمگیری، محبوبیت، اور اس کی وسیع فتوحات، اہل عجم کے اس کے ساتھ عشق و شغف کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ اس کی یہی ایک مثال کافی ہے کہ ایک ہندی نژاد علامہ زبید مرتضیٰ مشہور بہ زبیدی نے ایک دوسرے ایرانی نژاد امام لغت

لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" از مولانا حکیم زبید عبدالحی صاحب حسنی رحمۃ اللہ علیہ جلد ہفتم ترجمہ "السید مرتضیٰ ابن محمد البلگرامی"

مجدالدین فیروز آبادی کی کتاب قاموس کی شرح چودہ برس دو مہینے مشغول رہ کر دس ضخیم جلدوں میں کی ہے جس کی مثال کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی، پھر میں نے علامہ عبدالعزیز مبینی مرحوم کا ذکر کیا، میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا تھا کہ ان کو ۵۷ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان عربی اشعار یاد ہیں، اس کی وجہ محض اہل عجم کا قرآن کی زبان سے تعلق، عقیدت و عشق ہے، اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیت کا ذکر کیا جو عثمان کی پہلی تقریر میں آچکی ہے، پھر میں نے ذات نبویؐ کا حضرات انصار سے جو نسلاً مبنی تھے، تعلق خاص کا ذکر کیا، اور اس نسبت پر فخر اور شکر کرنے اور اس کی خصوصیات و اثرات کو اپنی زندگی میں نمایاں کرنے کی دعوت دی۔

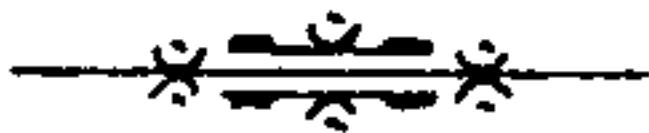
قارئین کو شاید یمن کے تذکرہ میں کچھ طوالت و دراز نفسی محسوس ہوئی ہو

لیکن۔ ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

دورہ سے واپس آکر صنعاء میں دو روز قیام رہا، ۲۱ مئی کو صنعاء سے جدہ

اور ۲۳ مئی کو جدہ سے کراچی روانگی ہوئی۔



باب دوم

بنگلہ دیش اور پاکستان کے سفر اہم مجالس اور خطابات

بنگلہ دیش

بنگلہ دیش کا سفر حقیقتاً شرق اردن، حجاز اور یمن کے سفر سے پہلے (۱۹۸۱ء مارچ تا ۱۹۸۲ء مئی) پیش آیا تھا، اور پاکستان کا سفر شرق اردن، یمن اور حجاز کے سفر کے بعد (۲۲ تا ۲۸ مئی ۱۹۸۲ء میں) ہوا تھا، اس لئے تاریخی ترتیب کے لحاظ سے بنگلہ دیش کے سفر کا تذکرہ شرق اردن اور یمن کے سفر سے پہلے اور کراچی کے مختصر قیام کا تذکرہ شرق اردن اور یمن کے بعد ہونا چاہئے تھا، لیکن مناسب سمجھا گیا کہ اول الذکر تینوں عرب ملکوں کے سفر کی روئیداد کے لئے ایک باب مخصوص کر دیا جائے کہ وہ ہم جنس اور ہم زبان مالک ہیں اور ایک مستقل باب (باب دوم) میں بنگلہ دیش اور پاکستان کے سفر کی روئیداد درج کی جائے۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق اور تقدیری امر ہے کہ میرے سفروں اور دوروں کا رخ نیز علمی سرگرمیوں اور دعوتی مساعی کا میدان زیادہ تر مغرب رہا، جہاں ایک طرف اجزائے اور مراکش اور دوسری طرف امریکہ اور کینیڈا تک جانا ہوا، لیکن مشرق میں میری دنیا زیادہ تر کلکتہ تک محدود رہی اس میں صرف برما اور سری لنکا کا استثناء ہے، جہاں بعض شدید تقاضوں کی بناء پر جانا ہوا، لیکن عام طور پر موڑہ اسٹیشن سے

آگے مشرق کی طرف بڑھنا نصیب نہیں ہوا۔

حضرت سید احمد شہید اور ان کے خلفاء کی تحریک و دعوت کا مشرقی بنگال (ڈھاکہ اور چائنگام) سے قدیم تعلق ہے، سید صاحبی کے ایک نامور خلیفہ مولانا کرامت علی صاحب جو پوری نے حضرت سید صاحب کی ہدایت اور ایما سے مشرقی بنگال کو اپنی تبلیغی و اصلاحی جدوجہد کا میدان بنایا، اور ان کو اس میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی جو صرف مؤید من اللہ داعیوں اور مصلحین کو حاصل ہوئی ہے، میرے کانوں نے نواب بہادر یار جنگ کو ایک تقریر میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”میری معلومات یہ ہیں کہ جن لوگوں کو مولانا کرامت علی صاحب جو پوری کے ذریعہ مشرقی بنگال میں ہدایت نصیب ہوئی یا ان کی اصلاح ہوئی، ان کی تعداد دو کروڑ تک پہنچتی ہے“ میں بچپن میں بھی سنتا تھا کہ ہمارے خاندان کے بعض بزرگ ڈھاکہ وغیرہ جا یا کرتے تھے، لیکن مشرقی بنگال کا یہ خطہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں شامل ہوا، پھر ۱۹۷۲ء میں پاکستان سے علیحدہ ہوا، لیکن میرے جانے کی نوبت نہیں آئی، یہ علیحدگی جس سیاسی سازش اور اس سے زیادہ افسوسناک تر لسانی اور تہذیبی تعصب کے طوفان کے نتیجے میں عمل میں آئی اس پر میں نے تحریراً و تقریراً پوری صفائی کے ساتھ اپنے تاثرات و جذبات کا اظہار کیا جس کا نقطہ عروج وہ تقریر تھی جو میں نے ۲۳ مئی ۱۹۷۲ء کو کلکتہ میں کی، جو بعد میں ”لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق“ کے عنوان سے اردو انگریزی، عربی، اور بنگلہ میں شائع ہوئی، اور جو بنگالی حجاج کے ذریعہ مکہ معظمہ سے بنگلہ دیش میں پہنچی اور مؤثر ثابت ہوئی۔

دینی شعور اسلامی حیثیت کی بیداری کی تلقین اور مثبت و تعمیری مشورے

ضرورت تھی کہ اس صدائے احتجاج اور قلبی کرب و اضطراب کے اظہار کے بعد اس خطہ میں رہنے والی ملتِ اسلامیہ کے (جس نے ماضی میں اپنی اسلامیت، دینی حیثیت اور جذبہٴ جہاد و قربانی کے تابندہ نقوش تاریخ کے صفحات پر ثبت کئے اور حضرت سید شہیدؒ کی تحریک جہاد میں ایمان و عزیمت کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی مثال ملنی مشکل ہے) زخم پر مرہم بھی رکھا جائے، اس کو تعمیری اور مثبت مشورے بھی دیئے جائیں، اس کی اس اسلامیت کو (جو اس کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے) متحرک اور فعال بنایا جائے، اور اس کے دینی و ذہنی شعور کو ایسا بیدار کیا جائے کہ وہ پھر کسی ایسی جاہلی دعوت کا شکار اور شرمناک المیہ سے دوچار نہ ہو کہ انذار و تبشیر دونوں تو اعم ہیں، اور دونوں داعی کے فرائض میں داخل ہیں۔

ادھر کئی سال سے بنگلہ دیش کے دوستوں کی طرف سے بنگلہ دیش آنے کے لئے اصرار تھا، میری اردو، عربی تصنیفات وہاں شوق کے ساتھ پڑھی گئی تھیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بھی کچھ فضلاء تھے اور خاص طور پر بنگلہ دیش کے ایک نوجوان عالم مولوی سلطان ذوق جو چائنگام کے جامعہ اسلامیہ ٹیپہ میں اتاد تھے، اور جن کو ادب عربی کا اچھا ذوق ہے اور خاص طور پر ادب اسلامی سے اور اس میں بھی علامہ اقبال کے کلام اور اس سلسلہ میں میری عربی پیش کش "روائع اقبال" سے ان کو بڑی دل چسپی تھی، اور عرصہ سے وہ مجھ سے علمی و قلمی رابطہ رکھتے تھے لکھو بھی

آچکے تھے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں طویل قیام بھی کیا تھا، اس سفر کے بڑے محرک داعی تھے۔

آخر اس کی تقریب نکل آئی، بنگلہ دیش کے بعض اہم مدارس اور تنظیموں کی خواہش اور طلب اور اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ کی دعوت پر وہاں کا سفر طے کر لیا گیا، اور ۹ مارچ ۱۹۸۲ء کو رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں مولانا عبدالکریم پارکچہ ناگپوری، مولانا ابوالعرفان خاں ندوی، عزیز می مولوی سید سلمان حسینی ندوی، اور میرے سفر کے عام رفیق و معاون حاجی عبدالرزاق رائے بریلوی تھے، ۹ مارچ ۱۹۸۲ء کو جمعہ کے دن بذریعہ ہوائی جہاز لکھنؤ سے کلکتہ ہوتے ہوئے ٹھیک مغرب کے وقت ڈھاکہ پہنچنا ہوا، جناب بشیر الدین صاحب (مالک جمیل الدین بیٹڈ ۳۶ نیواسکاٹن ڈھاکہ) کے یہاں قیام ہوا، جو ایک دیندار صاحب خیر تاجر اور اکثر علماء کے میزبان رہتے ہیں۔

بنگلہ دیش میں ۹ مارچ ۱۹۸۲ء سے ۱۹ مارچ ۱۹۸۲ء تک دس روز قیام رہا، اس سفر میں ڈھاکہ، چائنگام، کوکس بازار، مومن شاہی (میں سنگھ) اور سلہٹ کے مرکزی مقامات پر جانا ہوا، بڑے بڑے جلسوں میں خطاب ہوا اور مدارس کا معائنہ کیا گیا، چائنگام اور کوکس بازار کے دورہ میں نہایت تک جانا ہوا، جو برما کی سرحد پر واقع ہے، وہاں ہماری آمد کو سن کر برما کے بہت سے اہل ذوق اور اہل علم تشریف لائے، ڈھاکہ کے قیام میں سٹار گاؤں بھی گئے، جو قدیم مسلم سلطنت کی آخری مشرقی حد تھی، یہیں سے شیر شاہ سوری کی بنائی ہوئی سڑک شروع ہوتی تھی (جو نیلاب سندھ تک جاتی ہے، اب یہ مقام پینام (PAINAM) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے۔

نعمتِ اسلام کی قدر اور اس پر شکر کی ضرورت

پہلی تقریر ۱۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو بعد عصر جامعہ اسلامیہ ٹیپہ میں ہوئی جس کا عنوان "نعمتِ اسلام کی قدر اور اس پر شکر کی ضرورت" تھا، جس میں بنگلہ دیش میں پیش آنے والے پچھلے واقعات کو سامنے رکھ کر ایمان کی نعمت، دین کے رشتے، کلمہ گو مسلمان کے حق اور اس کی جان و آبرو کی حرمت کو یکسر فراموش کر دینے اور ہر ایسی دعوت و تحریک کو قبول کرنے کی مذمت کی گئی، اور اس کا خطرہ بیان کیا گیا جس سے جذبات کی تسکین ہوتی ہو یا جس میں دل فریبی کا سامان ہو، اس سلسلہ میں بنی اسرائیل کے بعض واقعات کا حوالہ بھی دیا گیا جن میں اس مرض اور کمزوری سے مماثلت پائی جاتی ہے، اور قومیت جاہلیہ اور نسل و زبان پرستی پر تنقید کی گئی، جو اپنی حد سے بڑھ کر ظلم و کفر، وحشت و بربریت اور قتل مسلم کی خدنگ پہنچا دیتی ہے۔

اسلامک فاؤنڈیشن میں اہم تقریر

سب سے اہم تقریر وہ تھی جو اس جلسہ استقبالیہ میں کی گئی جو اسلامک فاؤنڈیشن بنگلہ دیش کی طرف سے ۱۳ مارچ کو ہوٹل پوربانی میں دیا گیا تھا، اور جس میں ڈاکٹر کاظمی انتظام تھا، جس میں ڈھاکہ کا جوہر (CREAM) آگیا تھا، فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جناب ابوالفائد محمد کبیری صاحب نے اس سے خاص دلچسپی لی تھی اور اہتمام کیا تھا، اور خیر مقدمی تقریر کی تھی۔

اس تقریر کا عنوان "محبت اور سچی روحانیت کی فتح ہے" تقریر میں مسلم اقوام کی ان خصوصیات کا ذکر کیا گیا جن کی نظیر دوسری قوموں میں نہیں ملتی، مثلاً خلوص، ہوش ایمانی، جذبہ قربانی، سادگی، بہادری، ان خصوصیات اور صلاحیتوں سے جو خدا کی دین اور اسلام کا معجزہ ہے، افسوس ہے کہ وہ کام نہیں لیا جا رہا ہے جو لیا جانا چاہئے، ایمان و خلوص کے اس فطری آبتار اور محبت و اطاعت کے اس آب رواں سے کھیتیاں نہیں سنبھی جاتیں، اس سے وہ کہربانی طاقت نہیں پیدا کی جاتی ہے جس سے لاینحل مسائل چشکیوں میں حل ہو سکتے ہیں، اور جس سے قوم سونا نہیں بلکہ اکسیر اور پارس بنائی جاسکتی ہے، اور اسی ملک میں نہیں، عالم اسلام میں ایک نئی طاقت پیدا کی جاسکتی ہے، لیکن یہ سیاسی لیڈروں کا کام نہیں، سچے دل اور خلوص والوں کا کام ہے، ضرورت ہے کہ جو خلیج پرانے طبقہ اور نئی نسل اور علماء اور یونیورسٹیوں کے گریجویٹس کے درمیان پڑ گئی ہے اور گہری اور وسیع تر ہوتی جا رہی ہے، اس کو پُر کیا جائے، اور دونوں طبقے دین و ملت کی خدمت کے میدان میں دوش بدوش کام کریں، پھر یہ امید ظاہر کی گئی کہ اسلامک فاؤنڈیشن جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ان کی زبان اور جدید اسٹائل میں اسلامی لٹریچر پیش کرے گی، یہ امید کا ایک تارہ ہے جس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔

بنگلہ زبان میں اہل دین کی مہارت و قیادت کی ضرورت

جامعہ امدادیہ کشور گنج کے جلسہ میں جو ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء کو ایک میدان میں ہوا تھا، جس میں علماء، طلبہ، دانشوروں کی ایک بڑی تعداد تھی، بنگلہ دیش میں

اہل علم و اہل فکر کی اس ذمہ داری پر روشنی ڈالی گئی کہ وہ بنگلہ زبان میں مہارت و قیادت کا مقام حاصل کریں، اور اپنی توجہ اور صلاحیت عربی اور اردو ہی پر (ثواب کا کام سمجھ کر) مرکوز نہ کریں، بنگالی زبان میں بھی امتیاز و تفوق پیدا کریں، اس خلا کے باقی رہنے کی حالت میں کہ سانی و ادبی، تحریری و خطابی، قیادت و زعامت، علماء اور زیادہ صحیح الفاظ میں اہل دین کے ہاتھوں میں نہیں رہتی اور تجدد و ترقی پسند طبقہ یا مخالف اسلام عنصر کی اس پراجارہ داری قائم ہو جاتی ہے، جن خطرات اور نقصانات کا اندیشہ ہے، ان کی نشاندہی کی گئی، اس سلسلہ میں علماء ہند کی اس خصوصیت کا تذکرہ کیا گیا کہ انھوں نے زبان و ادب اور جدید اسالیب کے اپنا رابطہ ٹوٹنے نہیں دیا اور وہ علم و ادب اور ثقافت کے قافلہ سے بچھڑنے نہیں پائے، ماضی میں اردو ایوان ادب کے چار ستون تھے، اور وہ چاروں قدیم نظام تعلیم کے پروردہ تھے۔

یہ خیالات اور مشورے بہت سے سامعین کے لئے خلاف توقع اور خلاف قیاس تھے، وہ توقع نہیں کرتے تھے کہ دینی و عربی تعلیم کا ایک اعلیٰ اور مدارس عربیہ کا ایک پر جوش نمائندہ اس بنگالی زبان کی طرف توجہ دینے کی تلقین کرے گا، جس نے ماضی قریب میں وہ گل کھلایا تھا، جو سب کو معلوم ہے، اور خود مقرر نے اس المیہ اور سانی عصبیت پر ایسی گرم تقریر کی تھی جو اور کسی سے سننے میں نہیں آئی، لیکن جو کچھ کہا گیا وہ خلوص و خیر خواہی اور حقیقت پسندی کی بناء پر کہا گیا اور جس کا

لہ اشارہ ہے خواجہ الطاف حسین حالی، مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا خلی نعمانی کی طرف۔

تائید علم و ادب کی تاریخ، مختلف ملکوں اور معاشروں کے تجربات سے ہوتی ہے اور بنگلہ دیش کو (جس کی زبان بہر حال بنگالی ہی رہی ہے) اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور اہل علم و دین کو اس کے لئے پہلے سے تیاری کرنی چاہئے۔

اس ملک کی قسمت اسلام سے وابستہ ہے اور وہ اس کی دائمی ملکیت ہے

۱۶ مارچ ۱۹۸۷ء کو جمعہ کا دن تھا، نماز ڈھاکہ کی مرکزی جامع مسجد بیت المکرم میں پڑھتی تھی، اور امانت بھی کرنی تھی، یہاں بنگلہ دیش کے صدر جنرل ارشاد بھی نماز پڑھنے کے لئے آنے والے تھے، جمعہ کے خطبہ سے پہلے میں نے تقریر کی جس میں صفائی کے ساتھ کہا کہ اس ملک کی قسمت اسلام سے وابستہ ہے، میں نے کہا کہ پرانے رُو و ساء اور عوایان سلطنت کسی کو کوئی جاگیر دیا کرتے تھے، اور وہ اس کو (ALLOT) ہو جاتی تھی، اگر کوئی اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا تھا تو والی ریاست یا حکومت سے جنگ بھی جاتی تھی، آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سرزمین (بنگلہ دیش) اسلام اور اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام الاٹ (ALLOT) ہو چکی ہے، اب اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کرنا اور اس ملک علاقہ کو کسی اور کے اختیار میں دینا، اور کسی اور کا جھنڈا اس پر نصب کرنا اس فیصلہ خداوندی کے خلاف بغاوت سمجھی جائے گی، اس ملک کے لئے تقدیر الہی اور قضا و قدر کا فیصلہ ہے کہ یہ ملک مسلمان رہے اور اس ملک کی خیریت و سلامتی بھی اسی میں ہے، میں اس منبر پر محراب میں بیٹھ کر مسجد میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ ملک کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا، اور اس ملک کی

چوں کبھی بیٹھ نہیں سکتی، اگر اسلام کو اس نے چھوڑا، کوئی پروجیکٹ (PROJECT) کوئی پلان (PLAN) کوئی باہر کی مدد (AID) اندر باہر کی سیکورٹی اس ملک کو بچا نہیں سکتی سمجھنے والے اس بات کو سمجھ لیں اور لکھنے والے اس بات کو لکھ لیں، پھر میں نے آئندہ نسلوں کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے وابستہ رہنے اور خود مکمل اسلامی زندگی اختیار کرنے کے سلسلہ میں مشورے دیئے اور اس پر زور دیا کہ یہ دینی، اعتقادی، ایمانی، عملی تسلسل اس ملک میں باقی رہنا چاہئے۔

علمی، ادبی و فکری میدان میں آزاد و خود کفیل ہونے کی ضرورت

آخری اہم تقریر اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ میں ۱۹ مارچ ۱۹۸۲ء کو اڈیو دانشوروں اور تحقیقی کام کرنے والوں کی مجلس میں کی گئی جس کی روح اور خلاصہ یہ تھا کہ اس مسلم ملک کو علمی، ادبی و فکری میدان میں بھی آزاد و خود کفیل ہونا چاہئے ان کو علم و ادب، شاعری اور اسلوب تحریر میں بھی باہر کا غلام، دست نگر اور بچ گدا نہیں ہونا چاہئے، ادب و شاعری میں بھی کسی ایسے طبقہ یا افراد کا ذہنی طور پر غلام ہونا، اس سے بہ شدت مرعوب ہونا، اور اس بارہ میں احساس کٹہری میں مبتلا ہونا، اور افکار، ادبیات کو باہر سے درآمد (IMPORT) کرنا بڑا خطرناک ہے اور اس راہ سے ایک ملک اور ایک نسل ذہنی ازتداد کے راستہ پر پڑ سکتی ہے، آپ کو اپنے ادیب و شاعر بیدار کرنے چاہئیں، اور ان مسلمان شعراء و ادباء کو اپنا ہیرو بنانا چاہئے، جنہوں نے اسلامی دائرہ کے اندر رہ کر زندگی کی روح پھونکی اور ادب و شاعری کو صحیح رخ دیا، جیسے آپ کے یہاں کے قاضی نذرا لاسلام اور علم اسلام

کے علامہ اقبال۔

میں نے اس سلسلہ میں تاتاریوں کا واقعہ یاد دلایا کہ وہ پوری اسلامی سلطنت کے فاتح اور سیاسی طور پر عالم اسلام پر قابض ہو گئے تھے، ان کے پاس اپنا ادب، اپنی تہذیب، نظام سلطنت اور ایک متمدن دنیا پر حکمرانی کے لئے کوئی قانون نہ تھا، اس میں وہ مسلمان دانشوروں اور فضلاء کے محتاج تھے اور انھوں نے ان سے مدد لی، اس احتیاج اور استعانت نے ان کو رفتہ رفتہ اسلام کا قائل اور اس کا حلقہ بگوش بنا دیا، میں نے صفائی سے کہا کہ :-

”میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ قوم ہمیشہ خطرہ میں رہے گی

اور کبھی پورے طور پر آزاد نہیں ہو سکتی، جب وہ علمی ادبی (CULTURAL)

حیثیت سے کسی دوسری قوم کی باج گزار یا مترندہ احسان ہو، جو

قوم غالب ہوگی اس کا وہ اثر مانے گی، اور اس کے معیار و اقدار

(IDEALS & VALUES) متعارفے گی، اور آخر میں اس کا امکان ہے

کہ اس کا مذہب بھی اختیار کرے۔“

یہ تقریر محض امکانات و مفروضات اور اندیشہ ہائے دور دراز پر

بہنی نہیں تھی، میں نے بنگلہ دیش کے قیام ہی میں سنا تھا کہ مغربی بنگال سے بنگالی

کے ایک غیر مسلم ادیب اور اہل قلم آئے تھے، تو ان کے استقبال و اعزاز میں

مسلمان ادیبوں اور دانشوروں نے ایسا غلو اور مبالغہ کیا تھا، گویا آسمان سے

فرشتہ نازل ہوا ہے، اس کے ماسوا بھی ”نوشتہ دیوار“ کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے،

اور وہ بتا رہا تھا، کہ اگر اس ملک میں رابندراناتھ ٹیگور کا جس کو اب بھی بہت

مسلمان نوجوان ٹھا کر کے لفظ سے یاد کرتے ہیں) (جن کی شاعری اور کہانیوں سے ہم بھی لطف اندوز ہوتے ہیں) دماغوں پر اسی طرح سے سحر اور طلسم قائم رہا تو یہ ملک ذہنی و علمی طور پر اسی طرح سے مغربی بنگال اور وہاں کے فکر و تخیل کا ویسے ہی اسیر ہو جائے گا جیسے یورپ و ایشیا کے بہت سے ممالک یونان کے ذہنی طور پر غلام بن گئے تھے اور اس سے اتحاد و ارتیا بیت اور عقلیت پرستی مسیحی اور مسلم حلقوں میں پھیلی۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اسلامک فاؤنڈیشن نے اسلامی ادبیات کی اشاعت کا منصوبہ بنایا ہے اور ہماری بھی کئی کتابوں کا جو مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع ہوئی ہیں ترجمہ بھی کروایا، مگر جہاں تک معلوم ہے ابھی اس کی رفتار سست ہے اور اس کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

رفقائے سفر کی مشغولیت و افادیت

بنگلہ دیش کے دس روزہ قیام میں ہمارے تینوں رفقائے سفر مولانا عبد الکریم پارکھی، مولانا ابوالعرفان ندوی اور عزیز مولوی سید سلمان ندوی کی تقریروں کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور ان سے بہت فائدہ پہنچا، مولانا عبد الکریم پارکھی کو قرآن مجید پر بڑا عبور حاصل ہے، وہ اس کی روشنی میں بڑی مفید اصلاحی تقریر کرتے ہیں، مولانا ابوالعرفان ندوی کی قدیم نصاب تعلیم، درس نظامی کی تاریخ، اس کے مصنفین و مرتبین کے مراتب اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر ایسی نظر ہے جو ہمارے علماء میں سے بہت کم لوگوں کی ہوگی، ان کی تقریریں عام طور پر فضلاء اور طلبہ مدارس کے لئے مفید اور دل چسپ ہوتی تھیں، عزیز سلمان کو اردو و عربی

تقریر پر یکساں قدرت حاصل ہے، بالعموم (مدارس میں) عربی میں انھیں کی تقریریں ہوتی تھیں، اس طرح یہ دورہ مختلف طبقات کے لئے مفید رہا اور خطابات و تقاریر میں تنوع اور مختلف سطح کے لوگوں کی رعایت رہی۔

۲۰ مارچ کو ہوائی جہاز سے وفد کی کلکتہ واپسی ہو گئی، اس سفر میں مولوی سلطان ذوق صاحب ابوالفائد محمد یحییٰ صاحب ڈائرکٹر اسلامک فاؤنڈیشن، حاجی بشیر الدین صاحب، مولانا عبیدالحق صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ اور ان کے صاحبزادہ عزیز می مولوی سعود الحق ندوی اور مولوی محی الدین صاحب ایڈیٹر ”مدینہ“ ڈھاکہ کی خاص معاونت و رفاقت رہی ”جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء“

کراچی (پاکستان) میں چار روز قیام اور شدید مصروفیت

۲۱ مئی ۱۹۸۲ء کو صنعاء سے جدہ واپسی ہوئی تھی، دو دن وہاں بعض اہم ملاقاتوں اور مجلسوں میں گزرے، اور پاکستان کے ویزا کے حصول میں صرف ہوئے، ۲۳ مئی کو جدہ سے کراچی روانگی ہوئی، چونکہ رمضان بالکل قریب آ گیا تھا، اور اس زمانہ میں اپنے وطن رائے بریلی ہی میں قیام کرتا ہوں اور مختلف اطراف سے اجاب و اہل تعلق وہیں آکر رمضان گزارتے ہیں، اس لئے پاکستان میں زیادہ قیام اور کئی مقامات پر جانے کا موقع نہ تھا، صرف چار دن قیام کی گنجائش تھی، جو کراچی میں صرف ہو گئے، ۱۹۸۲ء کے بعد جب رابطہ عالم اسلامی کے ایشیائی اجلاس عام کے موقع پر پاکستان آنا ہوا تھا، اور مختلف

شہروں میں جانا ہوا تھا) اب پاکستان کے سفر کی نوبت آئی، اس کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ عزیز محمد واضح کا ابھی تک پاکستان کا کوئی سفر نہیں ہوا تھا، اعزہ کی بڑی تعداد زیادہ تر کراچی اور کچھ لاہور میں ہے، خاندان کا دو تہائی حصہ خصوصاً ٹونک اور بھوپال کے اعزہ تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے، عزیزان رابع و واضح سلمہا کے چچا زاد بھائی کراچی میں ہیں، اس لئے وقت کی تنگی، پاکستان کی وسعت، اور وہاں کے تعلقات کی کثرت کے باوجود چار پانچ روز نکال لئے گئے۔

کراچی میں قیام حسب معمول مولوی قاری سید رشید احسن (نبیرہ والا جاہ امیر الملک نواب سید صدیق حسن خاں والی بھوپال) کے یہاں رہا کہ وہ میری بھانجی کا گھر ہے، قاری صاحب جامع مسجد، بتوری ٹاؤن (نیو ٹاؤن) کے خطیب و امام ہیں، اور یہ مسجد دارالعلوم نیو ٹاؤن کے احاطہ میں واقع ہے، اس لئے علماء اساتذہ مدارس، احباب اور اہل تعلق سے ملنے کی سہولت ہے۔

اس چار روزہ قیام میں چھ تقریریں ہوئیں اور سب اہم اجتماعات اور منتخب جمعوں کے سامنے، پاکستان اس زمانہ میں ایک بڑے سیاسی بحران گزر رہا تھا، طلبہ کی تحریک اور ایچی ٹیشن پر چند روز پہلے ہی قابو پایا گیا تھا، اور یونیورسٹی ایک عرصہ تک بند ہونے کے بعد کھلی تھی، حالات نے جو رخ اختیار کیا تھا، وہ نہ صرف اہل پاکستان کے لئے بلکہ ملت اسلامیہ کے بھی خواہوں کے لئے بھی باعث تشویش و فکر تھا، کہ یہ مملکت بڑی قربانیوں کے بعد اور بڑی توقعات کے ساتھ قائم ہوئی تھی، اور اس کی بہت بڑی قیمت (چار و ناچار) برصغیر کے مسلمانوں کو ادا کرنی پڑی تھی

۱۔ تفصیل ملاحظہ ہو "کاروان زندگی" جلد دوم باب یازدہم ص ۲۵۳-۲۶۶

پاکستان کے اجاب و اہل تعلق کو نیز ملت کے مسائل سے دل چسپی رکھنے والوں اور اس نوحیز اسلامی مملکت کے بارہ میں فکر مندوں کو جب ہماری آمد کی خبر ہوئی تو مختلف سمتوں، تنظیمات و مجالس سے خطاب کا تقاضہ ہوا، سب کی فرمائش کی تعمیل تو ممکن نہیں تھی، پھر بھی فارسی کے اس پرانے شعر پر عمل کرنا پڑا ہے

نہ ہر جائے مرکب تو ان تاختن
کہ جاہا سپر یاید انداختن

ان تقریروں کا قدر مشترک حسب ذیل تھا، جیسا کہ محبت گرامی اور رفیق قدیم مولانا محمد ناظم صاحب ندوی نے ان تقریروں کے مجموعہ ”تحفہ پاکستان“ کے پیش لفظ میں لکھا ہے۔

- ۱۔ اُمت اسلامیہ کے تاریخی دشمنوں کے کردار کا ذکر۔
- ۲۔ پاکستان کے اسلامی تشخص کی (جو اس کے قیام کا جواز ہے) نہ صرف حفاظت بلکہ اس کو مزید اجاگر کرنے کی ضرورت۔
- ۳۔ پاکستان کی عام زندگی کا ایک پہلو جو بہت باعث تشویش اور موجب تنقید ہے، وہ رہن سہن میں اسراف، تقریبات اور مظاہر میں صرف بے جا کا پہلو اور معیار زندگی بلند کرنے کے لئے جنون کی حد تک مسابقت کا جذبہ ہے جس نے بے شمار معاشرتی خرابیاں، اخلاقی بیماریاں اور زندگی کے مسائل پیدا کر دیئے۔

ملک و قوم کی سطح پر اسلامی معاشرہ کی ضرورت

کراچی کے قیام میں پہلی تقریر ۲۵ مئی کو خطبہ جمعہ سے پہلے جامع مسجد

بنوری ٹاؤن میں ہوئی، جہاں علماء اور تعلیم یافتہ حضرات کی بڑی تعداد معمولاً جمع پڑھنے آتی ہے، اس تقریر کا عنوان ”ملک و قوم کی سطح پر اسلامی معاشرہ کی ضرورت“ تھا، اس میں تفصیل سے بتایا گیا کہ ظہور اسلام اور بعثت محمدی کے وقت انفرادی صلاح و دیانت اور صالح افراد معدوم نہیں ہوئے تھے، قرآن مجید نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کا کوئی اثر نسل و تمدن انسانی پر، انسانی رجحانات اور زندگی کے رخ پر نہیں پڑتا تھا، یہ برسات کی اندھیری رات میں کرکٹ تیناب (جگنو) کی طرح تھے، یا بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی، ضرورتاً ملک و قوم کی سطح پر ایک اسلامی معاشرہ کی تھی، جو دنیا کے لئے نمونہ بن سکے اور لوگوں کو دعوتِ فکر اور دعوتِ انقلاب دے، اسی لئے نبی کی بعثت کے ساتھ (بقول حضرت شاہ ولی اللہ) ایک پوری اُمت کی بعثت عمل میں آئی، اور اس طرح آپ کی بعثت ”بعثت مرقونہ“ (دوہری) تھی، اس دعوت اور اس اُمت نے ایک ایسے آزاد معیاری و مثالی اسلامی معاشرہ کا نمونہ پیش کیا جس کے نمائندے کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی جزیرہ میں الگ نھلگ زندگی نہیں گزار رہے تھے، ان کے ساتھ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، دولت بھی تھی، طاقت بھی تھی، تجارت اور ذرائع معاش بھی تھے، اور باہر کی دنیا سے تعلقات بھی، انھوں نے زندگی کا ایک نیا نقشہ کامیاب بنا کر پیش کیا، دنیا اسی وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے جب پورے معاشرہ کی سطح پر پورے تمدن کی سطح پر عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا

لے ملاحظہ ہو سورہ آل عمران کی آیات ”لَيَسُوْا سَوَاءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قٰئِمَةٌ

... وَ اَللّٰهُ عَلِيْمٌ بِاَلْمُتَّقِيْنَ“ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۳ تا ۱۱۵)

کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنواڑتا ہے، شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کا اخلاق پیدا کرتی ہیں، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انسانیت کیا انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کتبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

آپ کا ملک اسی دعوے اور اسی دلیل پر قائم ہوا تھا کہ آپ دنیا کو اسلامی معاشرہ قائم کر کے دکھائیں گے، اب آپ غور کریں کہ آپ نے اس دعوے کو کہاں تک پورا کیا اور اس امتحان میں کہاں تک پورے اترے؟

صالح اور طاقتور معاشرہ ہی اقتدار اور تہذیب کی بنیاد اور ان کا اصل سرچشمہ ہے

۲۵ مئی کو مؤتمر عالم اسلامی (کراچی) کی طرف سے بہادر یار جنگ کیڑی میں استقبالیہ اور عشاءِیہ کا انتظام کیا گیا تھا، اس کے اصل محرک ہمارے دوست ڈاکٹر انعام اللہ خاں (رکن تاسیسی رابطہ عالم اسلامی و سکریٹری مؤتمر عالم اسلامی) تھے، اس میں نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان کی سطح پر بھی جدید اور برگزیدہ شخصیتیں اور فضلاء و دانشوراچھی خاصی تعداد میں موجود تھے، اس میں تاریخی واقعات و حقائق کی روشنی اور علم الاجتماع و علم الاخلاق اور سیاست کی تائید و شہادت سے ثابت کیا گیا کہ صالح اور طاقتور معاشرہ ہی اقتدار اور تہذیب کی بنیاد اور اس کا

اصل سہنچہ ہے، اس سلسلہ میں تاناریوں کے قبول اسلام کے نفسیاتی اسباب اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی روحانی، اخلاقی اور علمی بڑی کا حصہ بتایا گیا، اسی طرح ہندوستان کی مسلم سلطنت کے اتنے عرصہ تک اقتدار اور ملک کی قیادت پر فائز رہنے کا حقیقی سبب بتایا گیا، مسلم معاشرہ میں عمومی طور پر زوال نہ آنے میں صوفیائے کرام کا حصہ اور اس سلسلہ میں علماء و مصلحین کے کردار کی طرف اشارہ کیا گیا، اور آخر میں کہا گیا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ بہترین جمہوریتوں کے زمانہ میں بھی جب معاشرہ فاسد (CORRUPT) ہو گیا تو اس نے ان جمہوریتوں کے چراغ گل کر دیئے اور ان کے لئے بقا و ترقی کے جتنے امکانات ہو سکتے تھے، سب ختم کر دیئے۔

صحیح اسلامی اقتدار کی ذمہ داری اور اس کے برکات

۱۷ مئی کو فاران کلب کی جانب سے کراچی کے مشہور مشروپول ہوسٹل میں ایک عظیم جلسہ کا انتظام کیا گیا جس میں اعلیٰ عہدیدار، شہر کے معززین، اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں موجود تھے، اس تقریر کا محور اور مرکزی نقطہ صحیح اسلامی اقتدار کی ذمہ داری اور اس کے برکات تھا، اس تقریر میں بھی صحیح اسلامی معاشرہ، حاکم قوم کے افراد کے امتیازی اخلاق، ان کے ایثار و قربانی، اور زہد و اخلاص کی کار فرمائی اور منجرتی کی مثالیں دی گئیں اور کہا گیا کہ وہ ”تکبیر مسلسل“ جو وسعتِ افلاک میں گونجی تھی، اب دکانوں میں بھی اس کا نغمہ بنا جانے لگا اور مکانوں میں بھی، بلکہ میدانِ جنگ کے رستخیز میں بھی اس کی آواز پہنچی، آج بھی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک نمونہ حیات دنیا کے سامنے ہو، حیات ”جس کا نام ہے اس کے اندر اضطراب بھی“

اہتر از بھی، از تعاش بھی ہے اور جوش بھی، جو ملک اس زندگی کا نمونہ ہوا توام و مل کی صفت میں وہی عزت کا مقام پاسکتا ہے۔

جاہ طلبی اور حصول اقتدار کی چاٹ سے بڑا خطرہ

پھر صفائی سے کہا گیا کہ مجھے ایک آزاد اور با اقتدار ملک میں جو کچھ خطرہ محسوس ہوتا ہے، وہ جاہ طلبی سے ہے، حکومت اور حصول اقتدار کی اس چاٹ سے جو قوموں کو چاٹ چکی ہے، اور ملک کو کھوکھلا بنا کر رکھ چکی ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اسلامی مملکت کو جو نقصان پہونچا، وہ مفاد پرستوں سے پہونچا ہے، عباسی عہد سے لے کر سلطنت مقلیہ تک اور اس کے بعد بھی ٹیپو سلطان کے وقت تک، انھیں مفاد پرستوں نے ان سلطنتوں کا خاتمہ کیا، اس کے بعد اگر اندیشہ ہے تو صوبائی تعصب اور سالی تعصب سے، یہ حقیقی خطرات ہیں جو آپ کے ملک کو درپیش ہیں اور آپ کے ان سے خبردار ہونا چاہئے۔

نوجوانوں میں احساس ذمہ داری اور ضبط نفس مملکت کی اصل دولت ہے

۲۶ مئی کو کراچی یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کے ایک جلسہ کو خطاب کرنے کا موقع ملا جس کی صدارت یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر جمیل جالبی کر رہے تھے، کانوں میں جو روایات پڑی تھیں، اور یونیورسٹی جلتے ہوئے اور خود یونیورسٹی کے دیواروں پر غیظ و غضب کے جوشانات، اور ذمہ داران حکومت کے لئے جو اہانت آمیز فقرے لکھے ہوئے تھے، وہ نظر سے گزرے اور اس کا طبیعت پر قدرتنا اثر ہوا، اس لئے

تقریباً پانچ طلبہ اور نوجوانوں کی سیرت و کردار کی طرف رہا اور بتایا گیا کہ ان کی وہ کونسی سیرت و کردار ہے جو ملک کی حفاظت و ترقی کی ضامن ہے؟ میں نے کہا کہ اگر مجھ سے کوئی کسی ملک کی تعریف کرے اور بتائے کہ وہ بڑی فوجی طاقت کا مالک ہے اس کی معاشیات بڑی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، دنیا کی بڑی طاقتوں سے اس کے بڑے اچھے تعلقات ہیں اور ان کی نظر میں اس کا بڑا احترام ہے تو مجھے یہ سن کر اطمینان نہیں ہوگا، میں کہوں گا کہ مجھے یہ بتائیے کہ وہاں کے اسکولوں اور کالجوں سے لے کر یونیورسٹیوں کے طلبہ تک نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں کس درجہ کا احساس فترت داری پایا جاتا ہے، ان میں ضبط نفس کی کتنی طاقت ہے، ان میں اپنے تاثرات کو حد اعتدال میں رکھنے کی کتنی صلاحیت اور قانون کے احترام کی کتنی عادت ہے؟ اگر وہ صاحب کہیں گے کہ اس کی طرف سے تو میں اطمینان نہیں دلا سکتا تو میں کہوں گا کہ پھر مجھے اس ملک کے حال و مستقبل کے بارہ میں کوئی اطمینان نہیں ہے، میں نے اہل علم کے مجمع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ میں برطانوی تاریخ (ENGLISH HISTORY) کا طالب علم نہیں ہوں، اس لئے پورے وثوق سے اس اخلاقی اور نفسیاتی انقلاب کے سرچشمہ اور اس کے علمبرداروں کا تعین نہیں کر سکتا، جنھوں نے اس وقت برطانوی قوم میں ایک نئی روح پیدا کر دی، جب اس کو ایک وسیع مملکت حاصل ہوئی اور بڑے صغیر ہند اور اس کے پڑوسی ممالک پر اس کا اقتدار قائم ہوا، یہ موضوع آپ حضرات اور تاریخ کے طالب علموں کو مطالعہ و تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز ان صحرائے نشین عربوں کا انقلاب حال تھا

جو صدیوں سے اخلاقی، ذہنی و علمی استی میں پڑے ہوئے تھے، لیکن اسلام نے ان کی ایسی قلبِ ماہیت کر دی کہ جب دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں کے وہ وارث اور حاکم و قائد ہوئے تو انھوں نے اپنے کو اس کا اہل ثابت کیا، آپ ہی کے یہاں کے مشہور شاعر مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے خوب کہا ہے

بات کیا تھی کہ نہ روم سے نہ ایران سے دے

چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا ننگ کا دھوکا

بن گئے خاک کو اکیر بنانے والے

میں پوچھتا ہوں کہ اتنی بڑی مملکت طے اور اتنی بڑی ذمہ داری عائد ہونے کے بعد آپ میں انقلاب کیوں نہیں ہوا؟ آخر میں علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم کیا اور اس کی تشریح کی ہے

تو ہما کا بے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری

نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری

ایک تقریر پرنسپل گرامی مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی خواہش پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بتوری ٹاؤن کے اساتذہ، فضلاء، شہر اور طلبہ کے سامنے ہوئی جس میں ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری اور ان کی مطلوبہ صفات پر تفصیل اور تاریخی مثالوں کے ساتھ روشنی ڈالی گئی، پھر ان خطروں کی نشاندہی کی گئی جن کو بعض مرتبہ

باہر سے آنے والا زیادہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، ان میں سے ایک عقنقاوی اور
 سیاسی انتشار ہے، دوسرا علماء کے عوام کے ساتھ رابطہ کی کمی، تیسرا علماء میں
 عام طور پر ہمالے اسلاوت کی طرح زہد کار حجان، اس توکل اور استغناء اور زندگی
 کی سادگی اور اثبات کی کمی ہے جس میں اسی ملک کی تخصیص نہیں، دوسرے اسلامی
 ممالک بھی شامل ہیں، اس سلسلہ میں قریبی اسلاوت کرام کی کچھ مثالیں بھی دی گئیں۔
 چوتھا تہذیبی و لسانی تعصب اس ملک کے لئے سخت خطرناک ہے اور ہمارے
 علماء کو اس کو ختم کرنے کے لئے پوری جدوجہد کرنی چاہئے، پھر میں نے تقاضا لانا
 کی طرح تقاضا لاسلاوت میں غلو و مبالغہ پر تنقید کی، اور کہا کہ ہر وقت اسی کی رٹ
 لگائے جانا، اور ہر وقت اسی کا وظیفہ پڑھنا کچھ مفید نہیں کہ ہمارے اکابر ایسے تھے،
 ہمارے اسلاوت ایسے تھے، کوئی ملت اور کوئی دعوت تاریخ سے نہیں چلتی، تحریک
 سے چلتی ہے۔

ہر وقت چوکتا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت

ایک تقریر انجمن اشاعت قرآن عظیم کی طرف سے دیئے ہوئے استقبالیہ
 میں مسجد فرقانہ حیدرآباد کالونی میں ۲۶ مئی کو کی گئی، جس کے داعی و منظم برادر محترم

لے اس تعصب کے خطرناک و شرمناک ہونے کا مظاہرہ ۱۹۸۶ء کے شروع مہینوں میں کراچی
 میں سندھیوں پٹھانوں اور مہاجرین کی باہمی جنگ اور اس و حیشانہ خون ریزی کی شکل میں ہوا،
 جس سے خود ہندوستانی مسلمانوں کے سر شرم سے جھک گئے اور ان کے لئے یہاں کے فرقہ وارانہ
 فسادات پر تنقید و تبصرہ مشکل ہو گیا۔

سید محمد جمیل صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان تھے، اس تقریر کا رہنما و مرکز کا خیال فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کا وہ حکیمانہ جملہ تھا کہ "انتم فی رباط دائم" اے مصر کے فاتح اور حکمراں قوم کے افراد! تم مستقل طور پر محاذ جنگ پر ہو! اور جس کی تشریح اور حالات پر منطبق کرنے کی تفصیل تعریض (زمین) کی تقریر میں گزر چکی ہے، یہاں اس موقع پر آزاد اسلامی ملک میں اہل بصیرت اور اصحاب غیرت کی ذمہ داریوں کو آشکارا کیا گیا، اور بتایا گیا کہ فتنے صرف خارجی نہیں داخلی بھی ہوتے ہیں، اور وہ زیادہ خطرناک اور دور رس نتائج رکھتے ہیں، اندرونی کمزوریاں جب کسی ملک میں پیدا ہو جاتی ہیں تو اس کو گھن کی طرح کھاتی ہیں، جیسے دیک بگدیا املی کے درخت کو چاٹ جاتی ہے، وہ کھڑے رہتے ہیں اور دور سے مضبوط نظر آتے ہیں پوری پوری بارائیں ان کے نیچے ٹھہرتی ہیں لیکن ہوا کے ایک جھونکے سے یہ کوہ پیکر درخت زمین پر آجاتے ہیں، آپ "انتم فی رباط دائم" کو دستور العمل بنا لیں، اور ہمیشہ چوکنا اور باخبر، بیدار اور سرگرم کار رہیں۔

۲۹ مئی کو ہم لوگ براہ دہلی لکھنؤ آگئے، دو ہی روز کے بعد رمضان شروع ہو رہے تھے، اس وجہ سے رائے بریلی پہنچ کر اس کے انتظامات اور تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

تاریخ دعوت و عزیمت "سچیم" (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی)

"کاروان زندگی" کے حصہ اول میں "تاریخ دعوت و عزیمت" کے سلسلہ کے آغاز کا ذکر تفصیل سے آچکا ہے، اس کی ضرورت اس کے محرکات پر بھی روشنی

ڈالی جا چکی ہے، اس کی پوچھی جلد ہو حضرت مجدد الف ثانیؒ ان کے دور اور ان کے بے مثال اصلاحی و انقلابی کارنامے کے ساتھ مخصوص ہے، ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکی تھی، اس کا عربی ترجمہ بھی دارالافتاء کویت سے نکل چکا تھا، مسلسل مصروفیتوں اور سفار کی وجہ سے اس کے پانچویں حصہ کی تالیف میں (جس کو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاص و خلقاء کے ساتھ مخصوص ہونا تھا) طویل وقفہ ہوا، اور ۱۹۸۴ء میں کہیں جا کر اس کی نوبت آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی شخصیت حقیقت میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کے بعد کتاب و سنت کے ذخیرہ پر سب سے زیادہ حاوی اور ان کی پرورش ترجمان، مجتہدانہ فکر و نظر کی حامل اور تاریخ ساز و عہد آفرین شخصیت تھی، جہاں تک اس بصریہ کا تعلق ہے، اس میں تو بلاشبہ وہ اس دور کے بانی ہیں، جس کی بنیاد مسلک اہل سنت، فکر و تحقیق، تدریس و اشاعت کتاب و سنت، اصلاحی و مجاہدانہ تحریکات، مدارس کے قیام اور ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے تحفظ و شخص کی حفاظت پر ہے، وہ دور ابھی تک چل رہا ہے اور بظاہر چلے گا، حیرت کی بات ہے کہ اس دورِ سوانح نگاری و تاریخ نویسی میں کسی کو حضرت شاہ صاحب کی مفصل سیرت و سوانح اور ان کے اصلاحی و علمی کارناموں اور ان کے مقامِ تحقیق اور ممتاز فہم و فہم دہیم دین کے کام و مقام کی پردہ کشائی کی نوبت نہیں آئی، حالانکہ یہ آپ سے کسی طرح کی نسبت رکھنے والے اہل علم و اہل قلم کے ذمہ قرض تھا، ممالک عربیہ اور مصر و شام و حجاز تو ایک طرف ہے،

۱۔ کاروان زندگی، حصہ اول، ص ۲۱۴-۲۱۵

۲۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے نام ابن تیمیہؒ سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر شخصیت تھی۔

جہاں ان کی علمی اور تحقیقی شاہکار کتاب "حجة الله البالغة" بلا کسی مقدمہ مصنف کے تعارف معقول ہوا شی کے پھپتی رہی خود ہندوستان میں یہ خلا چلا آ رہا تھا، راقم کے خاندان کی کئی پشتوں کا تعلق حضرت شاہ صاحب کے خاندان اور اس کی تعلیم و تربیت اور روحانی سلسلہ سے رہا ہے، اس لئے اس کا تقاضہ پیدا ہوتا تھا کہ یہ توفیق اس کے حصہ میں آئے بالآخر اس کو توفیق ہوئی کہ وہ اس حصہ کی تکمیل کر کے تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلہ کو اپنے اس منصوبہ اور پیانہ کے مطابق جو اس کے سامنے تھا، ہندوستان کے دور تک مکمل کر دئے۔

لیکن یہ کام آسان نہیں تھا، اس کے لئے بارہویں صدی کے عالم اسلام پر علمی، ذہنی، فکری اور سیاسی حیثیت سے نظر ڈالنی ضروری تھی، اسی طرح اس صدی کے ہندوستان کا بھی مکمل جائزہ لینا تھا، پھر شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں اور ان کی خصوصیات پر نظر ڈالنی تھی، خصوصیت کے ساتھ شریعت اسلامی کی مدلل و مربوط ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی نقاب کشائی اور ان کی دو معرکہ آراء کتابوں "حجة الله البالغة"

۱۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد کے دور کی بھی متعدد اصلاحی و دینی شخصیتوں اور قائمین پر مصنف کے قلم سے پہلے سے کتابیں نکل چکی ہیں، جن میں سب سے اہم اور مفصل "سیرت سید احمد شہید" (۱-۲) ہے جو ایک ہزار صفحات سے زیادہ میں مکمل ہوئی، اور جس کا مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ نے حال میں ساتواں ایڈیشن شائع کر کے سلسلہ تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلہ کی آخری کڑی بنا دیا ہے، اسی طرح "مولانا محمد ایاس صاحب ان کی دینی دعوت" کے نام سے مصنف کے قلم سے مولانا کی وفات (۱۹۲۳ء) کے بعد ہی نکل چکی ہے۔

اور "ازالۃ الخفاء" کا تعارف کرانا تھا، پھر بارہویں صدی ہجری کے سیاسی انتقار اور حکومت مغلیہ کے دور اختصار میں شاہ صاحب کے مجاہدانہ وقائدانہ کردار کی نقاب کشائی، امت کے مختلف طبقات کا انھوں نے جس طرح احتساب کیا اور ان کو دعوت اصلاح و انقلاب دی، ان کا بھی خلاصہ پیش کرنا تھا، آخر میں فرزند ان گرامی قدر اور خلقاء عالی مرتبت کا ذکر کرنا بھی ضروری تھا، جنھوں نے اس دور کی تعمیر میں گرانقدر حصہ لیا، اور انھیں کے اثر سے اشاعت و تبلیغ قرآن، حدیث کی تدریس و ترویج، نصرت سنت اور رد بدعت کی تحریک عمل میں آئی اور پھر ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد اور سچی اجیاءِ خلافت اسلامیہ وجود میں آئی۔

احمد الشکر کتاب ۱۹۸۲ء کے ابتدائی مہینوں میں تکمیل کو پہنچ گئی، اور مئی میں وہ شائع ہو کر باہر آگئی، اس کتاب کی قیمت کو بڑھانے والی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں "حجة الله البالغة" و "ازالۃ الخفاء" (جس کے مکمل و عمیق مطالعہ کی نوبت بہت سے اہل علم کو بھی نہیں آتی اور روز بروز عربی اور فارسی زبانوں سے بعد اور علمی سطح کے بلند نہ ہونے کی وجہ سے یہ کتابیں ایک مختصر طبقہ میں محدود ہو کر رہ گئی ہیں) کا خلاصہ کتاب میں آگیا ہے، کتاب کا عربی میں عزیز میاں سید سلمان ندوی کے قلم سے ترجمہ ہو گیا اور دارالقلم کو بیت سے شائع بھی ہو گیا، اس طرح اردو میں (اور ترجمہ کے ذریعہ عربی میں) تاریخ اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں اور ان کی علم بردار شخصیتوں کی ایک مرتب اور مسلسل روئیداد

آگئی، جو ابھی تک کسی دوسرے اسلامی ملک کی زبان میں مرتب نہیں ہوئی تھی، لیکن افسوس ہے کہ اس تختی براعظم میں ابھی اس سلسلہ کی اہمیت و اقدیت پورے طور پر نہیں سمجھی گئی، اور اس سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا جس کی اس دور اور اس ملک میں ضرورت ہے۔



باب سوم

ہندو اجماعت کی ہندو گیر تحریک ہزاروں گاندھی کے نام ایک تاریخی خط
اندراجی کا قتل اور سکھوں کے خلاف اس کا رد عمل اور سیرامو قف
حجاز مقدس کا ایک سفر، پیام انسانیت کا ایک ورہ انگلستان پریم کا سفر

ہندو اجماعت کا طوفان اور ملت اسلامیہ کے لئے خطرہ

ناظرین کتاب کی دوسری جلد میں پڑھ چکے ہیں کہ اگست ۱۹۷۹ء میں جنتا
حکومت جو ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے نتیجہ میں قائم ہوئی تھی ختم ہو گئی، ۱۹۸۰ء کے
جنرل الیکشن کے نتیجہ میں اس حکومت کا خاتمہ ہوا، اور کانگریس "آئی" پھر
برسر اقتدار آگئی، ایک ایسی با اصول جماعت کی حیثیت سے جس کا ایک خاص
تاریخی پس منظر، ایک مخصوص طریق کار، ملک کی تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں ایک اخلاقی
معاہدہ اور فیصلہ اور واضح اعلانات ہیں، حکومت اور خاص طور پر اس کی
رہنما اور سربراہ وزیر اعظم اندراجی سے توقع تھی کہ وہ سختی سے کانگریس کے اصول
اور اس کے اعلانات کی پابندی کریں گی، ملک کے مختلف فرقوں خاص طور پر غیر مسلم
اکثریت اور مسلم اقلیت کے درمیان باہمی اعتماد اور گہرے اتحاد کی مخلصانہ اور
پر عزم کوشش کریں گی، اور کسی ایسی تحریک اور کوشش کو کامیاب ہونے کا
موقعہ نہیں دیں گی، جو باہمی منافرت، تشدد اور جارحیت کو ہوائے اور کسی فرقہ

با اقلیت کی توانائیوں، صلاحیتوں اور جذبہ عمل کو ملک کے دفاع، اس کی سالمیت کی حفاظت اور اس کو تعمیر و ترقی دینے کے عمل کے بجائے (جس کی ملک کو اس وقت سخت ضرورت تھی، اور اس کے بغیر کوئی جمہوریت پی نہیں سکتی) ان توانائیوں اور صلاحیتوں اور قوت عمل کو اپنے دفاع، اپنے ملی تشخص کی حفاظت اور ان اقدار (VALUES) و عقائد اور شعائر کی حفاظت پر مرکوز کر دے جو اس کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہیں۔

لیکن موجودہ الیکشنی نظام کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں مقصد کے حصول کے سلسلے میں وسائل کے جائز و ناجائز، اور صالح و غیر صالح ہونے سے کلمتہ صرف نظر کر لیا جاتا ہے، اور اس مغربی سیاست اور فلسفہ اخلاق کے قدیم اصول "مقصد کی صحت ہر طرح کے وسائل کو حق بجانب بنا دیتی ہے" (THE END JUSTIFIS THE MEANS) کو پورے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے، پھر جب وسائل مقصد کو کامیاب بنا دیتے ہیں، تو ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہوتا، اسی طرح حکومت کی بقا کے لئے اصولوں و معیاروں اور ضمیر و اخلاق سے بھی چشم پوشی کرنی پڑتی ہے، اور ہر ایسی چیز سے احتراز کرنا پڑتا ہے، جو حکومت کو نامقبول بننے یا کسی با اثر جماعت کی ناپسندیدگی یا عتاب کا نشانہ بننے کا موقع دے۔ اپنی صنفی کمزوری اور اس کے نتیجے میں احساس کہتری، یا مشیران کار کے رنجان اور مختلف ریاستوں کے ذمہ داران حکومت کے عا رجان اور انگریزوں ہندی پریس کے ایک طوفانی مہم کے نتیجے میں برسر اقتدار پارٹی اور نئی حکومت نے مسلم مخالف پروپیگنڈہ، ہندو اجیائیت کی تحریکوں اور تشدد و جارحیت

(VIOLENCE) کے رجحان کے بارہ میں کانگریس کی قدیم اصول پسندی اور گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد (NON-VIOLENCE) کے پابند رہنے کی ضرورت نہیں سمجھی، اور اس میں اس نے تساہل و تفاعل سے کام لینا شروع کیا، اور ہندو اجماعیت کی صوبائی و ملک گیر تحریکوں، بالخصوص ویشو ہندو پریشد (ہندوؤں کی عالمی تہذیب) مہاراشٹر کی شیوسینا اور آر۔ ایس۔ ایس کو کام کرنے کی پوری آزادی دے دی۔

اہم اوز تاریخی مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنے کا مطالبہ

ویشو ہندو پریشد نے، ۸ اپریل ۱۹۸۲ء کو ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا اس میں ملک بھر کے ہندو انتہا پسند شریک ہوئے اس میں جہاں مسلمانوں کی اجتماعی و ملی نسل کشی کے لئے نجا ویزیشن کی گئیں، جس کے نتیجے میں مسلمان نام کی کوئی میٹرز جماعت اس ملک میں باقی نہ رہے، اس کے ساتھ بنارس کی گیان بانی مسجد، منٹھرا کی عید گاہ اور اجمودھیا کی بابر کی مسجد کو (جس کے متعلق ہندو عوام کو باور کرایا گیا کہ یہ رام جنم بھومی تھی، بابر نے اس کو منہدم کر کے مسجد تعمیر کی) کو آزاد کر کے اول الذکر کو

لے اس افواہ اور پروپیگنڈہ کی تردید میں "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" دارالمصنفین اعظم گڑھ اور متعدد مسلمان و ہندو دانشوروں، مؤرخین و انصاف پسندوں کے قلم سے متعدد مضامین و رسائل اور کتابیں نکلی ہیں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے، کہ بابر نے یہاں کسی مندر کو منہدم کر کے مسجد میں تبدیل کیا، نیز اس کا رام جنم بھومی ہونے کا بھی کوئی تاریخی ثبوت نہیں، اور اگر ہے بھی تو وہ مسجد سے (باقی صفحہ پر)

دیشو ناتھ کا مندر ثانی الذکر کو کرشن جیم بھومی ثالث الذکر کو رام جیم بھومی میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا تھا، اور ہندوستان کی پوری انگریزی ہندی صحافت پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید و اشاعت میں منہمک ہو گئی، یہ ایک بڑے طوفان کی نشانی تھی، جو آفت سے ابھر رہا تھا، اور پورے ملک پر چھایا چلا جا رہا تھا، اس کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ اس ملک میں کوئی دینی، ملی، تعلیمی، تصنیفی کام اطمینان سے نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ خود ملت کا بحیثیت ملت کے وجود خطرہ میں تھا۔

ناچیز مصنف کو اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص ماحول کی برکت سے جس میں اس کا ذہنی و علمی نشوونما ہوا، نیز قرآن کے تدبیر اور تاریخ کے مطالعہ سے اتنی عقل عام (COMMON SENSE) اور حقیقت پسندی عطا فرمائی تھی کہ اپنے سارے علمی و ادبی ذوق، مطالعہ کے انہماک، اندرونی و بیرونی دعوتی سرگرمیوں، مشرق وسطیٰ اور بلاد عربیہ کے حالات و مسائل سے گہری دلچسپی اور وابستگی کے ساتھ اس نے سمجھ لیا کہ اگر ہندوستان میں اس ہندو اجیائیت و جارحیت اور ملت کو درپیش خطرات کے صرف نظر کیا گیا تو خاتم بدین اس ملک کے اسپین دوم بن جانے کا خطرہ ہے جس کا عرصہ سے ہندو اجیائیت پسند عناصر خواب دیکھ رہے ہیں۔

(باقی ملے کا) باہر فاصلہ پر اس سلسلہ میں ناظم دارالمصنفین سید صالح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے کی محققانہ کتاب "بابری مسجد تاریخی پس منظر اور پیش نظر کی روشنی میں" خاص طور پر قابل مطالعہ ہے، خود متعدد ہندو دانشوروں اور فاضلوں نے اس موضوع پر اخلاقی جرأت اور انصاف پسندی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، جن میں ڈاکٹر آر۔ ایل شکلا اور چیدانند اس گنتا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اہم مجھے بعض واقعات کاروں بتایا کہ تقسیم ملک کے وقت کئی لائبریریوں وہ کتابیں بکثرت ایشیائی جو انگریزی میں اسپین اور اس مسلمانوں کے تخیلیہ کے موضوع پر لکھی گئی تھیں، اور اب بھی اس سلسلہ جاری ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی موثر کوشش خود ایک ایسی شخصیت کو اس خطرہ سے آگاہ کرنا تھا جو بیک وقت ملک کی سب سے با اختیار شخصیت (پرائم مینسٹر) اور اسی کے ساتھ حکمران پارٹی اور ملک کو آزاد کرانے والی جماعت کانگریس کی صدر تھی، اس لئے اپنی خاندانی روایات، اقتاد طبع اور اپنی حیثیت ("ایاز قدر خود را بشناس" کے مقولہ و اصول) کو سامنے رکھتے ہوئے بھی اکتوبر ۱۹۸۲ء کے تیسرے ہفتے میں میں نے مسز اندرا گاندھی کے نام ایک مفصل خط لکھا، اور اس کو قابل اعتماد ذریعے سے پہنچانے کی کوشش کی، لیکن تقدیری بات کہ اس کے پہنچنے سے پہلے (ان واقعات کے نتیجے میں جو اس حادثہ کا سبب بنے اور جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں) ۳۱ اکتوبر کو وہ واقعہ ہائلہ پیش آ گیا جو سب کو معلوم ہے۔

اس خط کی افادیت و اہمیت ان کے انتقال کے بعد بھی قائم ہے بلکہ پہلے سے بڑھ گئی ہے، اس میں نہ صرف اس اجیائیت کے خطرہ سے آگاہ کیا گیا ہے جو ایک طوفان کی طرح اٹھان تھا، بلکہ اس اخلاقی انارکی اور کرپشن کی ہولناکی کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے، جو ملک کو دیک کی طرح چاٹ رہا تھا، وہ نہ صرف ملک کے قائدین، سربراہان حکومت، انتظامیہ کے ذمہ داروں اور ملک کے دانشوروں کے مطالعہ کے لائق ہے، بلکہ خود مسلم جماعتوں کے قائدین اور مسلم دانشوروں اور سیاست کاروں کے پڑھنے اور سامنے رکھنے کے قابل ہے کہ خود ان کا بھی یہی طریق فکر اور ذمہ داران حکومت

لے جس کا سب سے زیادہ واضح اور طاقتور محرک سکھوں کے شہرے گردوارہ (GOLDEN TEMPLE)

اور دربار صاحب پر فوجی کارروائی اور خالصتان کے مطالبہ کے سلسلہ میں سکھ تنظیم کے خلاف دہش نے اس عبادت گاہ کو اپنا مرکز بنایا تھا) فوجی اقدام اور اس کے نتیجے میں سکھ فرقہ کاروں کا رد عمل تھا۔

اور ملک کے سچے ہی خواہوں کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا طریقہ (APPROACH) ہونا چاہئے خط انگریزی میں تھا، اس کا اصل اردو مسودہ لفظ بہ لفظ پیش کیا جا رہا ہے کہ اب وہ ایک تاریخی امانت اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسز اندرا گاندھی کے نام تاریخی خط

محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ وزیراعظم ہند، تسلیمات و آداب!

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے تحریری طور پر مجھے ایسے موقع پر اپنے معروضات پیش کرنے کا موقعہ دیا ہے، جب ملک ایک اہم اور فیصلہ کن موڑ پر پہنچ رہا ہے اور اس وقت اس کو جرأت، ذہانت اور خلوص کے ساتھ ایک ایسا رخ دینے کی ضرورت ہے، جس کے ذریعہ اہل ملک کو غیر ضروری مشکلات، بدگمانیوں اور انتشار سے بچایا جاسکے اور اس کو زیادہ مستحکم اور متحد بنایا جاسکے۔

میں اس وقت آپ کا قیمتی وقت جزئی مسائل، ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت (مسلمانوں) کی شکایات و ضروریات کے تذکرہ میں صرف نہیں کروں گا جو بارہا آپ کے اور آپ کی مؤثر حکومت کے سامنے پیش ہو چکی ہیں اور آپ ان سے ناواقف نہیں ہیں، میں اس وقت جو کچھ عرض کروں گا، وہ ہندوستان کے عمومی مفاد میں اور اصولی انداز میں ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اس ملک کے بقاء، ترقی، عزت و استحکام اور اس کا معاصر دنیا اور اس خطرناک و پیچیدہ عالمی صورت حال میں اپنا نمایاں نشانہ کردار ادا کرنے کے لئے صحیح، محفوظ، باعزت اور بے خطر راستہ وہی ہے جو تحریک آزادی کے

مخلص دانشور اور بلند قامت و قیمت رہنماؤں (آپ کے والد محترم) پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور ان کے ساتھیوں نے تجویز کیا تھا، اور وہ سچے سکولرز، صحیح جمہوریت اور ہندو مسلم اتحاد کا راتہ ہے خواہ وہ کتنا ہی طویل اور مشکل ہو، اس کے علاوہ جو راستہ تجویز کیا جائے گا، اس سے خواہ عارضی و وقتی طور پر کامیابی حاصل ہو ملک کے لئے تباہ کن اور ان قربانیوں پر پانی پھیرنے والا ہے، جو جنگ آزادی میں عمل میں آئیں اور ملک کو ایسی مشکلات و مسائل سے دوچار کرنے والا ہے، جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

پہلی چیز جس کو میں مذہب، انسانی تاریخ، فلسفہ اور اخلاق کا ایک طالب علم ہونے کے نائنہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید دوسرا شخص جس پر سیاسی طرز فکر غالب ہے نہ کہے گا، وہ یہ کہ اس ملک کے لئے دو خطرے بڑے تشویشناک ہیں، اور آپ کی پہلی توجہ کے مستحق، ایک ظلم و تشدد کا رجحان، انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کی بے قیمتی (خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو) جس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات طبقاتی اونچ نیچ کی بناء پر پورے پورے خاندانوں اور محلوں کی صفائی، تھوڑے سے مالی فائدہ کے لئے انسان کی جان لے لینا، سفاکانہ جرائم اور مظالم کی کثرت اور سب کے آخر میں لیکن سب سے زیادہ شرمناک حقیقت مطلوب و متوقع جہیز نہ لانے پر نئی بیابا ہی دہنتوں کو جلا دینا یا زہر دے کر مار دینا اور ان سے بچھا چھڑانا ہے۔

جو لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا جو ماں سے زیادہ محبت

کرنے والا اور مہربان ہے اس عمل سے خوش نہیں ہو سکتا، اور اس کو زیادہ دن برداشت نہیں کرے گا، اور اس کے نتیجے میں ہزاروں کوششوں اور قابلیتوں کے باوجود کوئی ملک پیپ نہیں سکتا اور وہ معاشرہ زیادہ دن باقی نہیں رہ سکتا لیکن جو لوگ مذاہب پر اعتقاد نہیں رکھتے، وہ اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ اس سے کم درجہ کے ظلم اور سفاکی کی وجہ سے بڑی بڑی شہنشاہیاں اور وہ تہذیبیں جن کا کسی زمانہ میں ڈنکا بجنا تھا، اور آج بھی تاریخ و ادب کے صفحات پر ان کے روشن نقوش ہیں، زوال کا شکار ہو گئیں، اور داستان پارسیہ بن کر رہ گئیں، اس صورت حال کی طرف فوری توجیہ کی ضرورت ہے، سیاسی مسائل اور انتخابی مہم سے زیادہ اس کے خلاف طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے، اس کے لئے گاؤں گاؤں، محلہ محلہ جانے کی ضرورت ہے، سخت قوانین، عسکرناک سزاؤں، ابلاغ

عامہ (PUBLIC MEDIA) کے ذرائع سے کام لینے اور انتظامیہ (ADMINISTRATION) کو سخت سے سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ "تہ لپے گا بانس نہ بچے گی بانسری"

اس سلسلہ کی دوسری چیز ہندو اچھارٹ (HINDU REVIVALISM) کی تحریک، ہندو پریشد، شیو سینا، آر ایس ایس اور فرقہ پرستی اور جارحیت و تشدد کے کھلے رجحانات کے سلسلہ میں ادنیٰ سی رعایت، بچک اور نرمی ہے جس سے وقتی طور پر خواہ کچھ فائدہ پہنچ جائے یا پریشانی سے بچا جاسکے، ملک کو زمین دوز اور دھماکہ خیز شہزنگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ہے، جو بالآخر ملک کو لے ڈوبے گی، گاندھی جی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ فرقہ وارانہ منافرت، تشدد اور جارحیت

پہلے ملک کی آبادی کے دو اہم عنصر (ہندو مسلم فرقوں) کے درمیان اپنا کام کرے گی، پھر ہی ذیلی مذہبی اختلافات، طبقات اور برادریوں کی صفت آرائی اور نسلی، لسانی، صوبائی و علاقائی تعصبات کی شکل میں ظاہر ہوگی، اور جب یہ کام بھی ختم ہو جائے گا، تو وہ آگ کی طرح (جب اس کو جلانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو اپنے کو کھانے لگتی ہے) ملک کو اور امن پسند شہریوں کو اپنا لقمہ بنائے گی اور یہ ملک تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس لئے اس جارحانہ اجیائیٹ (AGGRESSIVE REVIVALISM) تشدد، ایک ہی فرقہ سے مطالبات اور اس پر تنقید کا سلسلہ اپنے کو بالکل بدل دینے اور اپنے ملی و تہذیبی و مذہبی تشخصات سے دست بردار ہو جانے کا مسلسل مطالبہ سیکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تہذیبیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بُری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند فرسخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارا کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش، اس ملک کو ان نئے مسائل و مشکلات سے دوچار کرے گی جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت اور اس طرح حکومت، انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت و استحکام میں ضرورت ہے، اس لئے اس تنگدان کو جبکہ وہ معمولی توجہ اور سالہ سے بند ہو سکتا ہے، اس سے پیشتر بند کر دیا جائے، جب وہ ہاتھیوں سے بھی بند نہیں ہو سکے گا، ملک کے اس عمومی و بنیادی مفاد کی خاطر کسی کی ناراضگی یا الیکشن کے نتائج پر اثر پڑنے یا کسی ریاستی و مقامی

انتظامیہ کی ناگواری کا خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ملک ان سب چیزوں سے زیادہ عزیز اور اصول، مصالح و فوائد پر مقدم ہے اور یہ محض اصول پسندی ہی کا تقاضہ نہیں ہے، دور میں، حقیقت پسند اور گہری سیاست کا بھی تقاضہ ہے، آپ کی غیر معمولی ذہانت، معاملہ فہمی اور اشاروں سے پورے مضمون اور مسئلہ کو سمجھ لینے کی خداداد صلاحیت کے پیش نظر میں اس سے زیادہ تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

تیسری چیز جو فوری توجہ کی مستحق اور تشویش کا باعث ہے وہ اخلاقی و انتظامی انتشار (CORRUPTION) ہے جو اس حد تک پہنچ گیا ہے جس کی نظیر کم سے کم مجھے اس ملک کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملی، آپ اس سلسلہ میں سرکاری رپورٹوں اور ملک کے نظم و نسق کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ترقی کو نہ دیکھئے، عام شہریوں متوسط درجہ کے آدمیوں، اور ان لوگوں سے پوچھئے جن کا عدالتوں، دفاتر، ریلوے، ہوائی سروس، پولیس، تھانوں، ٹیلیفون، اسپتالوں، سرکاری ٹھیکوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے کام پڑتا رہتا ہے، رشوت کے بغیر ادنیٰ درجہ کا کام نہیں ہو سکتا، پیسہ کے ذریعہ ہر کام کرایا جاسکتا ہے، ہر مجرم کو چھڑایا جاسکتا ہے، ہر شریف انسان کو پھانسا جاسکتا ہے، ہر طرح کا غلط فیصلہ حاصل کیا جاسکتا ہے، ہر جگہ فساد کرایا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ملک کے راز بھی سچے جاسکتے ہیں، دواؤں اور غذاؤں میں ملاوٹ ہو رہی ہے، طبی امداد ملنی مشکل ہو رہی ہے، مریضوں کے لئے جو انتظامات ہیں، وہ بیکار جا رہے ہیں، سنگدلی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، ریلوے، ہوائی سروس میں رشوت کی گرم بازاری سے حکومت کو روزانہ لاکھوں

کروروں روپے کا نقصان ہو رہا ہے اس سب کی جڑ میں پیسہ کی حد سے بڑھی ہوئی محنت، خدا کا خوف دل سے نکل جانا اور انسان سے بہرہ رومی، ملک سے وفاداری اور اس کے مفاد کو ترجیح دینے اور اس کے نقصان کا خیال رکھنے کے جذبہ کا ختم ہو جانا ہے ایسی صورت میں ملک صنعتی طور پر، سیاسی طور پر اور خارجی تعلقات کی بنیاد پر ترقی اور تعلیم کی اشاعت اور خواندگی کا تناسب بڑھ جانے کے باوجود تیزی سے زوال کی طرف جا رہا ہے، لوگ زندگی سے عاجز ہیں، اور آخری شرم و ناکامی کی بات یہ ہے کہ انگریزوں کے دورِ غلامی کو یاد کرتے اور اس کی تمنا کرتے ہیں، جب انتظامیہ پوکس تھی، ریلیں وقت پر چلتی اور پہنچتی تھیں، ہسپتال اطینان و خوشی اور خدمت و راحت کے ٹھکانے تھے، نوجوان اپنی محنت و تپ سے پاس ہوتے تھے، تقریباں اور ترقیاں قابلیت اور استحقاق کی بناء پر ہوتی تھیں، اب یہ سب چیزیں خواب و خیال ہو گئیں۔

یہ تین چیزیں فوری توجہ کی مستحق ہیں، اور انھیں کی بنیاد پر مستحکم اور دیرپا حکومت قائم ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ اس میں طریق انتخاب، ووٹس کو ہر حال میں خوش رکھنے، حلقہ بے انتخاب کے نمائندوں کی ہر بات ماننے، پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ممبران کو ہر طرح کی ایسی رعایت دینے کو خاص دخل ہے کہ وہ جو غلط کام کر سکیں ان کو کھلی چھوٹ ہے، اور پارلیمنٹ کی ممبری ایک ایسی سونے کی چڑیا، یا قدیم زمانہ کا افسانوی پرندہ "ہما" ہے کہ جس کے سر پر بیٹھ جائے اس کو بادشاہی مل جائے۔

آخر میں ایک بات ایک مذہبی انسان اور تاریخ عالم اور سیاستا قدیم و جدید

کے ایک طالب علم و مصنف کی حیثیت سے اور کہنا چاہتا ہوں کہ تاریخ و تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ سب سے بڑی ریاست "خلوص" ہے، آخر میں اسی کی فتح اور اسی کے حامل کو کامیابی حاصل ہوتی ہے اور وہی ہوشیار ہے جو دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو قدرائی بناتا ہے اور بالآخر کامیابی دلاتا ہے، یہی وہ خلوص ہے جس کا ماں کی ماتا میں، پیغمبروں اور بے لوث درویشوں کی شفقت میں، ملکوں کو آزاد کرانے والوں اور اپنے خاندان اور عزیزوں کو بھول کر ملک و قوم کی خاطر بیگانوں کو ترجیح دینے والوں اور ذاتی و خاندانی سر بلندی کے بجائے ملک کی طاقت و عزت کو مقدم رکھنے والوں کی بلندی گاہ میں اظہار ہوا ہے اور اب بھی ہندوستان جیسے عظیم ملک اور مختلف مذاہب اور مختلف الاقوام معاشرہ اور نئے نئے مسائل کا مقابلہ کرنے والے عہد کو یہی "خلوص" بچا سکتا ہے اور ہمیں آپ سے اسی کی امید اور اسی کی ضرورت ہے۔

اپنی طویل تحریک کے لئے آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ اس کو درود دل اور حالات کی سنگینی نے طویل کر دیا۔

آپ کا

الواحسن علی

۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء

لکھنؤ

مسز اندرا گاندھی کا قتل اور اس کا ردِ عمل

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی تاریخ تھی، اور میں حسب معمول اپنے تصنیف مطالعہ کے گوشہ میں لکھوانے میں مشغول تھا کہ عزیز بی عبد الرحمن بٹ ندوی نے جو میرے خانگی کتب خانہ کے ذمہ دار اور معاون ہیں، دہلی کے ایک ٹیلیفون کے حوالہ سے اطلاع دی کہ وزیر اعظم ہند شری اندرا گاندھی پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ اس کے نتیجہ میں جانبر نہیں ہو سکیں، اس ناگہانی اطلاع نے دل و دماغ پر شدید اثر ڈالا، اور اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا، سب سے پہلے گاندھی جی کے واقعہ قتل کی طرح اس کی فکر پیدا ہوئی کہ یہ کسی مسلمان کی مجنونانہ حرکت نہ ہو جس کے نتیجہ میں سالے ہندوستان میں مسلم کشی کی ایک ایسی لہر دوڑ جائے جس پر حکومت کو بھی قابو پانا ناممکن ہو جائے، لیکن عبد الرحمن بٹ نے تھوڑی دیر کے بعد اطلاع دی کہ معلوم ہوا ہے کہ یہ حفاظتی (SECURITY) دستہ کے چند سکھ سپاہیوں کی حرکت ہے، یہ معلوم کر کے میں نے اطمینان کا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

اس حادثہ کے ردِ عمل میں سکھ فرقہ کے خلافت بالعموم ایک شدید ردِ عمل اور غم و غصہ کی ایک لہر سارے ملک میں دوڑ گئی، جو دانشمندی، انصاف و اعتدال کے تمام حدود سے تجاوز کر گئی، قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ ظہور دار السلطنت دہلی میں ہوا، یہاں کہا جاتا ہے کہ پانچ سو کے قریب سکھ مقتول ہوئے، تعداد سے بڑھ کر قتل و انتقامی کارروائی کی نوعیت اور سفاکی و سنگدلی کی لرزہ خیز کیفیت تھی، کتنے مقامات پر سکھوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی، کتنوں کو

اسکو ٹریا کسی ہفتون سے باندھ کر جلا دیا گیا، پھر ان کی دکانوں کو جا بجا لوٹا گیا جس میں (عام شہرت کے مطابق بعض مقامات پر پولیس کے اشارہ اور کم سے کم اغماض اور تغافل کو بھی دخل نہ تھا) کئی مقامات و مواقع پر مسلمان بھی اپنی عام بے تربیتی، ناخدا ترسی اور دولت کی ہوس کی بنا پر ان واقعات میں ملوث پائے گئے اور انھوں نے بھی لوٹ مار میں حصہ لیا۔

مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے اپنا فرض سمجھا کہ اس کے خلاف آواز بلند کروں، کم سے کم مسلمانوں کو اس سے باندھ کھنکے کی کوشش کروں، یہ ٹٹا ہوا مال ہماری قیام گاہ دائرہ شاہ علم الشر (تکیہ کلاں) کے قریب کے گاؤں اور محلوں تک بھی پہنچا، میں نے اپنی مجلسوں میں کہنا شروع کیا کہ ”جن گھروں میں یہ مال آئے گا، ان میں بیماریاں اور آفتیں آئیں گی“ میرا یہ فقرہ شہر میں بھی پہنچ گیا اور اس کی شہرت ہوئی اس کا اتنا نتیجہ نکلا کہ بعض بعض مسلمانوں نے اس پیشین گوئی سے ڈر کر یہ ٹٹا ہوا مال واپس کر دیا، اور بعض نے اس سے احتراز کیا، سکھوں کو بھی اس کا علم ہوا، اور وہ کئی دن تک انفرادی اور بعض اوقات اجتماعی طور پر میرے پاس آتے رہے، اور بعض میرے پاؤں چھو کر اس کا شکر یہ ادا کرتے رہے، باہر سے آنے والے سکھوں نے بھی جب اپنے عزیزوں سے سنا کہ یہاں ایک مولوی صاحب ہیں، جنھوں نے اس کو ناپسند کیا، اور لوگوں کو اس سے روکا، تو وہ بھی ملنے آئے اور انھوں نے بھی اپنی عقیدت مندی اور شکر گزاری کا اظہار کیا، میں نے کہا کہ یہ میرا اخلاقی و دینی فرض تھا جو میں نے ادا کیا، واقعہ بھی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور قرآن نے اسی کی تعلیم دی ہے اور صاف کہا ہے کہ:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ
عَلَىٰ ٱلَّذِينَ تَعَدُّوٓا۟ اِلٰهِيۡنَ
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى.

(المائدہ - ۸۰)

رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب

ایک تاریخی حقیقت کی حیثیت سے میرا اس خاندان سے تعلق ہے جس کے ایک عظیم فرد (حضرت سید احمد شہید) نے انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس ظلم کے نتیجے میں جو بہار راجہ رنجیت سنگھ کی حکومت میں پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں پر پور ہا تھا، پنجاب کی سکھ حکومت کے خلاف عملی اقدام کیا اور ۶ مئی ۱۸۳۱ء (۲۴ رزی قعدہ ۱۲۴۶ھ) میں (تین سو پندرہ اہلیوں کے ساتھ بالاکوٹ (حال واقع پاکستان) میں جام شہادت نوش کیا، ان شہیدوں میں ہمارے مختصر خاندان کے متعدد افراد بھی تھے، جن سے مصنف کا قریبی رشتہ ہے، لیکن اس سبب باوجود مصنف کے نزدیک سیکڑوں کی تعداد میں ان ناکردہ گناہ افراد کو اس کی سزا دینے اور ان کو سفاکی کے ساتھ قتل کرنے اور ان پر امن شہریوں کی دکانوں کو لوٹنے کا کوئی اخلاقی اور سیاسی جواز نہ تھا، جن کا صرف اننا گناہ تھا کہ وہ اس فرقہ سے انتساب اور تعلق رکھتے تھے، جس کے دو چار افراد نے یہ نامعقول حرکت کی، میرے نزدیک مسلمانوں کا ایسے مواقع پر یہی کردار ہونا چاہئے، اور ان کو اصول و صداقت اور انصاف و اخلاقی جرأت کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوْا كُوۡنُوْا
لِے اِيۡمَانَ وَالْوَالِئِۡنَ لَے

قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ
 بِالْقِسْطِ ۝ (المائدہ - ۸) کے ساتھ شہادت دینے والے رہو۔
 پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل

حجاز مقدس کا ایک سفر اور ایک اہم تقریر اور ایک استقبالیہ

ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ میں رابطہ عالم اسلامی کی مجلس نائٹسیسی کا سالانہ اجتماع تھا، میں اوائل ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ (اواخر دسمبر ۱۹۸۴ء) میں مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوا، اس سفر میں اپنی رفاقت کے لئے میں نے عزیز ی محمد واضح ندوی سلمہ کے فرزند سید حفیز مسعود ندوی سلمہ کا انتخاب کیا، اس کو ابھی تک حجاز کے کسی سفر کا موقعہ نہیں ملا تھا، اس میں عربی بولنے لکھنے کی استعداد پیدا ہو گئی تھی، امید تھی کہ اس سفر میں اس سے مدد ملے گی اور اس کو بھی عمرہ زیارت، علماء و اہم شخصیتوں سے ملنے اور علمی مجلسوں اور اجتماعات میں شرکت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے گا۔
 برادر عزیز سید حسن عسکری طارق (ٹیلیفون انجینئر مدینہ منورہ) کو ہمیشہ میری راجت اور سہولت کا خیال رہتا ہے، وہ چھٹی پر ہندوستان آئے ہوئے تھے، انھوں نے واپسی کا ایسا پروگرام بنایا کہ وہ میرے ساتھ اس سفر میں رہیں اور حفیز سلمہ کی (جو پہلی مرتبہ بیرون ملک کا ہوائی سفر کر رہے تھے) مدد کر سکیں۔

رابطہ کے اجلاس سے جو حسب معمول کئی روز تک جاری رہا، فراغت کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے قیام کا موقع ملا، مدینہ طیبہ میں وہاں کی ایک ادبی تنظیم نادى المدینة المنورة الادبی کی طرف سے گذشتہ سال بھی تقاضہ تھا کہ میں کسی ادبی موضوع پر تقریر کروں، لیکن اس وقت اس تقاضہ کو

پورا نہیں کر سکا، اس مرتبہ شدید اصرار ہوا کہ میں اس مجلس کو کچھ وقت دوں، انھوں نے تقریر کے لئے خود ہی ”دور اقبال فی توجیہ الأدب والشعر“ (شعر و ادب کو نیا رخ دینے میں اقبال کا تاریخی کردار) مقرر کیا، اور اس کے لئے ۲۴ ربیع الثانی (۱۶ جنوری) کو مکتبۃ الملك عبد العزيز میں بعد مغرب تقریر کا پروگرام طے کیا، مجھے اس وقت یہ خیال نہیں رہا کہ یہ جگہ مسجد نبوی شریف سے چند گز کے فاصلہ پر واقع ہے اور مغرب عشاء کے درمیان کا وقت عام طور پر مسجد شریف ہی میں گزارنے کا ہوتا ہے، جیسے حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہو رہی ہے (سوائے کسی شدید مجبوری کے) مگر معظمہ میں یہ وقت ہمیشہ حرم شریف میں اور مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں گذرنا ہے، اس میں شاید کبھی تخلف ہوا ہو، لیکن نیرکمان سے نکل چکا تھا، اور اعلان ہو چکا تھا، طبیعت پر اس کا بڑا بار تھا کہ مسجد نبوی میں نوافل اور تلاوت میں مشغول ہونے کے بجائے یہ وقت ایک ادبی موضوع پر (اگرچہ وہ خالص ادبی نہ تھا) گفتگو کرنے پر گزرے گا، مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت حرمین شریفین میں دو نمازوں کے درمیان کا مختصر ترین (ڈیڑھ گھنٹے کا) وقت ہوتا ہے، اگر تقریر کے درمیان عشاء کی اذان ہو گئی تو نہ عشاء کی جماعت کا چھوڑنا آسان نہ تقریر کا ناتمام اور ناقص چھوڑنا، لیکن اب اس کا کوئی مدعا ہی نہ تھا، اللہ کے بھروسہ پر اس کو قبول کر لیا گیا، لیکن اس موقع پر وقت میں برکت، جلسہ کی کامیابی، ممتاز اصحاب یہاں تک کہ ان حضرات کی (جن کا مسجد میں درس ہوتا ہے) اور وہ

لے مدینہ طیبہ میں اس سے پہلے جو تقریریں ہوئیں، وہ بالعموم نماز عشاء کے بعد طیبہ ثانویہ کے ہال میں یا بعد مغرب جامعہ اسلامیہ میں ہوئیں جو مسجد نبوی سے فاصلہ پر ہے۔

اس کی پوری پابندی کرتے ہیں) شرکت وقت پر تقریر ختم ہو جانے اور اطمینان و سکون کے ساتھ مسجد شریف میں عشا کی جماعت ہی نہیں نوافل کا وقت مل جانے کا ایسا مشاہدہ ہوا جس میں صاف اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نظر آئی۔
کلام پاک کی تلاوت اور تعارفی و خیر مقدمی تقریر کے بعد میں نے اپنی تقریر کا آغاز اس طرح کیا:-

”حضرات امیرے لئے اللہ تعالیٰ اور حاضرین مجلس کے سامنے شرمندہ اور محبوب ہونے کی بات ہے کہ میں جو ار رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی مبارک و منور مسجد (نبوی) کے زیر سایہ آپ کے علاوہ دنیا کی کسی اور سستی کا ذکر اور اس کی تعریف کروں، ایک عرب شاعر نے کسی موقع پر جو کہا تھا، وہ اس محل و مقام کے زیادہ حسب حال ہے۔“

ولما نزلنا من لاطلہ النبی

أبقا وبتنا من التورحالیہ

أجد لنا طیب المكان وحنہ

منی فتمیننا، فکنت الأمانیا

(جب ہم ایسی جگہ پر اترے جسے شیتم نے شاداب و سیراب کر رکھا تھا، اور نوید غنچوں سے وہ سجا ہوا تھا تو مقام کے حسن و دل آویزی سے ہمارے دل میں خوابیدہ تمناؤں اور آرزوؤں نے انگڑائی لی، ہم نے آرزوئیں کیں، لیکن حاصل آرزو اور جانِ تمنا تمھاری ہی ذات تھی)۔

یہی وہ جگہ ہے جسے آخری آسمانی پیغام کی طراوت اور صحبت نبوی کی نکہت نے دل و نگاہ کی جنت بنا دیا ہے، اس لئے یہاں اس سستی کا ذکر ہونا چاہئے جس کی ذات بابرکات سے اس شہر کو ہمیشہ کے لئے ثروت و اعزاز حاصل ہوا، اور انسانیت نے

نئی زندگی اور حقیقی معنویت پائی۔

مگر میں یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر کرنے جا رہا ہوں جس کا تعلق ذاتِ نبوی سے گہرا اور مضبوط تھا، اور یہی بات اس محل و مقام میں (جو قدیم محاورہ کے مطابق مسجدِ نبوی سے ایک تیر کے فاصلہ پر ہے) اس تذکرہ کا جواز پیدا کرتی ہے۔

ہمارے عظیم شاعر محمد اقبال کا یہ حال تھا جس کا میں علینی گواہ ہوں اور مسجدِ نبوی کے جوار میں اس کی گواہی دے سکتا ہوں) کہ ذاتِ نبوی روحی فداہ کا ذکر تو بڑی چیز ہے، آپ کے شہر مدینہ کا نام آنے پر ان کی آنکھیں اشکیار اور ان کا دل بے قرار ہو جاتا تھا۔

یہاں مجھے اجازت دیجئے کہ میں فارسی میں ان کے دو شعر پڑھوں کیونکہ یہاں فارسی جاننے والے بھی موجود ہیں، وہ کہتے ہیں ے

بایں پیری رہ بیزب گزفتم نواخواں از سرورِ عاشقانہ
یوں آن مرغے کہ در صحرایِ منشا کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اس کے بعد ادب و شاعری کو نیا رخ دینے میں اقبال کے قائدانہ و انقلابی کردار اور اس کے اثرات پر روشنی ڈالی، اور بتایا کہ اس سے کم سے کم بڑھنے والے کے افکار و خیالات کے علاوہ زبان و اسلوب بھی کس طرح متاثر ہوئے۔

حاضرین نے بڑے سکون اور جمیعت خاطر کے ساتھ یہ تقریر سنی اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا، اس جلسہ میں "نائب قاضی مدینہ شیخ عطیہ سالم بھی" اور

۱۔ جلسہ میں متعدد ہندوستانی و پاکستانی حضرات بھی موجود تھے۔

۲۔ پوری تقریر "نقوشِ اقبال" طبع ششمین ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲۵-۳۲۶

بعض دوسرے علمائے حرم نبوی نے شرکت کی۔

مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام میں جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داروں کی دعوت پر طلبہ کے سامنے بھی خطاب ہوا، جس کا موضوع ”عالمگیر ایمانی قحط اور اس کی مسکن اہل علم و اہل ایمان پر ذمہ داری“ تھا، اس زمانہ میں انتھوپیا، سوڈان اور شمالیہ میں کے قحط کا بڑا چوڑا پتہ تھا، میں نے موضوع کو الٹ کر بتایا کہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک وہ دینی و ایمانی قحط ہے، جس میں دنیا کے بیشتر ممالک یہاں تک کہ انتہائی ترقی یافتہ ممالک بھی گرفتار ہیں، لیکن کسی کو اس کی مطلق فکر نہیں، مگر معظمہ کے قیام میں ”نادی مکة الثقافی“ میں بھی ایک تقریر ہوئی۔

اس سفر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ۵ اربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ۶ جنوری ۱۹۸۵ء کو جدہ کی ایک مؤثر شخصیت اور ممتاز و معزز رئیس شیخ عبدالمقصود خوجہ کی طرف سے مجھے ایک استقبالیہ دیا گیا، جس میں جدہ و مکہ معظمہ کے اعیان و اہل علم و اہل قلم اتنی بڑی تعداد میں شریک ہوئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے، ان میں چار حضرات داعی و میزبان شیخ عبدالمقصود خوجہ، مشہور ماہر تعلیم عبداللہ بغدادی (سابق عمید کلینہ تحضیر البعثات مکہ معظمہ) سید علی حسن فدعن (سابق میئر جدہ) شیخ عبداللہ بنجیر سابق وزیر اطلاعات نے مہمان خصوصی کا تعارف کرایا، اور اپنے جذبات و اثرات کا اظہار کیا، اس جلسہ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں میری دو کتابیں ”السیرة النبویة“ اور ”مختارات من ادب العرب“ جو دار الشروق جدہ نے بڑے اہتمام سے شائع کی تھیں، حاضرین جلسہ کو ہدیہ پیش کی گئیں۔ میں نے اس تقریب کو (جو میری حیثیت سے بہت بلند تھی) اور جو میرے لئے

اس پیمانہ و شان کے ساتھ زندگی کا پہلا تجربہ تھا) محض ایک عزیز اور ایک
استقبالیہ جلسہ رہنے دینا اور صرف شکر یہ کی جو ابی تقریر کر دینا جائز نہیں سمجھا
میں نے کوشش کی کہ اس منتخب مجلس کو جو اس دعوت و پیغام کی سر زمین پر
اور حرم کے زیر سایہ ہو رہی ہے کچھ پیغام دیا جائے اور

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!

کی صدا لگائی جائے، میں نے شکر یہ کے ضروری الفاظ ادا کرنے کے بعد عرض کیا۔
”حضرات! دنیا میں وزن و اعتبار کے دو پیمانے ہیں، ایک قامت،
دوسرے قیمت، لیکن اللہ تعالیٰ نے قامت پر قیمت کو ترجیح عطا فرمائی ہے
میں جب بھی سورہ انفال کی آخری یہ آیت :-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضُهُمِ الْآخِلُونَ إِنَّكَ فِتْنَةٌ
فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک
دوسرے کے وارث ہیں اگر یہ
نہ کرو گے تو زمین میں (بڑا) فتنہ

(انفال - ۷۳)

پڑھتا ہوں تو دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہوں کہ یہ بات آخر کس سے کہی جا رہی
ہے؟ اس مٹھی بھر انسانی گروہ سے، اس چھوٹی سی جماعت سے جس کی تشکیل کچھ
انصار سے جو اپنے وطن میں تھے اور کچھ مہاجرین سے جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے
آئے ہوئے تھے، ہوئی تھی، اور جن کی بڑی سے بڑی تعداد شمار کرنے کے بعد
بڑے ہزار سے زیادہ نہیں نکلی۔

خدا تعالیٰ ان کو اخوت و بھائی چارہ کی دعوت دے رہا ہے، مہاجرین کا

انصار سے اور انصار کا مہاجرین سے ربط پیدا فرما رہا ہے اور سچی اخوت کی روح ان میں بیدار فرما کر یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ ایک نئی اکائی بن جائیں، ایک ایسی اکائی جس کی بنیاد ایمان و یقین، کلمۃ لا الہ الا اللہ کے اتحاد، انسانیت کے لئے ہمدردی و دل سوزی، اصول و عقائد پر سختگی پر قائم ہو۔

خدا تعالیٰ اس مختصر جماعت سے ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر تم نے اس کام میں کوتاہی کی، اس اخوت کے قیام میں تباہی سے کام لیا، اور اس نئی اکائی کی تشکیل میں جس سے دنیا ناواقف ہے اور تاریخ نے جس کو سیکڑوں سال سے بھلا دیا ہے، غفلت دکھائی، اگر تم نے اس اخوت میں کمزوری کا مظاہرہ کیا جو ایک عظیم و بلند پیغام سے مربوط ہے، اور اس اتحاد کو ناپائیدار بنا یا جو سچی اور مخلصانہ اخوت پر قائم ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو رُوئے زمین پر فتنہ بپا ہو جائے گا اور زبردست فساد مچے گا۔

ذرا سوچئے کہ اس مختصر سی تعداد کی جو شرب میں رہتی تھی (جس کو بعد میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یاد کیا گیا) کیا حقیقت تھی؟ اس کی افرادی قوت کتنی تھی؟ سیاسی میزان میں اس کا کیا وزن تھا؟ بین الاقوامی اسٹیج پر اس کی کیا حیثیت تھی؟ سماجی، اقتصادی حتیٰ کہ علمی دنیا میں وہ کتنا وزن رکھتی تھی؟ تین مرتبہ ان کی مردم شماری کی گئی (جیسا کہ بخاری شریف میں اس کا تذکرہ آتا ہے) آخری بار مردم شماری میں ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو نکلی۔

۱۔ صحیح بخاری ج ۱ باب کتابہ الامام الناس کتاب الجہاد، بعض صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال غزۃ بدر کے زمانہ میں نازل ہوئی، اس وقت مسلمانوں کی تعداد اس سے بھی کم رہی ہوگی جو اس آخری مردم شماری کے نتیجے میں نکلی۔

ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کس سے کہی جا رہی ہے، کیا ان رومیوں سے کہی جا رہی ہے، جو آدھی دنیا کے مالک تھے، اور سب سے بڑی حکومت اور اس کے سایہ میں پروان چڑھنے والی تہذیب اور تمدن، اور سب سے بڑی جنگی، بین الاقوامی اور سیاسی قوت کے مالک تھے؟

کیا یہ ان ایرانیوں سے کہا جا رہا ہے، جنہوں نے رومن امپائر کے ساتھ آباد دنیا کو مشترک طور پر تقسیم کر کے اس پر قبضہ جمارکھا تھا؟ یقیناً یہ رومی اور ایرانی ظاہری طور پر اس وقت انسانیت کی قسمت کے مالک بنے بیٹھے تھے، زندگی کی کشتی وہی چلا رہے تھے، تہذیب و تمدن کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی، قوموں، وسائل، ذرائع اور اسباب معیشت اور دنیا کے حالات پر (اگر یہ کہنا غلط نہ ہو) انہیں مکمل تصرف حاصل تھا۔

کیا ان سے کہا جا رہا ہے:-

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ
فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ
(سورة الانفال ۷۳)

اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں
(بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل
جائے گا۔

حضرات! ذرا اندازہ لگائے اس لفظ "فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ" کی ہیبت کا، اس کے حجم کا، اس کے وزن اور وسعت کا، آیت میں صرف فساد نہیں کہا گیا، بلکہ "فساد کبیر" کہا گیا۔

یہ بات اس چھوٹی ٹیسی محدود جماعت سے کہی جا رہی ہے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی، اور جن کے کاندھوں پر اسلام کے پیغام کا بوجھ رکھا گیا،

اس چھوٹی سی اقرادی قوت سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اسلامی و ایمانی اور انسانی اور عادلانہ اخوت قائم کرنے میں کوتاہی دکھائی، اور اگر تم نے آپس میں اتحاد کے قیام میں غفلت کا مظاہرہ کیا، اور اس اتحاد کو، ایمان، اخلاص، ایثار و قربانی اور فنائیت پر قائم نہیں کیا، تو زمین میں فتنہ بپا ہو جائے گا، اور زبردست فساد پھیل جائے گا۔

امت مسلمہ کا اس وقت کیا وزن تھا جب وہ صرف سیکڑوں کی تعداد میں تھی، ہزار دو ہزار کی تعداد میں تھی، اس وقت ان سے یہ کہا جا رہا ہے، ان کو یہ وزن دیا جا رہا ہے، اور یہ قیمت اور دنیا کے نقشہ میں یہ حیثیت عطا کی جا رہی ہے! اس اعلان سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ امت مسلمہ کی حیثیت اور وزن "قدر و قیمت" ہے، نہ کہ "قدر و قامت" اس کی حیثیت اور اس کا منقار اپنے پیغام، ایمان، عقائد، مکارم اخلاق، بیدار ضمیر اور حیم میں سرایت کئے ہوئے شعور و وجدان اور عقل و تدبیر پر اثر ڈالنے والی، اس بیتیاب و بے چین لوح سے ہے جو اس کو عطا کی گئی۔

امت اسلامیہ کی قیمت و اہمیت ان خصوصیات و صفات کی بنیاد پر ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نوازا ہے، اس کے ہاں تعداد اور ساز و سامان کی کثرت کا اعتبار نہیں، اور نہ اس کی مکانی مسافت کے طول و عرض کا جس پر اس کی حکومت کا سکہ چلتا ہے، اور نہ اس زبانی مسافت کے طول و امتداد کا جس پر اس نے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

میں مسلمانوں کی اس جماعت کو، خواہ وہ کتنی ہی کم تعداد میں ہو، اس پر ایمان

ناپتا ہوں، میں اس کو اسلام کی اس خوردبین سے دیکھتا ہوں، جو خدا کی عطا کردہ ہے۔

میں اس اجلاس کے داعیان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے آپ حضرات سے خطاب کا موقع عنایت فرمایا، آپ تعداد میں زیادہ نہیں، لیکن قیمت و وزن میں آپ کی بڑی حیثیت ہے، میں اس موقع سے فائدہ اٹھانے ہوئے، آپ سب کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں، اور آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے حقیقت میں میرے اس دینی انتساب کی قدر افزائی فرمائی، میں نہیں جانتا کہ یہ انتساب مکمل بھی ہے، یا نہیں، لیکن علم و دین اور دعوت کے میدان میں اس انتساب کو جو شہرت حاصل ہے، آپ نے اس مقدس دیار میں میری عزت افزائی فرما کر حقیقت میں اسی انتساب، علم، دینی دعوت، اسلامی اخوت، اور جذبات کی قدر فرمائی، اس لئے یہ میرا اعزاز نہیں، اس انتساب کا اعزاز ہے۔

داغِ غلامیت کرد زنبہ خسرو بلند

میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

حرمین شریفین کے قیام سے فایغ ہو کر ریاض کے راستہ سے ہندوستان واپسی ہوئی، ریاض کا سفر اور چند روزہ قیام جامعۃ الامام محمد بن سعود کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالشعبان المحسن الترمذی کی دعوت اور خواہش پر اختیار کیا گیا، انہوں نے اہتمام سے کلینۃ الدعوة والاعلام کا معاشرہ کرایا، ریاض میں عالی مرتبت الشیخ عبدالعزیز الرفاعی (سابق سکرٹری مجلس الوزراء

ملکت عربیہ سعودیہ کے (جو خود ایک بڑے ادیب اور اسلامی ادب کے میدان میں کام کرنے والے اہل قلم ہیں) دولت کدہ پر سفر ہفتہ ایک ادبی مجلس شب میں منعقد ہوتی ہے اس میں شرکت اور بولنے کا موقع ملا، ڈاکٹر عبدالرحمن رافت الباشا کے گھر پر رابطہ ادب اسلامی کے بارہ میں مشورہ ہوا، اس میں طے کیا گیا کہ فروری ۱۹۸۶ء میں رابطہ کا عام اجلاس منعقد ہو، اس سبب فارغ ہو کر بحیرت و راحت ہندوستان واپسی ہو گئی۔

پیام انسانیت کا ایک دورہ

ان دعوتی سرگرمیوں، علمی، ادبی مشغولیتوں اور غیر ملکی سفروں کے ساتھ یہ حقیقت آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی کہ جس ملک میں بظاہر رہنا سہنا مفید ہے، اس کی صحیح صورت حال، بڑھتے ہوئے انتشار انگیز رجحانات، اور مستقبل کے خطرات کو نظر انداز کرنا کسی طرح صحیح اور جائز نہیں، اس لئے رہ رہ کر ”پیام انسانیت“ کے پیغام کو وسیع اور مؤثر بنانے کی طرف خیال جانا رہنا تھا، اس وقت تک یوپی، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان اور مشرقی پنجاب کے دورے ہو چکے تھے، اور مفید ثابت ہوئے تھے، مارچ ۱۹۸۵ء کے اوائل میں بندیل کھنڈ کے دورہ کا پروگرام بنا، ۱۱ مارچ ۱۹۸۵ء کو ایک چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوا، اس سفر کی منزلوں میں ہتھورہ، باندہ، پٹنا، سننا، ناگود، بیدھی اور

۱۔ ناگود میں میرے حقیقی پردادا مولانا میر عبدالعلی مدفون ہیں، ایک قدیم مسجد کے سامنے جو انھیں کی تحریک سے تعمیر ہوئی تھی، ان کی قبر ہے، آپ ایک درویش سیرت فاضل بزرگ تھے (باقی صفحہ پر)

رہاں تھے، اس سفر کے رفقاء میں رفیق مکرم ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی
 محسن انصاری صاحب، قاضی عبدالحمید اندوری، مولانا سید محمد نضی (ناظر
 کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء) اور عزیز سید اسحاق حسینی تھے، اس سفر کی
 خصوصیت یہ تھی کہ مولانا قاری حافظ سید صدیق احمد صاحب بانی و ناظم
 جامعہ عربیہ متفقہ (جو اس پورے علاقہ اور نواح کی ایک محبوب اور متفق علیہ
 شخصیت ہیں) نے اس دورہ میں صرف رفاقت ہی نہیں فرمائی، بلکہ اپنے دینی
 و اخلاقی اثرات اور اپنی بے لوث روحانی شخصیت سے اس دورہ کو ہر طرح
 کامیاب بنانے کی کوشش کی، وہ اکثر پہلے سے اگلی منزل پر تشریف لے جایا
 کرتے تھے اور ہم لوگوں کے قیام اور جلسوں کے انتظام کا پروگرام بناتے تھے،
 پتہ میں مہاراجہ صاحب پٹانے صدارت کی، اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا
 سنا سے اس نواح کے ایک ذی علم اور مؤثر بزرگ پروفیسر اختر حسین صاحب
 نظامی شریک ہو گئے، سیدھی میں جلسہ کی صدارت ڈاکٹر سون سنگھ جی نے کی
 جو ارجن سنگھ سابق وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش کے بھائی ہیں، رپواں سے صدارت ہی
 کے لئے آئے تھے، سنا میں صدارت ڈاکٹر راٹھور صدر شعبہ سائنس نے کی، اراج
 کو دورہ اختتام پذیر ہوا۔

(باقی ص ۱۰۶ کا) اور باوجود تحصیلداری کے فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، آپ حضرت
 سید احمد شہید کے مرید و مجاز تھے، ۷۸ سال کی عمر میں یہیں ریاست ناگود میں انتقال
 فرمایا، ۱۲۶۹ھ تا ۱۸۵۳ھ تاریخ وفات ہے۔

لندن، آکسفورڈ اور کم برگ میں چند دن

آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سنٹر کے قیام اور اس سلسلہ کے سفر کا تذکرہ "کاروان زندگی" کی دوسری جلد میں تفصیل سے آچکا ہے، یونیورسٹی نے اسلامک سنٹر کے قیام کی اجازت دے دی تھی اور اس سے تعاون بھی کیا تھا، لیکن ابھی اس کا باقاعدہ افتتاح کرنا باقی تھا، ادھر کم برگ (بلجیم) میں چند عرب فضلاء نے جن میں پیش پیش استاد جمال الدین عطیہ تھے، علوم اسلامیہ پر ایک تحقیقی مجلس قائم کی تھی، جس کا صدر راقم سطور ہی کو چنا تھا، اس کا جلسہ بھی اکتوبر کے وسط میں اسلامک سنٹر کی تقریب کے بعد رکھا تھا، ان دینی و علمی تحریکات کی بنا پر انگلستان و بلجیم کا سفر طے کیا گیا، یہ ۸ اکتوبر سے ۱۵ اکتوبر تک کا زمانہ یورپ میں گزرا، اس عرصہ میں سنٹر کے اصول اور طریقہ کار کا خاکہ بنا، یونیورسٹی سے تائید و اتفاق حاصل ہو جانے کے بعد اس کی تاسیس کی قانونی کارروائی کرنی تھی۔

۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو انگلستان کا سفر اختیار کیا گیا، سنٹر کا خاکہ طے کیا گیا تھا کہ اس کو ایک وقف کی شکل میں تشکیل دیا جائے گا جو مجلس متوتیان پر مشتمل ہے، ٹریسٹوں کی تعداد ۱۴ طے ہوئی جس میں دو ٹریسٹ یونیورسٹی اور سینٹ کراس کالج کے نمائندہ کے طور پر لئے گئے، اور ۱۲ عالم اسلام کے صحیح الفکر مسلمان حضرات میں سے نامزد کئے گئے، اور طے ہوا کہ ۱۴ ٹریسٹوں میں سے ۱۱ ٹریسٹ مسلمان ہوں، دیگر بنیادی امور پر مشتمل ایک مسودہ قانون، "انگلستان کی عدالت کے بموجب رجسٹرڈ

۱۰ "کاروان زندگی" ج ۲ ص ۳۷۴-۳۸۱

کرانے کے لئے تیار کیا گیا، اس پر کم سے کم ۶ ٹریسٹوں کے دستخط ضروری تھے، ۹ اکتوبر کو کیبل کی موجودگی میں نے اور ٹریسٹوں نے دستخط کئے، اور اس طرح "آکسفورڈ سینٹر آف اسلامک اسٹڈیز" نام کا یہ ادارہ دو سال کے غور و فکر اور انتظام کے بعد قانونی طور پر وجود میں آگیا، اراکتوبر کو یونیورسٹی کے ذمہ داروں اور دیگر اہم شخصیتوں کے جلسہ میں باقاعدہ اس کا اعلان بھی کر دیا گیا۔

سنٹر کی تشکیل کے اعلان کی نشست اچھی حوصلہ افزا نشست ثابت ہوئی، راقم سطور نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے ایک مختصر تقریر کی۔

سنٹر کے چیرمین (راقم سطور) کی طرف سے تقریباً ایک سو منتخب ترین آدمیوں کو ڈزپر دعویٰ کیا گیا تھا، جس میں یونیورسٹی کے پروفیسران، عہدیداران اور برطانیہ میں مقیم دانشور طبقہ کے منتخب افراد تھے، یہ سب افراد دلچسپی سے شریک ہوئے، کھانے کے اختتام پر تقریروں کا پروگرام رہا، جس کو حاضرین نے بڑے سکون سے سنا، میں نے عربی میں تقریر کی، جس کا پہلے سے تیار کردہ ترجمہ ڈاکٹر فرحان نے سنا یا، اس نشست میں ڈاکٹر ڈیوڈ براؤننگ، ڈاکٹر فرحان نظامی، ڈاکٹر کے، بی گریفن، پریسیڈنٹ میگ والن کالج، مسٹر ای سی بورڈ پرنسپل سینٹ کراس کالج اور رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبدالشکر نصیبت نے تقریریں کیں، میری تقریر کی روح اور خلاصہ یہ تھا۔

"آکسفورڈ یونیورسٹی میں اس سینٹر کا قیام ایک فال نیک ہے، اس سے دوستی اور مفاہمت کے نئے دروازے کھلیں گے اور علمی تحقیق کی نئی شاہراہیں سامنے آئیں گی، اسلام نے انسانیت کا جو درس دیا ہے اور جس طرح انسانیت کو

اعلیٰ مقام پر پہنچا یہ ہے ضروری ہے کہ اس کا صحیح احساس پیدا ہو لغت نبوی کے وقت انسانیت سکرات موت کی ہچکیاں لے رہی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مردہ رگوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑائی، آنے والی صدیوں میں جو ترقی ممکن ہوئی وہ بقلائے انسانیت کے لئے اسی عظیم الشان کوشش کا نتیجہ تھی جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے شروع ہوئی تھی، اگر اس وقت حضور وہ کوشش بقاء انسانیت کے لئے نہ فرماتے تو نہ یہ یونیورسٹیاں ہوتیں نہ یہ ادارے، ان کے اثرات آج تک انسانیت پر رحمت کی امید بنے ہوئے ہیں، اسی بنا پر اسلامی مرکز کا قیام یونیورسٹی کا احسان نہیں، شکر و اعتراف کا اظہار ہے، اور خراج محبت و شرافت ہے، جو برضا و رغبت اسلام کو پیش کیا جا رہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یورپ میں جس ڈنر میں شراب کا انتظام نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا، لیکن یہ ڈنر ایسا کامیاب رہا کہ یونیورسٹی کی تاریخ میں یادگار ہے گا، راقم سطور کی تقریر کے بعد یونیورسٹی کے نمائندہ کے، بی گریفین نے کہا کہ انسانی تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات نہایت گہرے اور پائیدار ہیں، انھوں نے چینی علاقوں یا مخصوص نیکیانگ میں (جہاں انھوں نے کچھ غرصہ قیام کیا تھا) مساجد کا ذکر کیا، جو چودھویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی تھیں۔

انھوں نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان علاقوں میں ماؤ اور مارکس سے پہلے بھی تھے، اور ان کے ختم ہو جانے کے بعد بھی وہاں باقی رہیں گے، ضرورت تھی کہ اس طرح کام مرکز وجود میں آئے۔

۱۰ بجے رات کو یہ ڈنر ختم ہوا اور مہمان اپنی اپنی جگہ گئے۔

۱۱ اکتوبر کی شام کو اسلامک سنٹر کا کام ختم ہو گیا، اگلے دن ہم لوگ لندن منتقل ہو گئے، اور پرانی قیام گاہ مسرورا احمد صفا لکھنوی کے مکان پر قیام ہو گیا لندن پہنچ کر اسی روز لکسم برگ کا سفر کرنا تھا، جہاں بین الاقوامی مجلس برائے تحقیقات اسلامی کے عاملہ کا جلسہ تھا، راقم سطور کو اس کی صدارت بھی کرنی تھی، اس کی شرکت کے لئے کئی ماہ سے خط و کتابت چل رہی تھی، میں نے اپنی مصروفیات اور صحت کی کمزوری کی بنا پر شرکت سے تقریباً معذرت کر دی تھی لیکن جب آکسفورڈ کا سفر ممکن ہو گیا تو لکسم برگ کے اس جلسہ کی شرکت کا ارادہ کر لیا، کیونکہ لکسم برگ لندن سے صرف ایک گھنٹہ کی فضائی مسافت پر ہے، آکسفورڈ پہنچنے کے بعد سیلفیون پر ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کو (جو اس کونسل کے جنرل سکریٹری ہیں) اطلاع کر دی، اچانک ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ہمارے پاس ٹیچم کے لئے ویزہ نہیں ہے اور دفتر کا وقت نہ ہونے کی وجہ سے ویزہ کا حصول ممکن نہیں، ہم کو بروکسلز اترنا تھا، اور وہاں سے لکسم برگ تقریباً دو سو میل ہے، اور یہ دونوں الگ الگ ملک ہیں، ڈاکٹر جمال الدین عطیہ نے بروکسلز میں ایک رفیق کا انتظام کر دیا تھا، جو انٹری میں مدد کرے، ہم نے اپنے میزبان مسرورا احمد صفا کو بھی ساتھ لے لیا تھا، ڈاکٹر عطیہ کے نمائندہ بروکسلز پر موجود تھے، اس لئے ویزہ کی کارروائی اریپورٹ ہی پر انجام پائی اور انٹری ہو گئی، وہاں سے ہم ۱۰ بجے رات کو لکسم برگ کے لئے روانہ ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ بجے وہاں پہنچ گئے۔

لکسم برگ میں صبح ۱۰ بجے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا مقررہ جلسہ ادارہ کے مستقر میں شروع ہوا، اس جلسہ میں پہلی مرتبہ ٹیمیل یونیورسٹی فلڈلفیا کے شعبہ ادبیات

میں اسلامی مطالبات کے صدر ڈاکٹر اسماعیل راجی فاروقی سے ملاقات ہوئی اس وقت کیا معلوم تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد کسی نیشنل اسلام و عرب یہودی کے ہاتھ سے مع اپنے خاندان کے شہادت کی سزا حاصل کریں گے اس جلسہ میں کمیٹی کی مستقل تشکیل عمل میں آئی نئے عہدیداروں کا انتخاب ہوا، اور تحقیقی کاموں کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ کے جائزہ کے لئے کام کو مختلف علمی مراکز پر تقسیم کیا گیا، اسی روز لندن میں ہونا تھا، کچھ دیر آرام کے بعد مغرب کے قریب نکسم برگل رپورٹ روانہ ہوئے لندن میں ہمارے پاس ایک دن اور دوران میں تھیں اس عرصہ میں اسلامک ویلفیئر اور مسلم ویلفیئر سنٹر وغیرہ میں جانے اور اسلامک سنٹر سیکرٹری میں تقریر کا پروگرام تھا، وہیں اچانک فیکم عزیز دوست ڈاکٹر سعید رمضان پر نظر پڑی جو جنیوا سے صرف ملنے کے لئے آئے تھے انھوں نے جنیوا آنے کی دعوت دی تھی لیکن جب اس سے معذرت کی گئی تو وہ خود لندن آگئے، دیر تک پیٹ کر روزے پھر قیام گاہ پر آکر ملے اور اگلے دن صبح ایرپورٹ پر آکر رخصت کیا ہوا اکتوبر کی صبح اچھے (لندن کے وقت سے) دہلی کے لئے پرواز تھی اس سے ہندوستان کو واپسی ہوئی۔

ایک مخلص ملی کارکن اور رفیق کار کی وفات

۵ نومبر ۱۹۸۵ء کو مولانا محمود احسن حسنا ناظم دینی تعلیمی کونسل انڈیا کی وفات کا واقعہ پیش آیا، اور یہ تحریک ایک سرگرم کارکن و نگران اور ایک مخلص خادم ملت سے محروم ہو گئی، تحریک کی ضرورت اور افادیت پر یقین کرنے اس خطرہ کو محسوس کرنے میں جو نئی نسل کے دینی تعلیم سے محروم ہونے سے ملت کو درپیش ہے، قاضی عدیل عباسی صاحب کے بعد انھیں کا نمبر تھا، انھوں نے کونسل کے کام کو اپنا مقصد زندگی اور اڑھنا بچھونا بنالیا تھا، ظفر احمد صاحب صدیقی مرحوم کے بعد یہ دوسرا حادثہ اور خلا تھا جس کا پر ہونا آسان نہیں تھا، رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

باب چہارم

مسلم پرسنل لا (مسلمانوں کے عائلی قانون) کے تحفظ کی مہم، ملت
اسلامیہ ہندوستان کے لئے نئی آزمائش، ہندو گریہ تحریک، اسلامی عائلی
قانون میں عدالت عالیہ کی مداخلت، اس کا مقابلہ اور ملت
کی کامیابی

مسلم پرسنل لا (مسلمانوں کے عائلی قانون) کے
تحفظ کی مہم اور تحریک اور اس کی ذمہ داری

مسلم پرسنل لا کی تحریک، اس کی اہمیت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی
تشکیل کا جو، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں عمل میں آئی تھی، تفصیل سے تذکرہ
جلد دوم میں آچکا ہے، اس کے صدر بالاتفاق حضرت مولانا قاری محمد طیب
صاحب مرحوم، مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک
دل آویز اور ہمہ گیر شخصیت عطا فرمائی تھی، راجنچی کے سالانہ اجلاس ۱۹۴۴ء کے
موقعہ پر بعض حلقوں کی طرف سے صدارت میں تبدیلی کا مسئلہ اٹھایا گیا اور میرانا
پیش کیا گیا، لیکن میرے یہ کہنے پر سب خاموش ہو گئے کہ ”طوفان میں کشتی نہیں
بدلی جاتی“ یہ بات آئی گئی ہو گئی، میرے لئے اس کا ایک بڑا محرک یہ بات تھی کہ

۱۳۶-۱۳۹

مولانا قاری محمد طیب صاحب جیسا باوقار اور ہر دل عزیز صدر بنا مشکل ہے اور آل انڈیا مسلم پرنسپل لائبریری جیسے مشترک ملی ادارہ کی صدارت کے لئے وہی موزوں ہیں۔

لیکن ۷ جولائی ۱۹۸۳ء کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اس ارغوانی سے رحلت فرمائی، اور ان کی جگہ خالی ہو گئی، اس سال ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۸۳ء میں مدراس میں آل انڈیا مسلم پرنسپل لائبریری کے سالانہ اجلاس کا ہونا طے پایا، میں اپنے بعض بیرونی پروگراموں اور خرابی صحت کی بنا پر اس کے پہلے کے عالمہ کے بعض اجلاسوں میں شرکت نہیں کر سکا تھا، اس اجلاس میں شرکت کا عزم مصمم تھا، اور سفر کے سبب انتظامات کر لئے گئے تھے کہ عین موقع پر چھ پر نفرس (GOUT) کی بیماری کا (جس کا میں پرانا مریض ہوں) شدید حملہ ہوا، اور میں اپنے وطن رائے بریلی میں ایسی شدید تکلیف میں مبتلا ہوا، کہ چارپائی سے اترنا مشکل تھا، مجبوراً سفر کے التواء کا فیصلہ کرنا پڑا، اجلاس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میرا نام صدر کی جگہ کے لئے پیش کیا گیا جو لوگ میری طبیعت سے واقف ہیں، انھوں نے یہ کہا کہ وہ صرف اس صورت میں منظور کر سکتے ہیں کہ متفقہ طور پر ان کا انتخاب عمل میں آئے، مجھے معلوم ہوا کہ بغیر کسی اختلاف کے میرا نام منظور ہوا، جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو تنگ آمد و سخت آمد کا مضمون تھا، یہ فیصلہ میری افتاد طبع، صحت جسمانی، عمر اور دوسری ذمہ داریوں اور مشغولیتوں سے میل نہیں کھاتا تھا، اگر یہ کسی بھی سیاسی، ملی تنظیم اور باعث افتخار رواج از منصب کے قبول کرنے کا معاملہ ہوتا تو میں بغیر کسی ادنیٰ تردد کے انکار کر دیتا، لیکن ایک نوسلہ کی نوعیت و اہمیت کی وجہ سے

(جس کو میں اپنے عقیدہ کا جزو اور مسلمانوں کی ملی زندگی کے لئے شرک کا درجہ دیتا ہوں) دوسرے مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کے احترام کی بنا پر (جن کا بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے فرزند ہونے کی وجہ سے میں ہمیشہ لحاظ کرتا رہا ہوں) چارو ناچار قبول کرنا پڑا، دوستوں کی اس بات کو بھی اس میں دخل تھا، کہ اس وقت بورڈ کو اختلاف و انتشار سے بچانے کے لئے بھی ایسا کرنا ضروری ہے، چنانچہ فارسی کے اس پرانے شعر پر عمل کرنا ہی پڑا۔

نہ ہر جائے مرکب تو اں تاخستن

کہ جاہا سپر باید انداختن

مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے صدارت قبول کرنے کے کچھ عرصہ بعد ہی نہ صرف بورڈ کی تاریخ میں بلکہ ملت اسلامیہ ہندوستان کی تاریخ میں ایسے فتکین مرحلے پیش آئیں گے جو شاید اس سے پہلے عرصہ سے پیش نہیں آئے اور جن میں قیادت کے غیر معمولی حزم و عزم، ملت کے نظم و ضبط، علمائے دین و ماہرین قانون کے علم و مطالعہ، ذہانت و تدبیر اور عوام کے انقیاد و اطاعت، صبر و تحمل، قائدین پر اعتماد اور تفویض تسلیم کی غیر معمولی صلاحیت کے ثبوت دینے اور ملی شعور کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

کلکتہ کا اجلاس عام

۶، ۷، ۸، ۹ اپریل ۱۹۸۵ء کو کلکتہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا

اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں مسلمانان ہند کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں مسلم تنظیموں اور مختلف مکاتب خیال کے فوہ داروں، مسلم دانشوروں اور سربراہان اور وہ علماء اور قانون دانوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی، میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اندرونی و بیرونی سفروں اور سلسل انہماک و مصروفیت کی وجہ سے خطبہ صدر تیار نہیں کر سکا تھا، تخریبی و مطبوعہ خطبہ صدارت کے بجائے زبانی تقریر کی، جو کیسٹ سے نقل کرنے اور میری نظر ثانی کے بعد مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت و اہمیت کے عنوان سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے آفس خانقاہ رحمانیہ مونگیر بہار کی طرف سے شائع ہو چکا ہے، اس خطبہ میں مسئلہ کے اصولی و بنیادی پہلو آگئے، اور مسلم پرسنل لا کے متعلق غلط فہمیوں کا پس منظر اور ان کی نفسیات الہی و آسمانی قانون اور دنیوی و انسانی قانون کے درمیان نازک فرق اور یکساں سول کوڈ کے ملکی اتحاد کی راہ میں غیر موثر اور غیر منطقی ہونے کی وضاحت ایسے انداز میں آگئی ہے جس سے نہ صرف حقیقت پسند غیر مسلم حضرات بلکہ خود مسلمانوں کو بھی اس مسئلہ کے بارہ میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

۲۷ اپریل (۱۹۸۵ء) کو شام میں شہید مینار میدان میں ایک عظیم الشان جلسہ عام ہوا، عام اندازہ تھا کہ ۲-۵ لاکھ کا مجمع ہوگا، مضافات و اضلاع سے کثرت سے لوگ بسوں پر آئے تھے، یہ مسلمانوں کی وہ عظیم ترین تعداد تھی، جو عرصہ سے کسی جلسہ میں دیکھنے میں نہیں آئی تھی، سارا مجمع گوش بر آواز تھا، میں نے یہاں خالص مسلمانوں کو مخاطب کیا، ان کا بیباک اور بے لاگ طریقہ پر احتساب کیا، اور ان کو

۱۰ لاکھ اکثر تجربہ کاروں کا کہنا تھا، کہ نصف ملین (پانچ لاکھ) کے قریب حاضرین کی تعداد تھی۔

بتایا کہ ان سے خود اپنے مقدس عائلی قانون پر (جو خدا کا نازل کیا ہوا، خدا کے آخری پیغمبر کا پیش کیا ہوا اور سراسر کتاب و سنت پر مبنی ہے) عمل کرنے میں کتنی کوتاہیاں اور قانون شکنیاں ہو رہی ہیں، انھوں نے کتنے ہندوانہ رسوم اور غیر اسلامی قانون و رواج اختیار کر رکھے ہیں، اور وہ اپنے غیر اسلامی ماحول اور معاشرہ سے کتنے متاثر ہوئے ہیں، میں نے خود ان کو اپنا غیر جانب دارانہ احتساب کرنے، بلکہ اپنے گھروں میں خود عدالتیں قائم کر کے اپنا خود جائزہ لینے اور اپنے خلاف خود فیصلہ کرنے کی دعوت دی اور بتایا کہ الہی قانون پر عمل نہ کرنے اور اپنے خالق و مالک کی بندگی و اطاعت میں کوتاہی و سرتابی کرنے کے اثرات کس کس شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، اور اس سے اس ملت کی بے وزنی، بے اثری اور کیسی کیسی مشکلات وجود میں آتی ہیں، چونکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا اولین و بنیادی مقصد خود مسلم معاشرہ کی اصلاح اور معاشرت و تمدن اور عائلی زندگی کے الہی قوانین پر عمل کی دعوت ہے، اس لئے اس بے لاگ احتساب کی ضرورت تھی، اور الحمد للہ اس کا اچھا اثر پڑا۔ یہ اجلاس عام عصر بعد شروع ہوا تھا، جس میں متعدد علماء و وزراء نے تقریریں کیں، درمیان میں نماز مغرب کا وقت آگیا، سائے مجمع نے وہیں مغرب کی نماز ادا کی، لیکن جلسہ میں کوئی انتشار پیدا نہیں ہوا، اور مجمع میں کوئی کمی نہیں آئی، اگلے دن مجھے علی الصباح آسنسول جانا تھا، میں نے اپنے رفیق سفر سے کہا کہ انگریزی کے سب اخبارات خرید کر لے آئیں، معلوم ہوا کہ پریس نے حسب عادت اس عظیم جلسہ کو نظر انداز کیا، بعض مقامی اخباروں میں اگر خبر آئی بھی تو ان الفاظ میں کہ ”مجمع میں کمی ہو سکتی تھی“ HUNDREDS OF MUSLIMS ATTENDED یہ بات جہاں اخبارات کی

غیر ذمہ دارانہ روش کی غماز ہے، وہاں ملک و حکومت کے ساتھ بدخواہی پر بھی
 دال ہے، جس سے ملک کے حقیقی مسائل، اقلیتی فرقوں کے جذبات و احساسات
 اور احتجاجی و تعمیری جلسوں کے حجم و رقبہ کو بھی چھپایا جاتا ہے، اور اس کی
 وجہ سے وہ صحیح رائے قائم کرنے اور دانشمندانہ اور جرأت مندانہ قدم اٹھانے
 سے قاصر رہتے ہیں۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ، کھلی مداخلت فی الدین اور شریعت اسلامی پر حملہ

اردو کی پُرانی مثل ہے ”سر منڈانے ہی اولے پڑے“ میرے ساتھ بالکل
 یہی صورت حال پیش آئی کہ ۲۸/۲ دسمبر ۱۹۸۳ء کو میرا بحیثیت صدر کے
 انتخاب ہوا تھا، ۶/۷ اپریل ۱۹۸۵ء کو کلکتہ میں تاریخی اجلاس ہوا، جس کی
 صدارت کے فرائض میں نے انجام دیئے، اور ۲۳/۱ اپریل ۱۹۸۵ء ہی کو (کلکتہ کے
 اجلاس کے دو ہفتے بعد ہی) سپریم کورٹ نے نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں اپنا وہ فیصلہ
 دیا، جس میں دین میں کھلی مداخلت، قرآن مجید کے الفاظ کی من مانی تشریح و تفسیر،
 شریعت اسلامی کی توہین اور اس پر کھلا حملہ تھا، اس نے ملت کو جھنجھوڑ کر
 رکھ دیا اور اس کو اپنے دین و شریعت سے وابستگی، اسلام سے وفاداری اور
 غیرت و خودداری کے ایک فیصلہ کن مرحلہ پر لاکھڑا کر دیا۔

اس مقدمہ میں جو محمد احمد خاں اپیل کنندہ بنام شاہ بانو بیگم وغیرہ کے
 سلسلہ میں دائر تھا، فاضل جج چندر چوڑچیت جسٹس نے جو فیصلہ دیا اس کے
 چند اقتباسات پیش ہیں:-

”قانون ساز منونے کہا تھا: عورتیں آزادی کی مستحق نہیں ہیں، اور یہ بات بیٹنہ طور پر کہی جاتی ہے کہ اسلام کا تاریک پہلو یہ ہے کہ اس نے عورتوں کا درجہ گرا دیا ہے، (منتخبات قرآن، ایڈورڈ وولیم لین ۱۸۲۳ء، اشاعت ثانی ۱۹۸۲ء صفحہ xc) (تعارف) پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ قول (توقع ہے کہ غلط طور پر) منسوب ہے کہ ”عورت بیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائیگی، اس لئے اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرو“

”اگر کوئی ایسا شخص جسے اس طرح کا کوئی حکم (نان و نفقہ دینے کا حکم) دیا گیا ہو، کسی معقول سبب کے بغیر اس کی تعمیل سے قاصر رہتا ہے تو اس طرح کا کوئی مجسٹریٹ جرنلے وصول کرنے والے طریقہ کار کے تحت متعلقہ رقم کی وصولیابی کے لئے وارنٹ جاری کر سکتا ہے اور متعلقہ شخص کو وارنٹ کی تعمیل کے بعد پوری رقم یا ہر ماہ کے الاؤنس کی باقی ماندہ رقم کے لئے ایک ماہ یا ادا کیگی اگر اس سے قبل کر دی جائے تو متعلقہ مدت کے لئے سزا دے سکتا ہے“

قرآن کی آیات ۲۴۱ اور ۲۴۲ اس بات کی منظر ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق ایک مسلم شوہر اپنی مطلقہ کو نان و نفقہ فراہم کرنے کا پابند ہے، ان آیات کا عربی متن اور ان کا انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے۔

آیت ۲۴۱ ^و وَ لَئِنْ مَطَّلَقْتِ مَتَاعًا كَالْمَعْرُودِ
اور طلاقوں کے حق میں بھی نفع

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝
پہنچانا دستور کے موافق مقر

(البقرة - ۲۴۱) ہے (یہ) پریمیز گاؤں پر واجب ہے۔

ان آیات کے ترجمہ کی صحت متنازعہ نہیں ہے، سو اس کے کہ
اپیل کنندہ کا کہنا ہے کہ آیت ۲۴۱ میں لفظ متاع کے معنی عطا کرنے
فراہم کرنے کے ہیں نہ کہ نان و نفقہ کے، یہ امتیاز کسی فرق کے بغیر ہے۔
محمد ظفر اللہ شاہ کی تفسیر "دی قرآن" (ص ۳۸) میں دونوں آیات کا
انگریزی ترجمہ اس طرح دیا گیا ہے۔

"مطلقہ عورتوں کو بھی معقول طریقہ کے مطابق دیا جائے گا، یہ ایک
ایسی ذمہ داری ہے جو منطقی لوگوں پر لازماً عائد ہوتی ہے، اس طرح اللہ
اپنے احکام تم پر واضح کرتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو"

"دی میننگ آف قرآن" (جلد اول، مطبوعہ بورڈ آف اسلامک
پبلی کیشنز دہلی) میں آیات ۲۴۰ تا ۲۴۲ کا ترجمہ اس طرح دیا گیا ہے۔
ڈاکٹر علامہ خادم رحمانی نوری کی "دی زنگ کنٹری آف دی
ہولی قرآن" (۱۹۶۴ء ایڈیشن)

فاضل حج نے اپنے حوالہ میں آیات پیش کرنے کے بعد لکھا۔
ان آیات کے پیش نظر اس بات میں کسی شک و شبہ کی قطعاً کوئی
گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ از روئے قرآن ایک مسلم شوہر پر یہ ذمہ داری
عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زوجہ مطلقہ کو نان و نفقہ فراہم کرے یا اس کے

گزارے کا انتظام کرے اس کے برعکس کہی جانے والی بات تعلیمات
قرآنی کے ساتھ مبنی بر انصاف نہیں۔

یہ بات بھی بہت افسوسناک ہے کہ ہمارے آئین کی دفعہ ۴۴
(مشترکہ سول کوڈ سے متعلق رہنما اصول) ہنوز حروف بے جان
کا سی ہے..... یکساں سول کوڈ متصادم نظریات پر مبنی قوانین
کے تئیں بے جوڑ وفاداریوں کو ختم کر کے قومی یکجہتی کے حصول میں
مدد دے گا۔

عدالتوں کو ناگزیر طور پر سماجی مصلح کارول ادا کرنا پڑے گا،
کیونکہ حساس ذہن اس طرح کی صریح نا انصافی کو ہرگز برداشت
نہیں کر سکتے، لیکن مختلف شخصی قوانین کے درمیان پائی جانے والی
اس خلیج کو پر کرنے کے لئے عدالتوں کی جستہ جستہ کوششیں ایک
مشترکہ سول کوڈ کا بدل نہیں بن سکتیں!

سپریم کورٹ کا فیصلہ اور شرعی قانون کا تقابل

سپریم کورٹ کا فیصلہ ۱۲۵ کے ذریعہ مطلقہ کو صرف اسی شکل میں نفقہ
دلاتا ہے کہ شوہر با وسائل اور زندہ ہو، ورنہ مطلقہ کو بھیک مانگنے کے سوا کوئی
چارہ نہیں، لیکن اسلامی شریعت پر عمل کرنے کی صورت میں اس کی نوبت
نہیں آسکتی، عدت کے بعد مطلقہ اپنے گھر لوٹے گی اور جن وارثوں پر اسلامی قانون
نے اس کا نفقہ واجب کیا ہے ان سے نفقہ پائے گی اس فیصلہ میں CR.P.C. کی دفعہ ۱۲۵

کے ذریعہ مطلقہ کو بیوی بنا کر شوہر سے تانکاخ شانی یا تاجین حیات نفقہ دلانے کی بات کہی گئی ہے، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ ہندو مذہب کی عکاسی کرتا ہے۔

ہندو مذہب میں شادی کے بعد عورت کا رشتہ اپنے سابق پدری خاندان سے کٹ جاتا ہے، وہ شوہر کی ہو رہتی ہے، لوٹ کر اپنے گھر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے جو کچھ اس کو مل سکتا ہے، شوہر ہی سے مل سکتا ہے، اسی بنیاد پر مطلقہ کو صرف شوہر ہی سے نفقہ دلانے کی بات کی گئی ہے، اسلامی قانون بالکل ہی دوسرا ہے، اسلام شادی کے بعد عورت کا رشتہ اپنے خاندان سے نہیں کاٹتا، اسلامی نقطہ نگاہ سے لڑکی لڑکی ہے، بہن بہن ہے، اور رتے وقت تک لڑکی اور بہن رہے گی۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ میں بعض انگریزی ترجموں کی مدد سے "متاع" کی تفسیر نفقہ دائمی سے کی گئی ہے، جس کے لئے MAINTENANCE کا لفظ بعض انگریزی ترجموں میں استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ اس موقع پر تفسیر و حدیث و فقہ کے مطابق عارضی استعمال و انتفاع کے لئے کوئی رقم، یا جوڑہ، یا تحفہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ایسی عورت جس کا نکاح بغیر دین مہر کے ہو گیا ہو، اور اسے شوہر نے ملاپ پہلے طلاق دے دی ہو، اس عورت کے لئے "متاع" دینے کا حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ اس بیچاری کو دین مہر بھی نہیں ملتا، اور ایسی صورت میں اس پر عدت بھی واجب نہیں ہے، کہ اس کو عدت کا خرچہ دلا جائے، اس لئے اس کو وقتی طور پر دل دہی کے لئے اپنی سکت کے مطابق کچھ نہ کچھ جوڑا وغیرہ دینے کا حکم ہے، یہ وقتی اور فوری چیز ہے، سپریم کورٹ نے اپنے حالیہ فیصلہ میں اسی آیت کا حوالہ دے کر زندگی بھر کا نفقہ تمام ہی مطلقہ عورتوں کے لئے عائد کر دیا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، "نفقہ مطلقہ کے بارے میں سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ" ص ۱۳-۱۲۔ از مولانا برہان الدین صاحب استاد تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عدالت کا یہ بھی اپنے حدود سے تجاوز اور خطرناک اقدام تھا، کہ اس نے خود اس مذہب کے ماہرین اور مستند مفسرین کے متوازی و متبادل ان لوگوں کے ترجمہ پر اپنے فیصلہ کی بنیاد رکھی جن کی قرآن نہیں تو الگ ہی عربی دانی بھی مشکوک ہے۔

ایک خطرناک اقدام

سپریم کورٹ کے فاضل جج صاحب نے "متاع بالمعروف" کا ترجمہ MAINTENANCE (گزارہ) سے کیا ہے، اگرچہ قرآن مجید کے انگریزی میں ترجمہ کرنے والے زیادہ تر فاضل و محتاط مترجمین نے "گزارہ" کے بجائے "شریفانہ اور معقول سامان یا اسباب" کے الفاظ اور مفہوم سے کام لیا ہے، لیکن اصولاً قرآن مجید کے کسی دوسری زبان میں کسی ایک دو تراجم کی مدد اور حوالہ سے کسی قرآنی لفظ یا شرعی اصطلاح کی تشریح کرنا اور اس کی بنیاد پر کسی طے شدہ اور اجتماعی مسئلہ کے خلاف عدالت کا فیصلہ دے دینا ایک خطرناک اقدام ہے جو بہت اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے، اور اس سے ایک ملت کی پوری شریعت اور اس کا مذہبی و معاشرتی نظام خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

لے ملاحظہ ہوں تراجم قرآن از مارٹن پوک پکتھال، جارج سیبل، رچرڈ بیل،

(RICHARD BELL) آر تھر جے آر بری (ARTHUR J. ARBURY) نیز ترجمہ انگریزی مولانا

عبدالماجد دریابادی و ترجمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

حقیقت میں انگریزی عہد کے ماہرین قانون اور عدالت عالیہ کے قاضی
بجان زیادہ دورانہ پیش، باریک بینی اور عدالت کی ذمہ داریوں سے واقف تھے۔
۱۸۹۶ء میں پریوی کونسل لندن کے ایک فیصلے میں جو آغا محمد حنفی
بنام کلثوم بی بی کے مقدمے میں کیا گیا تھا، پریوی کونسل کے فاضل جج کے قلم سے
حسب ذیل الفاظ نکلے۔

”اس عدالت کے لئے یہ نامناسب ہوگا کہ وہ قدیم زمانے کے مفسرین
جن کا پایہ بہت بلند تھا، ان کے مقابلے میں اس آیت کا مطلب خود
تلاش کرنے کی کوشش کر لے“

اسی طرح ۱۹۰۳ء میں اس وقت کی پریوی کونسل کے فاضل جج نے
ایک دوسرے مقدمے میں فیصلہ دیتے ہوئے لکھا۔

”یہ تسلیم کر لینا اصولی طور پر بہت خطرناک ہوگا کہ موجودہ زمانے کے
علماء کسی قدیم متن سے کوئی نیا قانون وضع کر سکتے ہیں، جبکہ قدیم علماء
قانون میں سے کسی نے اس قسم کی رائے کا اظہار نہ کیا ہو“

ہندوستان کی آزادی کے بعد بھی ہندوستان کی آخری عدالت (سپریم کورٹ)
نے بھی اسی اصول پر عمل کیا اور اس کے فیصلوں میں اس کی نظیریں پائی جاتی ہیں
یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

۱۹۸۰ء کے ایک مقدمے کی اپیل کا فیصلہ کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے قاضی جج

۱۷ ایل. آر ج ۲۶ ۱۸۹۶ء ص ۲۰۳-۲۰۷ ۱۷ باقر علی خاں بنام انجن آراء سیکم اور

صادق علی خاں بنام انجن آراء سیکم۔ ایل آر ۱۹۰۳ء ج ۳ ص ۱۱۱-۱۱۲

نے حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا :-

”ہماری رائے میں قاضل جج نے اس پر دھیان نہیں دیا ہے کہ دستور کا حصہ سوم جابین کے عائلی قانون سے متعلق نہیں ہے جابین کے عائلی قانون کے نفاذ میں انہیں اپنے موجودہ زمانے کے تصورات کو داخل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہندو قانون کے مستند اور معروف ماخوذوں جیسے سمرتی اور اس کی تشریحات میں موجود ہے، اس کا نفاذ کرنا چاہیے۔“

اس فیصلہ میں یکساں سول کوڈ کی پر زور حمایت کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے :-

”یہ بات بھی بہت افسوسناک ہے کہ ہمارے آئین کی دفعہ ۲۲ (مشترکہ سول کوڈ سے متعلق رہنما اصول) ہنوز حوت بے جان کی سی ہے، یکساں سول کوڈ متصادم نظریات پر مبنی قوانین کے تئیں بے جوڑ وفاداریوں کے ختم کر کے قومی یکجہتی کے حصول میں مدد دے گا۔“

پیرم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف ہندو گریہ اور عظیم الشان جلسوں کا سلسلہ اس فیصلہ کے خلاف ملت کے اضطراب پریشانی کے اظہار اور عائلی قوانین کے سلسلہ میں صریح اسلامی تعلیمات اور مشفقہ اور مسلمہ شرعی احکام و منصوصات پر عمل کرنے کی آزادی بقا و تحفظ کے مطالبہ کی اس سکولر اور جمہوری ملک میں یہی شکل تھی، کہ اس فیصلہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ایسے عظیم الشان احتجاجی جلسے سارے ملک میں ہوں جن کا اثر ملک کے انتظامیہ اس کے ذمہ داروں، وزیر اعظم اور

۱۔ کرشنا سنگھ، بنام متھرا اہیرا، اے۔ آئی۔ آر ۱۹۸۰ء ص ۱۳۷

صدر جمہوریہ، وزیر قانون، وزیر داخلہ اور ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ) پر پڑے اور پارلیمنٹ میں نئے بل کے ذریعہ اس کو منسوخ کرایا جائے، اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے وزیر اعظم کے نام بڑی تعداد میں احتجاجی تار بھیجے، مساجد میں مسلمانوں کو صورت حال سے آگاہ کرنے اور ملک کے چھپے چھپے پر عمومی جلسے کرنے کی ہدایت واپیل کی، ہندوستان کی ملت اسلامیہ نے اس کا ایسا اثر لیا اور اس کی تعمیل کی جس کی نظیر تحریک خلافت کے بعد کسی دوسرے ملی مسئلہ کے سلسلہ میں نظر نہیں آتی، لاکھوں کی تعداد میں ملک کے گوشہ گوشہ، شہروں، قصبات اور دیہاتوں تک تار دیئے گئے، مساجد میں تقریریں اور دعائیں ہوئیں، ملک میں پورب سے لے کر کچھ تک اور اتر سے لے کر دکھن تک عظیم الشان جلسے ہوئے، جن میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں مسلمانوں کا جمع ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں رہی، خود میرے شہر رائے بریلی میں جو کوئی بڑا شہر نہیں ہے، ۹ فروری ۱۹۸۶ء کو کل ہند تحفظ شریعت کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں (قومی آواز کی رپورٹ کے مطابق) ریاست کے مختلف اضلاع کے ایک لاکھ سے زیادہ فرزندان اسلام نے شرکت کی، مسلمانان رائے بریلی کے لئے جنھوں نے ۹ فروری کو اپنا کاروبار بند کر دیا تھا، وہ دن ایک یادگار دن ہے، ان کو یاد نہیں کہ اتنی عظیم الشان کانفرنس کبھی شہر میں ہوئی ہو، انسانوں کا ایک سمندر رہیں مار رہا تھا، پوری سڑک پر ہر گھر میں شہر کی پردہ نشین خواتین کے ہجوم تھے، جو کمروں میں اور چھتوں پر ہزاروں کی تعداد میں موجود تھیں!

لے یاد رہے کہ رائے بریلی شہر کی کل آبادی ایک لاکھ سے کچھ متجاوز ہے۔

۱۳ فروری ۱۹۸۶ء

اسی طرح یوپی اور بہار کے مرکزی مقامات اور بڑے بڑے شہروں کے علاوہ
 قصبات تک میں عظیم الشان جلسے ہوئے، بعض کارکنوں نے دستخطی مہم بھی چلائی جس پر
 ہزاروں ہزار کی تعداد میں مسلمانوں نے دستخط کیے نومبر ۱۹۸۶ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل
 بورڈ کے ایک وفد نے جس میں میرل وڈلانا مجاہد اسلام صفا تھے، جنوبی ہند کا دورہ
 کیا جو مداس سے شروع ہو کر کوچین، کالی کٹ تک جاری رہا، اور منگلور (کرناٹک)
 کے ایک عظیم الشان اجلاس ختم ہوا، اس دورہ میں مسلم لیگ کے صدر (جناب
 ابراہیم سلیمان سیٹھ صفا ایم پی) بنفس نفیس مشرک تھے، نائل ناڈو اور کیرالا کی
 جماعت اسلامی کے امیر حلقہ پورا تعاون کر رہے تھے، تعمیر ملت اور دوسری مسلم تنظیموں
 کے ذمہ دار پورے طور پر شریک تھے، مسلمانوں میں دینی بیداری، اسلام سے وفاداری
 کی ایک طاقتور لہر آئی ہوئی تھی، مجھے یاد ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک
 ٹرین سے جاتے ہوئے آدھی رات کو اسٹیشن پر مسلمانوں کا مجمع نظر آتا جو اپنے
 دینی رہنماؤں کی زیارت کرنا چاہتا تھا، اور اکثر یہ کہتا کہ "مشرعیت کی حفاظت
 کے لئے جان و مال حاضر ہے" یہ دورہ جو نیپور کے عظیم الشان اجلاس پر
 ختم ہوا، جو ۷ نومبر کو منعقد ہوا تھا۔

دوسری طرف مولانا سید منت الشرح صاحب رحمانی جنرل سکرٹری
 آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی کمزوری صحت اور شدید مشغولیتوں کے
 باوجود مختلف ریاستوں کا طوفانی دورہ کیا جس میں آندھرا پردیش اور کشمیر
 بھی شامل تھا، بہار اور اڑیسہ کے دوروں اور جلسوں کا تو کچھ شمار نہیں، علاوہ
 کثرت تعداد کے یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ مسلمان فرقوں، مکاتب خیال

اور مختلف مسلم تنظیموں کی ایسی نمائندگی کم دیکھنے میں آئی ہے، مسلم لیگ، جمعیتہ العلماء ہند، جماعت اسلامی ہند، تعمیر ملت، اتحاد المسلمین، مسلم مجلس کے علاوہ فرقہ اثنا عشری میں سے جناب مولانا سید کلپ عابد صاحب مجتہد نائب صدر لہورڈ، جناب شبیر بھائی نور الدین (بوہرہ جماعت) جناب یوسف حاکم مچھالہ صاحب ایڈووکیٹ (بوہرہ جماعت) پرنس انجم قدر صاحب صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس، جناب مولانا محمد اسعد مدنی صاحب صدر جمعیتہ العلماء ہند، مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھو چھوی عالمکے جلسوں میں شریک ہوتے اور عمومی جلسوں میں خطاب فرماتے۔

اس تحریک کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اگرچہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کو طبقہ نسوان کے ساتھ انصاف کا عنوان دیا جا رہا تھا، اور اس کو ترقی پسند بلکہ حقیقت پسندی کی ایک تاریخی علامت قرار دیا جا رہا تھا، اور غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں بھی بہت سے ترقی پسند (دائیں طیفی) اور دوائی گروہ کے آزاد مسلمان) اس کی تائید میں تھے، مسلمان خواتین کی اکثریت اس فیصلہ کی مخالفت، بشرطیت اسلامی کی کلی حمایت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تائید میں تھی، اور ان میں متعدد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سربراہ آورده اور عزیز خواتین تھیں، جن میں جناب نجمہ ہیتہ اللہ صاحبہ نائب صدر راجیہ سبھا اور سگم صاحبہ فخر الدین علی احمد صاحب مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند کا خصوصیت سے نام لیا جاسکتا ہے، پرسنل لا بورڈ کی تحریک اور خود اپنے جذبہ سے بہت سے مرکزی مقامات پر خواتین کے جلسے ہوئے متعدد تعلیم یافتہ خواتین نے اردو

انگریزی اخبارات میں مراسلات شائع کروائے۔

یہاں خواتین کے صرف ایک جلسہ کا جو بوٹ کلب نئی دہلی میں ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو منعقد ہوا تھا، مختصر طور پر ایک مشترک جلسہ معزز خاتون کے قلم سے آنکھوں دیکھا حال کے مضمون کی چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:-

”دہلی بوٹ کلب ہاؤس کلب کے میدان میں ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو مسلم خواتین کا ایک عظیم الشان تاریخی جلسہ بیگم عابدہ احمد ایم پی کے زیر صدارت منعقد ہوا، یہ جلسہ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف، یہ طور احتجاج کیا گیا تھا، جلسے میں خواتین نے بک زبان ہو کر حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ سپریم کورٹ کے اس غیر شرعی فیصلے کو مسترد کرے۔

اس جلسے کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں عام خواتین کے دوش بہ دوش نئی روشنی کی مسلم تعلیم یافتہ خواتین بڑی تعداد میں نہ صرف یہ کہ شریک تھیں بلکہ کارکردگی میں نمایاں حصے رہی تھیں۔ جلسہ گاہ کا وسیع پیمانہ خواتین سے کچھ بچا بچا تھا، دینی جذبے اور ملی جمیٹ سے سرشار ان عورتوں کو موسم کی شدت اور گرمی کی مطلق پرواہ نہ تھی، بوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ نعرہ تکبیر کی صداؤں سے فضا گونج رہی تھی۔

مقررین میں بیگم عابدہ احمد کے علاوہ بیگم ضیا الرحمن انصاری بیگم خورشید عالم خاں اور بیگم سائر نظامی کے نام قابل ذکر ہیں، دہلی

اور اس کے گرد و نواح کے علاوہ مراد آباد، علی گڑھ اور میرٹھ وغیرہ
 کی خواتین بھی جلسہ میں شرکت کے لئے آئی تھیں، لکھنؤ سے بیگم ڈاکٹر
 اشتیاق حسین قریشی اور بیگم نسیم اقتدار علی شرکت کے لئے گئی تھیں۔
 جلسے کے آخر میں اعلان کیا گیا تھا کہ چند منتخب خواتین وزیراعظم ہند
 کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کریں گی!

انگریزی ہندی پریس کا قابل فہم موقف اور زلزلہ انگیز طوفانِ مخالفت

اس کے بالمقابل انگریزی و ہندی پریس نے اس مسئلہ پر ایسی مخالفانہ
 صفت آرائی (OPPOSED TOOTH AND NAIL) کا مظاہرہ کیا جس کی مثال شاید
 تقسیم ہند اور جداگانہ قومیت کے مسئلہ پر بھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی، پریس اور
 فرقہ پرست جماعتوں کی قیادت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کی اس شدت احسا
 اس فیصلہ کو تبدیل کرانے کی کوشش اور ایک جزوی عائلی مسئلہ میں اسلام کے
 قانون شرعی پر عمل کرنے کی اجازت کو بحال رکھنے کے مطالبہ کو جس سے ایک فرقہ
 (مسلمانوں) کے ایک محدود طبقہ (خواتین) کی ایک چھوٹی سی تعداد (مطلقہ خواتین)
 متاثر ہوتی تھی اس نظر سے دیکھا گیا اس ملک پر کوئی غیر ملکی طاقت حملہ کرنے والی
 ہے، یا کوئی ہیبت ناک زلزلہ آنے والا ہے یا کوہ آتش نشاں پھٹنے والا ہے، یا
 کوئی ملک گہر ہلک یا پھیلنے والی ہے، جیسا کہ میں نے اپنے دہلی کے ڈائلگ (DIALOGUE)
 اور پریس کانفرنس ۲۴ مئی ۱۹۸۶ء میں کہا ہے، انھوں نے اس بارہ میں اصول
 لے ایک چشم دید روایت بقلم بیگم اقتدار علی خاں صاحب، سابق چیف انجینئر، یو، پی۔

”احساس تناسب“ (SENSE OF PROPORTION) کو بھی بلائے طاق رکھ دیا۔
 میں نے دہلی کے ڈائلاگ میں جو ۲۴ مئی ۱۹۸۶ء کو انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد
 ہوا تھا، اسی تاثر کو بیان کرتے ہوئے کہا:-

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہندوستان میں خطرہ کی ایسی گھنٹی بج گئی،
 جیسی (خدا محفوظ رکھے) ملک پر کسی بیرونی حملہ یا ملک کے اندر کسی شدید وبا، یا
 کوہ آتش فشاں پھٹنے کے موقع پر پینی چاہئے، یہاں احساس تناسب (SENSE OF PROPORTION)
 کے بھی خلاف ہے، جس پر زندگی کا نظام چل رہا ہے، مسئلہ جس نسبت کو توجہ اور
 فکر و پریشانی کا مستحق ہے، اس نسبت سے اس کی طرف توجہ اور اس میں توازنائی
 صرف کرنے کی ضرورت ہے، رائی کا پریت بنانا نہ عقل سلیم کا تقاضہ ہے،
 نہ عقل عملی (PRACTICAL WISDOM) کا۔“

گاندھی جی کے اس اعلیٰ اخلاقی و اصولی موقف اور اس عاقلانہ قیادت کو
 سامنے رکھتے ہوئے کہ انھوں نے ایک ایسے مسئلہ میں (مسئلہ خلافت میں) جس کا تعلق
 ہندوستان کے مسلمانوں کے اندرونی حالات سے براہ راست نہ تھا، ہندوستان
 سے ہزاروں میل دور اور سمندروں پار خلافت کے مسئلہ سے تھا، اور جس کا مرکز
 ترکی تھا، مسلمانوں کی پوری تائید و حمایت کی، ہمارے ہم وطنوں اور اکثریت کے
 دانشوروں اور اخبار نویسوں اور مختلف پارٹیوں کے رہنماؤں کا موقف یہ ہونا
 چاہئے تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے موقف کی تائید نہ کریں تو کم سے کم غیر جانبدار
 اور خاموش رہیں کہ اس سے ان کے عائلی قانون پرسنل لا“ ان کی قومی زندگی
 اور ان کے طبقہ خواتین کے حقوق و تحفظ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس سے ملک میں

ایک خوشگوار فضا اور باہمی اعتماد کی کیفیت پیدا ہوتی، اس سے کہیں زیادہ ان کی توجہ کی مستحق خود ان کے فرقہ اور طبقہ نسوان کی سیکڑوں، ہزاروں نئی بیباہی ہوئی دہنوں کے جلائے جانے یا غیر طبعی طور پر ان کو ہلاک کر دینے کے وہ واقعات ہیں جن سے شاید اس لیے چوڑے ملک میں کوئی دن خالی جانا ہو، نیشنل پریس کی اطلاع کے مطابق صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیباہی دہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے،

لہ حیرت ہے کہ جن لوگوں، اور جن انگریزی اور ہندی پریس نے مسلم مطلقہ قانون کے سلسلہ میں ۶ مئی ۱۹۸۶ء کے منظور شدہ بل پر آسمان سر پر اٹھالیا تھا، اور اس کو طبقہ نسوان کے حق میں ظالم عظیم سمجھا تھا، اس نے سنی کی اس ظالمانہ رسم کے خلاف اس رد عمل کا ثبوت نہیں دیا جس کی وہ مستحق تھی، دیورالا (سیکر) راجستھان میں ۸ سال کی نوجوان خاتون روپ کنورم ستمبر کو اپنے شوہر کے ساتھ تقریباً ۱۰ لاکھ افراد کی موجودگی میں جوستی مانا کی جے جے کے نعرے لگا رہے تھے نئی ہو گئی اور عقیدتمندوں کے سیلاب کے درمیان راجستھان ہائی کورٹ کے حکم اور بن تنظیموں کی اس خلاف رٹ دائر کرنے کے باوجود چندری کی رقم بھی انجام پائی، روپ کنور کے کہنے والے جے پور سے چندری لے کر پہلے ہی پہنچ گئے تھے، اس خاندان والے جلوں کی شکل میں اس مقام پر پہنچے راجستھان نوجوان ہاتھوں میں ننگی تلواریں لے کر سنی کے مقام پر پہرہ دے رہے تھے، گذشتہ تیرہ دنوں میں لاکھوں روپے کے ماربل فروخت ہوئے، سنی کی تصویر کھلے عام ۱۰-۱۰ روپے میں فروخت ہو رہی، ڈورڈرا کے آنے والوں کا سلسلہ تیزی سے جاری رہا، حیرت ہے کہ اس خلاف انسانیت فعل پر جس ملک گیر بیانہ پراور پریس کی جس طاقت کے ساتھ احتجاج اور مظاہرے ہونے چاہئے تھے، وہ ابھی تک دیکھنے میں نہیں آئے۔ (ماخوذ از "قومی آواز" ۸ ستمبر لکھنؤ)

معلوم ہوا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں تھا اس سے پہلے متعدد واقعات ہو چکے ہیں، اور ان پر وہ بہمی اور بیزیر پیدا نہیں ہوئی، جس کا مسلم مطلقہ کے گذراوقات کی ذمہ داری کے سلسلہ میں (جس کا شریعت اسلامی نے معقول انتظام کیا ہے) اظہار ہوا تھا۔ "بیس تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا"

"TIMES OF INDIA" لکھنؤ کی اشاعت ۶ اپریل ۱۹۸۶ء میں ایک خاتون کا بیان شائع ہوا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں ہر سال غیر قانونی طور پر اسقاطِ حمل سے چھیا سٹھ لاکھ اموات ہوتی ہیں۔

وزیر اعظم سے ملاقاتیں اور اقبام و تفہیم کی کوشش

عوامی جلسوں کے اس تسلسل کے ساتھ جس کی مثال تقسیم ہند کے بعد نئی شکل ہے نیز ناروں، تجاویز کی نقلوں اور دستخطی مہم کے ساتھ جو کسی جمہوری حکومت کو مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے کافی ہے، بورڈ کے صدر اور سکریٹری نے وزیر اعظم ہند مسٹر راجیو گاندھی سے براہ راست ملنے اور ان کو مطمئن کرنے کی ضرورت محسوس کی، اس سلسلہ کی ایک کڑی وہ تھی کہ ۳ جولائی ۱۹۸۵ء کو ایک نمائندہ وفد کے ساتھ وزیر اعظم صاحب سے ملنے کی کوشش کی گئی اور ان کو یادداشت پیش کی گئی، دوسری شکل ذاتی ملاقاتوں کی تھی جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آتی ہے۔

۲ فروری ۱۹۸۶ء کو دہلی میں مجلسِ عاملہ اور ایکشن کمیٹی کا اجلاس تھا ۳ فروری کو اچانک میرے پاس وزیر اعظم کی طرف سے ملاقات کی دعوت آئی، ٹیلیفون پر بیجا ملاکہ پرائم منسٹر دیر سے آپ کے منتظر ہیں، آپ ابھی تشریف لے آئیے، میں اپنی جگہ پر طے کئے ہوئے تھا کہ مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر اور اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اپنے وسیع تجربات اور مطالعہ کی روشنی میں مسئلہ کے من و عن اور اس کے فقہی و قانونی پہلوؤں پر زیادہ گہری نظر رکھتے ہیں، میں ایسے

لے قومی آواز دہلی، ۱۰ جون ۱۹۸۶ء

موقعوں پر ان کی معیت و رفاقت اور ان کی اعانت و رہنمائی کے بغیر کوئی اہم ملاقات نہیں کروں گا، میں نے ٹیلیفون پر اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ مولانا کو بھی اپنے ساتھ لاؤں لیکن جواب ملا کہ اس مرتبہ آپ تنہا ہی تشریف لائیے، میں وہاں گیا تو وزیر قانون مسٹر اشوک سین بھی وہاں موجود تھے، محترم ضیاء الرحمن انصاری صاحب وزیر مملکت باہر تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھ کر مجھے قدرے اطمینان ہوا، میں اپنی شخصیت کی بے وزنی اور ایسے نازک موقعوں پر طاقتور و کالت کی نااہلی سے خوب واقف تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور دعا و انابت کے سوا کوئی زاد راہ نہ تھا، الحمد للہ کہ ان کوششوں سے میرا مقصد کسی شخصی یا سیاسی مفاد کی تکمیل اور حصول جاہ و منصب نہیں تھا، میں نے ہر ملاقات میں اس کا صاف اثر دیکھا۔

میں نے راجیو جی سے کہا کہ راجیو جی! جس طرح رسم الخط SCRIPT کا ایک شارٹ ہینڈ ہوتا ہے، سیاست پالیٹکس کا بھی ایک شارٹ ہینڈ یا شارٹ کٹ ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جن کا مسئلہ ہے، اس کو ان کے مخلص و مستند لوگوں سے سمجھ لیا جائے، قبل اس کے کہ وہ سیاسی پالیٹیشنرز کے ہاتھوں جانے پائے اور وہ اپنے سیاسی مقاصد اور مفادات کے لئے اس کو طوالت دیں، اس کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجیو جی کے یہ بات سمجھ لیا گئی، انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص پیشہ وری سیاسی اور کوئی گھاگھ لیڈر نہیں ہے، جب پارلیمنٹ میں ایسے بل پیش کرنے کا ذکر آیا جس سے سپریم کورٹ کا فیصلہ (جس کے اوپر ہندوستان میں کوئی عدالت نہیں) کا عدم ہو سکتا ہو تو راجیو جی نے معذرت کے انداز میں کہا کہ

بعض قانونی مجبوریوں کے باعث آرڈیننس نہیں آسکا، اب پل پارلیمنٹ میں جا بیگا۔
 ۷۔ افروری کو وزیر اعظم سے پھر ملاقات ہوئی، اس موقع پر مولانا سید منت اللہ
 صاحب بھی موجود تھے، انتظار دالے کمرہ میں مسٹر اشوک سین وزیر قانون پہلے سے
 موجود تھے، انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ "مولانا صاحب بعض ایسے مسلم جموں اور ماہرین
 قانون کے خطوط آئے ہیں جنہوں نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کی تائید کی ہے، لیکن
 مسلمانوں کی مجاریٹی (MAJORITY) آپ ہی کے ساتھ ہے" میں اپنے ساتھ اپنا وہ رسالہ
 بھی لے گیا تھا جس کا عنوان "انسانی تہذیب تمدن پر اسلام کے اثرات" ہے،
 اس میں طبقہ نسواں کے حقوق کے بارہ میں مذاہب کا موازنہ اور تاریخ کی روشنی میں
 تقابلی مطالعہ ہے، مسٹر اشوک سین نے اس پر ایک نظر ڈالی، وزیر اعظم خود آکر ہم لوگوں
 کو ملاقات کے کمرہ میں لے گئے، ان کی فرمائش پر وزیر قانون نے نینٹ ورق کا مسودہ
 نکالا اور دفعہ وار پڑھنا شروع کیا، سو اگھنٹہ میں اس نینٹ ورق کی خواندگی ختم ہوئی،
 یہ دیکھ کر اطمینان ہوا اور سرت بھی کہ ہر دفعہ پر وزیر اعظم کچھ سوال کرتے ہیں، اور
 بتلاتے ہیں کہ اس طرح نہیں، اس طرح لکھا جائے، ہم نے اس انداز سے بل سے
 متعلق ان کی غیر معمولی دل چسپی محسوس کی، اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس مسئلہ پر انہوں نے
 کچھ تیاری بھی کی ہے، ہر دفعہ پر وہ ہم لوگوں سے پوچھتے اور ہمارا جواب سن کر لکھواتے۔
 اچانک ایک دن وزیر اعظم صاحب نے ۱۷-۱۸ اڈمیوں کو جن میں مسلم لیڈران اور
 ممتاز مسلم ممبران پارلیمنٹ تھے پارلیمنٹ کے ایک ہال میں بلایا، مجھ سے جناب
 ابراہیم سلیمان سیٹھ یہ کہہ چکے تھے کہ راجو جی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اس بل کے پیش ہونے

لے منقول از رپورٹ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی۔

اور پاس ہونے سے پہلے مختلف مسلم ممالک کا طرز عمل بھی معلوم کر لیا جائے کہ انھوں نے اپنے یہاں کے مسلم پرسنل لایس کوئی ترمیم کی ہے یا نہیں؟ اگر انھوں نے کی ہے تو پھر ایک سیکوراسٹیٹ کو اس میں کوئی تاثر نہیں ہوتا چاہئے، میں نے سمجھ لیا کہ اگر انھوں نے اس مشورہ کو قبول کر لیا تو مسئلہ کھٹائی میں پڑ جائیگا، میرے ذہن میں خدا نے ایک بتا ڈالی اور وہ تیرا اپنے نشانہ پر بیٹھا ہم لوگ جب جمع ہوئے تو وہ میرے سامنے ہی بیٹھے تھے، میں نے کہا کہ راجو جی! اگر آپ سے کوئی کہے کہ دوسرے مسلم ممالک بھی تو ہیں، وہاں سے معلوم کرنا چاہئے کہ انھوں نے اپنے عائلی قانون (PERSONAL LAW) میں کوئی ترمیم کی ہے یا نہیں؟ پھر آپ ان کی تقلید کر سکتے ہیں، تو آپ کو یہ پوزیشن ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے، ہم ایک مرتبہ اگر انکار کریں تو آپ کو چار مرتبہ انکار کرنا چاہئے، اس لئے کہ جہاں تک ہندوستان کی رہنمائی کرنے کا تعلق ہے، آپ کی تیسری پشت ہے، ہندوستان علمی و مذہبی حیثیت سے (جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے) کسی مسلم یا عرب ملک سے کم نہیں ہے، وہ اپنا خود مقام رکھتا ہے، مجھے کہنا نہیں چاہئے، لیکن کہتا ہوں کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی ماہرین قانون شریعت اسلامی کی مجلس (کیریڈی) رابطہ عالم اسلامی کے معظّمہ کی "المجمع الفقہی" ہے جس کا ہندوستان سے میں تنہا ممبر ہوں، بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ سارے ممبران ایک طرف تھے، میں ایک طرف تھا، اور فیصلہ میری رائے پر ہوا، یہاں اسی مجلس میں ایسے علماء موجود ہیں کہ اگر ان کا نام جامع ازہر مصر میں لیا جائے تو لوگ احترام سے گردن جھکا لیں، یہ بات جو نفسیاتی اثر رکھتی تھی اپنا اثر گئی اور راجو جی نے پھر دوسرے ممالک کا حوالہ نہیں دیا۔

راجو جی کے ایما پر مسز نجمہ مہینہ اللہ صاحبہ ایک روز مجھ سے ملنے لکھنؤ بھی آئیں،

تاکہ مسئلہ سے متعلق بعض پہلوؤں پر معلومات حاصل کریں، مولانا منت اللہ صاحب بھی اس گفتگو میں شریک تھے۔

اس وقت یہ بات بھی ہوئی کہ وزیر قانون صاحب اصلاح شدہ بل تیار کر لیں گے اور ہم لوگ پھر ملاقات کریں گے، میں نے خواہش کی کہ اس مرتبہ ہم اپنے ساتھ کوئی قانون دان رفیق بھی لیتے آئیں، وزیر اعظم صاحب نے فرمایا کہ ضرور مگر وہ نرپالیٹینین نہ ہو، ۱۸ کو ہماری ملاقات سوسائٹ کے وزیر اعظم کے دفتر میں ہوئی، رحیم قریشی صاحب سکریٹری بورڈ بھی ساتھ تھے، ہم لوگوں نے بل دوبارہ سنا اور اس سے اتفاق ظاہر کیا، ایک دن وزیر اعظم صاحب کے ایما پر منسز نجبہ مینہ اللہ صاحبہ نائب صدر راجیہ بھا کے مکان پر مخصوص مسلم ممبران پارلیمنٹ، وزیر قانون مسٹر اشوک سین اور نائب وزیر قانون برائے ریاست مسٹر بردواج اور ہم لوگ جمع ہوئے اور مجوزہ بل کے نفاذ کی صورت میں ان مشکلات کا جائزہ لیا گیا جو پیش آسکتی ہیں، اس میں ایک سوال یہ تھا کہ اگر مطلقہ کے خونی رشتہ داروں میں کوئی ایسا باقی نہیں ہے، جو اس کی خبر گیری کر سکے تو اس کی کفالت کا کیا انتظام ہوگا؟ ہم لوگوں نے کہا کہ اس کی ذمہ داری صوبوں کے مسلم وقف بورڈ پر ڈالی جاسکتی ہے، اس پر وہ مطمئن ہوئے۔

ایک نازک مرحلہ

درمیان میں قبل اس کے کہ بل پر پارلیمنٹ میں بحث ہو ایک وزنازک مرحلہ پیش آگیا۔ بل کے پیش ہو جانے کے بعد مخالفین نے ایک قانونی نکتہ اٹھایا، اور جسٹس آرنے صاف کہا کہ اس بل کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جائے گا، اور چونکہ یہ بل دستور کی

دفعہ ۱۲۵ اور ۱۲۵ کے خلاف ہے اور دستور میں دی گئی ذاتی آزادی (جو شخص جس مذہب اور جس تہذیب کو چاہے اختیار کرے) سے ٹکراتا ہے اور ہندوستان کے باشندوں میں ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا ہے اس لئے سپریم کورٹ بہر حال اس بل کو مسترد کر دے گا، کہ ایسی قانون سازی جو دستور ہند کی دفعات کے خلاف ہو اسے مسترد کرنا سپریم کورٹ کی ذمہ داری ہے ان حالات میں بل میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ اگر کوئی بد نصیب مطلقہ اس بل سے مطمئن نہ ہو، اسلامی قانون کے تحت نفقہ حاصل کرنا نہ چاہتی ہو بلکہ وہ دفعہ ۱۲۵ ہی کے ذریعہ نفقہ حاصل کرنا اپنے لئے صحیح سمجھتی ہو تو ایسی درخواست دے سکتی ہے اور پھر مجسٹریٹ دفعہ ۱۲۵ ہی کے تحت اس کا فیصلہ کرے گا۔

ترمیم میں یہ کہا گیا کہ صرف مطلقہ کا درخواست دینا اور دفعہ ۱۲۵ کے ذریعہ فیصلہ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کرنا قطعاً کافی نہ ہوگا، بلکہ مطلقہ اور اس کے سابق شوہر دونوں کی رضامندی ضروری ہوگی، اور دونوں کی مشترکہ درخواست کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکے گا، جس کی توثیق حلف نامہ کے ذریعہ کی گئی ہو اور اگر تنہا مطلقہ نے درخواست کی تو پھر اس کا فیصلہ بل کے مطابق ہی ہوگا، دفعہ ۱۲۵ کے مطابق نہیں، دوسری شرط یہ لگائی گئی کہ یہ درخواست اور رضامندی مقدمہ کی سماعت سے پہلے ہی دن ہونی چاہئے ورنہ قابل قبول نہ ہوگی۔

یہ گفتگو ۱۹ اپریل کو ہوئی، ہم لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کسی ہوشیار اور باریک بین مخالف قانون دان نے وزیر قانون باراجوگی کے کسی اہم مشیر کار کو سمجھایا ہے، اب اگر ہم اس کو مسترد کرتے ہیں تو پھر جہاں سے چلے تھے وہیں آجائیں گے، اور عنقریب

پیش ہونے والا اہل تعویق میں پڑ جائیگا، یا تعطل کا شکار ہو جائیگا، راجیو جی کے قریب ترین مشیر کار نے اس کا بھی اشارہ کیا کہ اگر آپ نے یہ اضافہ مان لیا تو گورنمنٹ خود ہی کی حفاظت اور اس کے لئے قانونی چارہ جوئی کرے گی، ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس اضافہ میں دو شرطیں لگا کر دفعہ ۱۲۵ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، اور عملاً اس کو بیکار کر دیا گیا، دفعہ ۱۲۵ کے ذریعہ شوہر کو نکاح ثانی یا حین حیات نفقہ دینا پڑتا ہے، کوئی نادان شوہر ہوگا جو دفعہ ۱۲۵ کے ذریعہ نفقہ کا فیصلہ کرانا چاہے گا اور مطلقہ کی دی ہوئی درخواست پر اپنی رضامندی ظاہر کرے گا، اور اس پر دستخط ثبت کرے گا، اور کوئی ناخدا نرس اور نا سمجھ مطلقہ ہی ایسی ہوگی جو اسلامی قانون کو چھوڑ کر جس میں اسے ہر مرحلہ میں نفقہ کی ضمانت ہے، ایسے غیر شرعی قانون کو ترجیح دے گی جس میں اس کے نفقہ کا انحصار شوہر کی خوش حالی اور زندگی پر ہے، اگر شوہر مفلس ہے یا اس کا انتقال ہو جائے تو پھر مطلقہ کے لئے پریشانی اور حیرانی کے سوا کچھ نہیں۔

میں نے مولانا سید منت اللہ صاحب سے عرض کیا کہ چونکہ اس اضافہ کا قبول کرنا ایک نازک اور جزوت مندانہ فیصلہ ہے، اور وہ نہ صرف مخالفین بلکہ بہت سے مؤیدین اور حامیوں کو بھی امتحان نزل میں ڈال دے گا، اس لئے اس کے رد و قبول کا فیصلہ متفقہ اور اجماعی طور پر ہونا چاہئے، مولانا نے اس سے اتفاق کیا اور مجلس عالمہ کے تمام ارکان سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کر کے ان کو اگلے دن میری قیام گاہ حافظ کرامت اللہ صاحب کی کوٹھی میں ۳ ویسٹ نظام الدین میں تشریف لانے کی دعوت دی گئی، یہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی کہ اتنے شارٹ نوٹس پر ایک دو ارکان کو چھوڑ کر سبھی ارکان ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء کو جمع ہو گئے، جن میں لکھنؤ، حیدرآباد، بمبئی اور ناگپور تک کے

ارکان تھے، مولانا سید کلب عابد صاحب بھی لکھنؤ سے تشریف لے آئے، شبیر بھائی نور الدین، اور یوسف حاتم ٹیچالہ صاحب بمبئی سے، رحیم قریشی صاحب حیدرآباد سے، مولانا عبدالکریم پارکچہ صاحب ناگپور سے اور ممبران پارلیمنٹ تو خود دہلی میں موجود تھے، مسئلہ جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو سب سے پہلے جناب محمود بنات والا صاحب سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے (جنہوں نے فیصلہ اور پیش کردہ بل کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کی تھی، اور جو اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بہت سے مسلم ممبران اور قانون دانوں سے زیادہ حاوی تھے) سنتے ہی یہ کہا کہ یہ تو ہمارے حق میں مفید ہے اور یہ تو اس دفعہ میں جس سے کبھی نہ کبھی سہارا لیا جاتا، بٹری ڈال دینے کے مراد ہے، اس کا قبول کرنا مفید ہے، پھر تھوڑی بحث و تحویص کے بعد تقریباً تمام ارکان نے اس سے اتفاق کیا، اور اس کا فیصلہ ہو گیا کہ اس کے مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ حکومت کے ذمہ داروں کو بتا دیا گیا کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

اسی شب میں بعض قاضی ارکان پورڈ اور قانون دان ممبران پارلیمنٹ نے بل میں کچھ نفظی ترمیمات پیش کیے، میں نے اس کا اہم اور بنیادی حصہ ڈرافٹ اور ٹائپ کر کے اگلے روز راجیو جی کو بخود پیش کیا، اور ان سے درخواست کی کہ اس کی روشنی میں بل کو اور زیادہ مکمل و منضبط بنا کر پیش کیا جائے، معلوم ہوتا ہے کہ عجلت میں ایسا نہیں ہو سکا۔

بابری مسجد

یہاں یہ لکھنا بے محل نہ ہوگا کہ اس زمانہ میں بابری مسجد کا معاملہ سامنے آچکا تھا، میں نے اس ملاقات سے فائدہ اٹھا کر اخیر میں بابری مسجد کے معاملہ کی طرف

وزیر اعظم کو توجہ دلائی، وزیر اعظم نے شری این اڈی تیواری سے جو اس وقت مجلس میں موجود تھے، کہا کہ آپ دونوں حضرات کے ساتھ فوتہ دار صاحب سے مل کر بات کر لیجئے، ہم نے ان سے ملاقات کی، ان کے سوالہ ایک بیان کیا، اور کہا کہ یہ بیان من جانب حکومت ہند فوراً شائع ہونا چاہئے اور یہ کہا کہ حقیقت اور ملکیت کا فیصلہ تو کورٹ سے ہوگا، بلاتناخیر حکومت کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ عبادت گاہیں اپنی اصلی شکل میں رہیں گی، کسی دوسرے فرقہ کو زبردستی ان میں کسی قسم کی تبدیلی لانے کی اجازت نہیں دی جائیگی، مگر افسوس ہے کہ یہ اعلان جو اس وقت بہت سے فتنوں کا سبب بن سکتا تھا نہیں کیا گیا۔

مسٹر اچو کے بل کی حمایت میں بیانات

۲۸ فروری ۱۹۸۶ء کو وزیر اعظم مسٹر اچو گاندھی نے پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کی ایک میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے جو مطلقہ مسلم خواتین کے حقوق کے تحفظ سے متعلق پارلیمنٹ میں پیش ہونے والے بل پر بحث کے لئے طلب کی تھی، کہا کہ لوک سبھا میں جو بل لایا گیا ہے، اس کا دائرہ زیادہ وسیع ہے، وہ مطلقہ مسلم خواتین کے لئے زیادہ تحفظ مہیا کرتا ہے اور خاصے قانڈے پہنچاتا ہے۔

وزیر اعظم نے جلسہ میں یکساں سول کوڈ کی اہمیت بتائی مگر کہا کہ حکومت عوام پر یکساں سول کوڈ تقویٰ نہیں سکتی، اور پھر ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہیں۔

پریس کو جلسہ کی کارروائی سے باخبر کرتے ہوئے کانگریس (آئی) پارلیمانی پارٹی کے

سکرٹری مسٹر کے کے تیواری نے بتایا کہ وزیر اعظم نے کہا ہے کہ ضابطہ فوجداری کی دفعات ۱۲۵-۱۲۷ کے برخلاف نئے بل کی روشنی میں مسلم خواتین سے متعلق طلاق کے مقدمات کے فیصلے صرف ۳ دنوں کے اندر ہو جایا کریں گے اور اب ایک مسلم مطلقہ کو پوری امداد ملے گی، جبکہ اس سے قبل ان دونوں دفعات کے تحت جو امداد دی جاتی ہے، وہ عارضی نوعیت کی تھی، جب تک مسلم پرسنل لا سے متعلق مختلف ادارے فیصلہ نہ کریں اور اس مرحلہ میں کافی تاخیر ہوتی تھی۔

وزیر اعظم نے مزید کہا کہ سابقہ ضوابط کے برخلاف اس بل کا تمام مطلقہ مسلم خواتین پر اطلاق ہوگا، اور کسی بھی حالت میں ان کے حقوق کو سلب نہ کرے گا، نئے اقدام سے انہیں پہلے سے زیادہ تحفظ مل سکے گا، اور خاص راحت بھی مل سکے گی۔
 مدد اس کے پندرہ روزہ تامل اخبار "تعلق" کے ایڈیٹر چورانہ سوامی کو جنوری ۱۹۸۶ء میں انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ:-

"اسلامی قانون ہمارے قانون سے بڑھ کر عورتوں کے حقوق و مفادات کا ضامن ہے، انہوں نے کہا کہ مسلم ماہرین قانون، دانشوروں، علماء اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے تبادلہ خیال کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مسلم پرسنل لا کے حدود میں رہتے ہوئے عورتوں کے حقوق کی کافی ضمانت دی جاسکتی ہے، انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا احساس ہے کہ عدالتیں مسلم پرسنل لا کی غلط تعبیر و تشریح کر رہی ہیں، اگر عدالتیں اسلامی قانون کی صحیح تشریح کریں تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

لہ اخبار قومی آواز، لکھنؤ، یکم مارچ ۱۹۸۶ء، ۲۵ جولائی ۱۹۸۶ء، دعوت، دہلی، ۲۵ جنوری ۱۹۸۶ء

بل کی پارلیمنٹ سے منظوری

بل کے پارلیمنٹ میں پیش ہونے کا وقت جتنا قریب آتا جا رہا تھا، انگریزی، ہندی پریس اور فرقہ پرست ہندو جماعتوں کی طرف سے مخالفت کا طوفان شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، معلوم ہو رہا تھا کہ ہندوستان میں ایک زلزلہ آیا ہوا ہے، لیکن وزیراعظم ہندراجوگی نے طے کر رکھا تھا کہ اس بل کو پاس ہونا ہے، ۲۷ فروری کو انھوں نے اعلان کیا کہ یہ بل پارلیمنٹ میں ضرور پیش ہوگا اور پاس کیا جائیگا، انگریزی اخباروں میں ۲۸ کو یہ سرخیاں تھیں۔

GOVT. DETERMINED TO PASS MUSLIM WOMEN BILL. P. M.

وزیراعظم نے وہیپ جاری کر دیا کہ پارٹی کے ہر ممبر کو اس کی تائید کرنی ہے، مخالفت کی صورت میں وہ پارٹی سے نکال دیا جائیگا، اگر بلا عذر کوئی ممبر اس دن شریک اجلاس نہیں ہوا تو وہ بھی خارج کر دیا جائیگا، ۵ مئی ۱۹۸۶ء کو یہ بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا، ۵ اور ۶ مئی کی درمیانی شب مسلمانوں کے لئے عجیب رات تھی، کتنے مسلمانوں نے رات جاگتے اور دعا کرتے ہوئے گزار دی، گھروں میں دعائیں پوری تھیں اور ختم پڑھے جا رہے تھے، اس لئے کہ یہ ملت کے وقار کا مسئلہ اور اس سوال کا جواب تھا کہ مسلمان اپنے دین و شریعت پر آزادی سے عمل کرتے ہوئے اور اللہ اور رسول کی مرضی و حکم کے مطابق عائلی زندگی (جو مستقل عبادت اور ناقابل شمار عبادتوں کا مجموعہ اور سبب ہے) اور نکاح و طلاق اور تقسیم میراث کر سکیں یا نہیں؟ راقم سطور اور مولانا منت اللہ صاحب بھی اس دن وہیں دہلی میں تھے، دہلی کے

ایک اخبار نے اجلاس کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس ذہنیت کا کچھ اندازہ ہو سکے جو اس وقت عام طور پر پائی جاتی تھی :-

کانگریس نے اپنے تمام ممبران کے لئے اس بل کی حمایت میں ووٹ

ڈالنے کا وہیپ (حکم) جاری کر دیا تھا، اس لئے آج پارلیمنٹ میں

کانگریسی ممبران کا غیر معمولی ہجوم تھا، اپوزیشن پارٹیوں کے ممبران بھی

روزمرہ سے کہیں زیادہ تعداد میں نظر آ رہے تھے، کیونکہ اس بل کی مخالفت

ان کا عین ایمان تھا، خصوصی طور پر بوائے گئے پاس کو دیسیوں جسگ

حفاظتی عملہ کو دکھا کر لوک سبھا کے اس عظیم ہال کی گیلری میں داخل ہوا

جہاں ہندوستان کی تقدیر بنائی اور سنواری جاتی ہے۔

۱۲ بج کر ۳۵ منٹ پر وزیر قانون مسٹر اشوک سین جیسے ہی اس تاریخی

بل کو پیش کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو اپوزیشن جماعتوں نے ایک ہنگامہ

کھڑا کر دیا، لوک سبھا کے اسپیکر جناب بلرام جاکھڑ اور اپوزیشن باخصوص

کیونسٹ جماعتوں اور تلگو ڈسٹم کے ممبروں کے درمیان سوال و جواب کا

ایسا بیچ کھیلا جانے لگا جس میں اپوزیشن کے ہر اعتراض کو فاضل اسپیکر

بڑی سختی کے ساتھ مسترد کر کے واپس ان کی طرف لوٹا دیتے تھے اپوزیشن

مسئل پوائنٹ آف آرڈر (پارلیمانی اعتراضات) اٹھاتی ہی اسپیکر

صاحب اسے رد کرتے رہے، غرض اپوزیشن نے اس بل کو پیش ہونے سے

روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن انجام کار انھیں اسپیکر کے حکم کے

آگے ٹھک کر بیٹھ جانے کے لئے مجبور ہونا پڑا، اور وزیر قانون مسٹر سین نے

اپوزیشن کے "شرم شرم" کے نعروں کے درمیان ہل کو ایوان کے سامنے
 مباحثہ کے لئے پیش کیا، انھوں نے اپنی تقریر میں اس ہل کا پس منظر
 بیان کیا، اس ہل کو پیش کرنے کی ضرورت پر روشنی ڈالی، انھوں نے
 کہا کہ حکومت ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے جذبات و احساسات کو
 نظر انداز نہیں کر سکتی، چند مسلم مالک کے سوا بقیہ تمام مسلم مالک میں
 اس سلسلہ میں جو قانون رائج ہے، موجودہ ہل انھیں خطوط پر تشکیل دیا
 گیا ہے، مسٹر سین کا ہل کا دفاع بہت عمدہ تھا، مگر جو چیز مجھے سب سے زیادہ
 اہم لگی وہ یہ کہ انھوں نے پارلیمنٹ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد
 ۱۷ کروڑ بتائی اور کہا کہ اتنے بڑے فرقہ کی رائے عامہ کو نظر انداز کرنا
 کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس سے
 قبل سرکاری طور پر مسلمانوں کی تعداد ہمیشہ دس یا گیارہ کروڑ بتائی
 جاتی رہی ہے۔

ٹھیک ایک گھنٹہ بعد ایوان کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی اور
 تیلگو دیشم کے پارٹی لیڈر ایچ۔ اے ڈورا کی تقریر سے ہل پر مباحثہ کا آغاز
 ہوا، انھوں نے ہل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہل نہیں ہے، بلکہ ہل
 (BULL) یعنی بیل ہے، جو مسلمان خواتین اور بچوں کو روند ڈالے گا، انھوں نے
 کہا کہ پاکستان اور انڈونیشیا وغیرہ میں نان نفقہ کے سلسلہ میں بہت تفصیلی
 اصلاحات کی گئی ہیں، ان کے خیال کے مطابق یہ ہل نہ صرف مسلمان مطلقہ
 کے حقوق میں مداخلت کر رہا ہے، بلکہ خود مسلم پرسنل لایس میں مداخلت کر رہا ہے۔

کانگریس ایڈورڈ فلیوریل کی حمایت میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے انھوں نے کہا کہ اپوزیشن اس بل کے سلسلہ میں غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کی شکار ہے، جس کی وجہ لاء علمی ہے انھوں نے وزیر اعظم راجیو گاندھی کو مبارکباد پیش کی کہ انھوں نے اس قدر پروگریسو بل ایوان میں پیش کرایا، جب اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے مسٹر فلیوریل نے یہ کہا کہ انھیں یقین ہے کہ آج کے مباحثہ کے خاتمہ کے وقت تک اپوزیشن والوں کے بند دماغ بھی کھل جائیں گے اور وہ بھی بل کی حمایت پر آمادہ ہو جائیں گے تو آسام گن پرشید کے دنیش گوسوامی نے ان کی خوب خبر لی اور کہا کہ اپوزیشن کا دماغ تو پہلے سے ہی کھلا ہوا ہے، البتہ کانگریسی اپنا دماغ کھولیں، اس بار پر کانگریس پارٹی کے ممبر پر فلیوریل اور اپوزیشن کے درمیان زبردست نوک جھونک ہوئی۔

بعد میں پرفیسر تنواری بولنے کھڑے ہوئے اور انھوں نے بل کی حمایت کرتے ہوئے تمام اپوزیشن نام نہاد دانشوروں اور اخبارات پر الزام لگایا کہ ان سب نے بل کی مخالفت پر سمجھوتہ کر لیا ہے، انھوں نے کہا کہ اس ملی بھگت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انھوں نے اس سے قبل کبھی اس طرح ملک کے مختلف فرقوں کے فرقہ وارانہ خطوط پر اکٹھے ہوتے نہیں دیکھا، یہ صریحاً ملک کو عدم استحکام کی طرف ڈھکیلنے کی سازش ہے، جس تقریر کو سائے ایوان نے بڑی خاموشی اور توجہ کے ساتھ سنا وہ مسٹر نیت کی تقریر تھی، انھوں نے کہا کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہم اس بل کو صحیح یا غلط سمجھتے ہیں بلکہ اہم بات

یہ ہے کہ مسلم فرقہ اس بل کو کس نظر سے دیکھتا ہے، ہمیں سوچ سمجھ کر چلنا چاہئے، مسلم پرنسپل لاکا تعلق ان کے مذہب سے ہے، ہمیں یہ چیز اس نظر سے دیکھنی ہوگی، ہم نے اس ملک میں سکولرزم اور جمہوریت کو اپنایا ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام اقلیتوں میں اس بات کا احساس قائم رہے کہ وہ اپنے طرز حیات کے مطابق یہاں زندگی بسر کر سکتے ہیں کسی بھی فرقہ میں اصلاحات کی آواز اس کے اندر سے اٹھنی چاہئے، ہندو سماج نے اپنے اندر بہت سی اصلاحات کی ہیں، ہم تمام سماجوں سے اس بات کی توقع کرتے ہیں، لیکن یہ سب خود ان کی طرف سے اور رضا کارانہ بنیاد پر ہونا چاہئے۔

گیارہ گھنٹے کی اس طویل گرم بحث کے بعد بل لے کر شماری کے لئے پیش ہوا اور اکثریت سے پاس ہوا۔

کانگریس پارٹی میں تو وہیپ جاری ہونے کے بعد بل کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، البتہ نیشنل کانفرنس کے سیف الدین سوز نے جب عارف محمد خاں کا نام لے کر اس بل کے سلسلہ میں ان کے نظریہ کو چیلنج کیا تو عارف محمد خاں ضبط نہ کر سکے، اور انھوں نے تقریر کے دوران ہی اٹھ کر اعلان کیا کہ وہ آج بھی اس بل کے خلاف ہیں، اور اسے غیر اسلامی سمجھتے ہیں، مگر چونکہ پارٹی کا حکم ہے اس لئے وہ اپنا ووٹ بل کی حمایت ہی میں دیں گے۔

اے موصوف بل کی مخالفت کی بنا پر وزیراعظم کے اشارہ و رضامندی سے وزارت سے مستعفی ہو گئے تھے۔

رات کو ۱۲ بجے وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی نے لوک سبھا میں آکر اپنی سیٹ سنبھالی، ان کی آمد سے قبل ہی لوک سبھا پوری طرح بھر چکی تھی، ان کے آتے ہی ایوان میں برقی رُود و ڈگائی، ہر شخص بڑا مستعد نظر آنے لگا، آخر میں وزیر قانون مسٹر اشوک سین ایک بار پھر کھڑے ہو گئے، اور اس بحث کا جواب دینے اور اسے اختتام کی سمت لے جانے کے لئے سرکار کا نقطہ نظر پیش کیا، جس کے بعد صرف دو ٹنگ کامر حلہ طے ہونا تھا، مسٹر سین نے اختتامیہ طور پر کہا کہ اس بل کا پیش ہونا سکو لزم کے نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے، کیونکہ سکو لزم کی تشریح ہی مختلف مذاہب اور مختلف کچروں کے وجود کا اعتراف ہے۔

رات گزرتی جا رہی تھی، اپوزیشن کے حملوں میں شدت آگئی تھی، ایک یادو بچے بل میں ترمیمات پیش ہونی شروع ہوئیں اور دو ٹنگ کے بعد مسترد ہوتی رہیں، صرف ایک سرکاری ترمیم منظور کی گئی جس کے تحت اگر دونوں فریقین یہ چاہیں کہ ان کا فیصلہ سیکشن ۱۲۵ کے تحت ہو تو وہ تحریری طور پر مجسٹریٹ کو دے کر اس بل سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں، اپوزیشن نے کئی ترمیمات پیش کی تھیں جن کا مقصد یہ تھا کہ یا تو اس بل کو غور و فکر کے لئے پارلیمنٹ کی جو انٹ کمیٹی کے حوالہ کر دیا جائے، یا پھر اس پر عوام کی رائے جاننے کے لئے ان کی عوامی شہیر کی جائے، مگر ان ترمیمات کو جن کا واحد مقصد بل کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا تھا، مسترد کر دیا گیا۔

رات پونے تین بجے بل پروٹنگ عمل میں آئی اور بل کی مخالفت میں آنے والے ۵۴ ووٹوں کے مقابلہ میں بل کی حمایت میں ۳۷ ووٹ آئے، بل کی کامیابی پر نھکے ہوئے کانگریسی ممبران پارلیمنٹ نے اپنی خوشی کا اظہار کیا، دوسری طرف اپوزیشن کے بل مخالف ممبران نھکے تھکائے ہال سے باہر جا رہے تھے!

اس سلسلہ میں ناپاسی ہوگی اگر میں ان خاص شخصیتوں کا نام نہ لوں، جنہوں نے پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ سے باہر پوری طاقت اور لیاقت کے ساتھ مسئلہ کی وکالت اور مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کی، ان میں ارکان حکومت میں سے جناب ضیاء الرحمن انصاری صاحب اور ممبران پارلیمنٹ میں سے جناب محمود بنات والا صاحب خاص طور پر ملت کے شکریہ کے مستحق ہیں، بنات والا صاحب نے اپنے بل پر اصرار نہ کرنے اور بورڈ کا ساتھ دینے کے ذریعہ قابل تعریف ایثار کا مظاہرہ کیا، خواتین میں سے محترمہ نجمہ ہسبۃ اللہ صاحبہ اور سیکم فخر الدین علی احمد صاحبہ اور بعض دوسری اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین نے اپنی دینی حیثیت اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کا ثبوت دیا، اور اس کی یہ بات ثابت ہو گئی کہ صرف مردوں کا طبقہ ہی اس جدوجہد میں شریک اور اسلام کے عائلی قانون سے مطمئن نہیں، بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین بھی اسلامی قانون سے مسرور و مطمئن اور اس کی برتری و بہتری کی قائل ہیں، اس سلسلہ میں ناپاسی ہوگی اگر میں اپنے دہلی کے میزبان حافظ کرامت اللہ صاحب اور ان کے صاحبزادہ سلامت اللہ صاحب

لہ ہفتہ وار "اخبار نو" دہلی (باختصار) ۱۶-۲۲ مئی ۱۹۸۶ء

کاشکر یہ نہ ادا کروں جن کی وجہ سے ————— ذمہ دارانِ حکومت سے
رابطہ قائم کرنے میں بیش قیمت مدد ملی اور قیام و موصلات میں بڑی سہولت
حاصل ہوئی۔

ہندوستان میں عام طور پر اس پر مسلمانوں کے حلقے میں خوشی منائی گئی، اور
اس کو مسلمانوں کے اتحاد اپنے قائدین پر اعتماد، تعمیری و مثبت طرز عمل، آزادانہ
اظہار خیال لیکن اس کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوششوں کی کامیابی کا ایک
نشان عظیم سمجھا گیا، "وَيَوْمَئِذٍ تَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ" کا ایک ظہور ہوا۔

راجپوتی کے نام ایک اہم خط

میں نے مناسب سمجھا کہ مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں راجپوتی سے جو بے تکلف
ملاقاتیں ہوئیں، انہوں نے جس طرح اس مسئلہ سے دل چسپی لی اور عزم و ہمت
اور اخلاقی جرأت کے ساتھ وہ اس کی حمایت پر ثابت قدم رہے اور بالآخر
اس کو پارلیمنٹ سے پاس کروایا، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ایسے مسلمان
کی حیثیت سے جس میں شکر گزاری کا مادہ اور اعزاز با سخن کا جذبہ ہے، شکر ہے
اور اعزاز کا ایک خط لکھوں جس میں ان کو ایک تحقیقت پسند بے غرض انسان
سے محب وطن ہندوستانی اور ایک داعی اور عالم دین کی حیثیت سے اس ملک
کی قیادت و رہنمائی اور انتظامیہ کے سلسلہ میں مخلصانہ مشورے دوں جس پر
اس ملک کی بقا و سالمیت کا انحصار ہے، اور جس میں ان کی سیاسی بازی گروں
اور "صدباراں دیدہ" رہنماؤں اور قیادت و حکومت کی چاٹ رکھنے والے

لیڈروں کی موجودگی میں ان کی کامیابی کا راز اور ان کی انفرادیت اور نفوذ کا واحد راستہ ہے، میں نے یہ خط غالباً جون یا جولائی ۱۹۸۶ء میں لکھا، اور وہ ان کو پہنچا، اور انہوں نے پڑھا، ایک ہم تاریخی دستاویز اور آئندہ کے ذمہ داران حکومت کے فائدے کے لئے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مائی ڈیر راجو جی !

آداب و تسلیات

مسلماً مطلقہ بل کی منظوری پر اپنے جذبہ شکر بے اعتزاز کا اظہار کرنے کے ساتھ اور کچھ اس سے زائد میں (اس رابطہ و اعتماد سے فائدہ اٹھانے ہوئے جو اس سلسلہ کی ملاقاتوں کے ذریعہ پیدا ہوا) آپ سے اپنے اس یقین مطالعہ اور عقیدہ کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ملک کی قیادت بلکہ اس کی حفاظت کا راستہ حقیقت پسندی واقعات و حقائق کو تسلیم کرنے، اصول پسندی اور اخلاقی جرأت، وسیع النظری اور فراخ دلی میں منحصر ہے اور یہ وہی راستہ ہے جو ہندوستان کی تحریک آزادی کے قائدین اور ملک کے صف اول کے رہنماؤں نے دکھایا تھا، اور اس پر چل کر ملک کو آزاد کرایا تھا، اس ملک کے لئے جس کے لئے شروع سے مختلف مذاہب، تہذیبوں، زبانوں اور ثقافتوں کا مرکز ہونا مفید ہو چکا ہے، صحیح جمہوریت، سکولرزم، ہر ایک کا احترام اور اس کو ترقی کرنے اور ملک کی تعمیر و ترقی میں جوش و خروش کے ساتھ حصہ لینے کا موقع دینا ہی صحیح طریق عمل ہے، تعصب، تشدد (VIOLENCE) تنگ نظری، جذباتیت اور سوئی ہوئی تاریخ کو جگانا، سوئے ہوئے پیشہ کے جگانے کے مراد ہے جو کسی پر

رحم نہیں کھائیگا۔

اس ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ تشدد کا وہ رجحان ہے جو ادھر چند برسوں (اور چند مہینوں سے خاص طور پر) ابھر کر سامنے آ گیا ہے اور جس کے گاندھی جی سخت مخالف تھے، اور اس سے شدید خطرہ محسوس کرتے تھے، اس لئے کہ آگ کو جب باہر کی کوئی چیز کھلنے کو نہیں ملتی تو وہ اپنے کو کھانے لگتی ہے، فرقہ وارانہ منافرت اور تشدد، فرقوں سے آگے بڑھ کر ذاتوں، طبقوں اور پھر خاندانوں اور افراد تک منتقل ہو جائیگا اور پھر ملک کو تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا کہ وہ ملک قوم کی ملکیت ہے، مگر آپ سے بے تکلفی اور خلوص سے کہنا چاہتا ہوں کہ میں اس وقت آپ کو ملک کے لئے ضروری سمجھتا ہوں، اس لئے خلوص کے ساتھ آپ کی عمر و صحت کے لئے دعا بھی کرتا ہوں، اور بے لاگ مشورہ بھی دیتا ہوں کہ لیڈرشپ کی اس ریس اور سیاسی جوڑ توڑ کے اس اکھاڑہ میں آپ کی خصوصیت جس سے آپ اس سب پر فتح پاسکتے ہیں، اور اہل ملک کا دل جیت سکتے ہیں وہ آپ کا خلوص، سچائی، اخلاقی جرأت اور سادگی اور عملیت ہے جس کی ان سیاسی بازیکروں کے ہاں صرف کمی نہیں فقدان ہے، مذہبی کتابیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ آخر میں سچائی ہی کا جیت ہوتی ہے، اور سازشیں، ذہانتیں، خطا بتیں اور شورش اس کے سامنے ناکام رہی ہیں، میرا مخلصانہ مشورہ اور استدعا ہے کہ آپ اسی راستہ پر چلتے رہیں، ملک اس وقت ایک ایسے بحران (CRISIS) اور ایسے خطرہ سے دوچار ہے جس کی مثال پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی، اس وقت ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ

ظلم و تشدد، فرقہ وارانہ اور ذات برادری کا اونچ نیچ، اخلاقی و انتظامی انتشار (CORRUPTION) اور فرقہ وارانہ اجیائیت (REVIVALISM) ہے، اس کے مقابلہ میں صفت آرا بلکہ سرکھٹ ہو کر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، اور میری واقفیت اور قدرت کے اشارے بتاتے ہیں کہ اس کے لئے موزوں ترین آدمی آپ ہی ہیں، پورے ملک میں کسی سیاسی پارٹی، کسی تنظیم اور کسی مکتب خیال میں کوئی آدمی اس کلیئر کا نظر نہیں آتا، آپ کو خدا نے ملک کا وسیع پیمانہ پر اعتماد اور عوام کی محبت کی دولت بھی عطا کی ہے، اور وزارت عظمیٰ اور کانگریس کی صدارت پر فائز کر کے اس کا قریبی موقعہ بھی دیا ہے، میری درد مندانہ استدعا ہے کہ آپ اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھائیں، اور تاریخ میں اپنے لئے جگہ اور دلوں میں اپنے لئے غیر محدود محبت و عظمت کے مالک بن جائیں۔ خدا آپ کی مدد کرے

ابوالحسن علی ندوی

مشترک عائلی قانون کا خطرہ

نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف عوامی جہوری جنگ کامیاب ہوئی اور پارلیمنٹ نے وہ بل بھاری اکثریت سے پاس کر دیا جو اس فیصلہ کے اثر کو ختم کرتا ہے، اور اس طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا کی جدوجہد ایک منزل پر کامیاب ہوئی۔

لیکن یہ جزوی و محدود کامیابی تھی، مسلمانوں کے سروں پر یونیفارم سول کوڈ کی تلوار اب بھی لٹک رہی ہے، اور اس کے نفاذ کے بعد یہ بل بھی غیر مفید و غیر مؤثر

ہو جائیگا، اور مسلم پرسنل لایمیں مداخلت کے بیسیوں دروازے کھل جائیں گے،

دستور ہند میں دفعہ ۱۴ کی شکل میں یکساں مدنی قانون (UNIFORM CIVIL CODE)

کی دفعہ شامل کی گئی ہے، اور اس کو دستور ہند کے رہنما اصول (DIRECTIVE PRINCIPLES) کا درجہ دیا گیا، اس دستور کا متن حسب ذیل ہے:-

”ملکت ہندوستان کے پورے قلمرو میں شہریوں کے لئے یکساں مدنی

ضابطہ (UNIFORM CIVIL CODE) کے حصول کی سعی کرے گی۔“

جس وقت دستور کی ترتیب عمل میں آئی تھی، اس وقت مسلم زعماء کو اطمینان

دلا گیا تھا کہ دستور ہند کے بنیادی حقوق (FUNDAMENTAL RIGHTS) کی دفعات

کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کر دیا گیا ہے، اور بنیادی حقوق کی دفعات رہنما اصول

سے زیادہ اہم ہیں لیکن دور میں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ جہاں تک مسلمانوں کے

عائلی قوانین اور نظام معاشرت کا تعلق ہے (جو ان کے مذہب کا جزو لاینفک

(INSEPARABLE PART) ہے) دستور ہند کے اس نارو پود میں ایک آتش گیر

مادہ رکھ دیا گیا ہے، جو کسی وقت بھی کسی ادنیٰ تحریک

یا باہر کی گرم ہواؤں کے اثر سے آگ پکڑ سکتا ہے، اور ان مذہبی و قانونی تحفظات

کو جلا کر فنا کر سکتا ہے، جن کی دستور نے ضمانت دی تھی، چنانچہ واقعات کی قدرتی

رفتار، اور ان مختلف عوامل و محرکات (FACTORS) کے ماتحت جن کا تعلق مسلمانوں کے

عائلی قانون (PERSONAL LAW) کی صیح نوعیت اور اس کے ان کے مذہب سے تعلق

اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے عقائد و جذبات اور نفسیات سے ناواقفیت، فکر و نظر

کی سطحیت سے بھی ہے، اور ہندو اجیائیت (HINDU REVIVALISM) کے جذبہ

اور سیاسی و انتخابی مصاح اور اکثریت کو خوش کرنے کے جذبہ سے بھی ہو سکتا ہے، یہ خطرہ سامنے آگیا، اور ایک عرصہ کی خاموشی کے بعد ۱۹۷۲ء میں مختلف ارباب و محرکات کی بنا پر ہندوستان میں مختلف فرقوں کے عائلی قانون (PERSONAL LAW) کی وحدت اور مسلم پرسنل لا کی اصلاح و ترمیم کی پھر ایک بار بلند آہنگی کے ساتھ آواز بلند ہوئی، یہ آواز تھوڑے تھوڑے وقفوں کے ساتھ مختلف وقفوں میں مجلس قانون ساز کے اندر اور مجلس قانون ساز کے باہر بلند ہوتی رہی، لیکن مختلف سیاسی مصلحتوں سے اور مسلم رائے عامہ کی برہمی کے خوف سے (جس کا الیکشن پر بھی اثر پڑنے کا خطرہ تھا) دبائی جاتی رہی اور حکومت ہند نے کئی بار اپنے اعلیٰ ذمہ داروں کی زبان سے اس کا اعلان کیا کہ ایسا کرنے کی اس کی کوئی نیت نہیں ہے، اور جب تک متعلق فرقے خود اس خواہش کا اظہار اور اس کا مطالبہ نہ کریں اس کو اس مسئلہ سے کوئی دل چسپی نہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ خود ان فرقوں کے متعدد افراد پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے باہر یہ آواز اٹھاتے رہے، اور بعض دور میں نگاہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ محض ان کے ضمیر کی آواز نہیں ہے، بلکہ ان کی زبان حال کہتی ہے کہ نہ

از پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہمہ می گویم

سطحی و عامیاناہ خیال

یہ خیال کہ مشترک عائلی قانون کے نفاذ سے ملک کے مختلف فرقوں و اقلیتوں

کے درمیان وحدت اور یکسانی پیدا ہوگی اور ان میں محبت و اعتماد بڑھے گا، ایک نہایت سطحی اور عامیانہ خیال ہے، یورپ میں مکمل مذہبی تہذیبی اور عائلی قانون کی وحدت کے باوجود دو دو خون ایشام جنگیں ہو چکی ہیں جن کے شعلوں سے مشرق اور ایشیا کا دامن بھی نہیں بچ سکا، پہلی جنگ عظیم اصلاً وابتداءً برطانیہ اور جرمن کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرشمین ہیں بلکہ پرنسٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عائلی قانون اور معاشرہ تقریباً ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں لڑے؟ اب اگر یونیاں سول کوڈ جنگ کو روک سکتا ہے اور نبرد آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہئے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ وہ دونوں ملک اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ کسی دن عدالتوں میں بھی جا کر دیکھ آئیے کہ مسلمان مدعی ہے اور مسلمان ہی مدعا علیہ، مسلمان مسلمان کی عزت کو خاک میں ملا دیتا چاہتا ہے، اس کے گھر پر پل چلا دیتا چاہتا ہے، ان دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل، ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، یہی حال ہندو فرقہ کا بھی ہے کہ اس میں بھی عائلی قانون (PERSONAL LAW) کی یکساںی اور اشتراک کے باوجود مقدمہ بازی، خانہ جنگی، اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا، درحقیقت اختلاف اور دشمنی کا تعلق نفسانیت اور دولت پرستی کے جنون اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت ہے، اس غلط نظام و نصاب تعلیم سے جس نے اخلاق کو یکسر نظر انداز کر دیا، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے۔

لے ماخوذ از خطبہ صدارت بمبئی منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ دسمبر ۱۹۸۶ء

حقیقت جو کچھ بھی ہو اتنا اندازہ ہو گیا کہ ملک کے قانون سازوں اور اربابِ اختیار کے ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہیں، اور کسی وقت بھی خاکستر کے نیچے کی یہ چنگاریاں شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہیں۔

جمہوری ملک میں حقوق کی حفاظت کا طریقہ

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تاثر سے قانون بنتا ہے، اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین نہیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بدعینی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ اچھائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) اور کلّیت پسندی (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب ہمارا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں، ہم ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری جزو ہونے کی حیثیت سے اپنی اقاویت و اہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہئے، اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت

قانون بننے سے ہم کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے اور ہمارا ملی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے، جتنا کھانا روکنے سے، کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی، کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے، یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے، یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو لوگ قیامت برپا کر سکتے ہیں، ہم ثابت کر دیں کہ اس قانون اور اس نئے نظامِ تعلیم سے ہم کو ایسی گھٹن ہو رہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے ہوتی ہے، ہمارے پہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات و سکنات سے معلوم ہو جائے کہ ہماری صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑ رہا ہے، اور یہ محسوس کر لیا جائے کہ یہ ایک معنوم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے، اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مراد ہے۔

حقیقت میں ایک جمہوری ملک میں جو اکثریت کے ذریعہ (جس کے جذبات، خواہشات و مقاصد بدلتے رہتے ہیں) آئین سازی کا دائمی و کلی حق رکھتا ہے، کسی فرقہ و اقلیت کو (جو اپنا مستقل دین، عائلی قانون اور ملی تشخص رکھتی ہے) اور وہ اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے) کسی وقت بھی مطمئن ہو کر بیٹھنے اور حالات و خفائق سے آنکھیں بند کر لینے کی گنجائش نہیں، اس کے متعلق فاتح مصر عمرو بن العاص کی وہ آگاہی اور انتباہ بالکل حسبِ حال ہے، جو انھوں نے مصر کے فاتح و نئے حاکم عرب مسلمانوں کو دیا تھا، انتم

فی رباط دائم، (تم مستقل محاذ جنگ پر ہو) تمہیں ہر وقت چوکنا اور
خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔

بابری مسجد

پریم کورٹ کے فیصلہ اور نفقہء مطلقہ کے سلسلہ میں (جو آں انڈیا مسلم پرسنل لا
بورڈ کا اصل موضوع تھا) وزیر اعظم اور ان کے مشیرانِ کار سے ملاقاتوں کے
درمیان بابری مسجد کے مسئلہ کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی رہی، راقم سطور نے
دو مرتبہ بابری مسجد سے متعلق اپنی تجاویز اور مسئلہ کا حل راجیو جی کو معتبر ذریعہ
اور ڈاک سے بھیجا، اور متعدد ملاقاتوں میں ان سے اس مسئلہ پر مستقل گفتگو کرنے
کے لئے وقت مانگا، لیکن کوئی نہ کوئی مانع پیش آتا رہا، مجھے یہ بھی خطرہ ہوا کہ
اکثریت خاص طور پر ہندو ویشو پریشد اور اس کے پیدا کئے ہوئے جذبات
پھر اس خیال سے کہ یہ مسئلہ ایک ریاست کے انتظامیہ سے تعلق رکھتا ہے،
اس میں وہ اس قوت فیصلہ، عزم اور ملک کے مفاد میں جرأت، ہم جوئی سے
کام نہ لے سکے، جس سے انھوں نے مسلم مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ میں پارلیمنٹ
سے بل پاس کرانے میں لیا تھا، اور اس نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کے
اعتماد کو (ایک حد تک) بحال کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مسئلہ سچیدگی اختیار کرنا گیا،
اس نے فضا میں اشتعال و اضطراب پیدا کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا، یہاں پر
میں اپنا وہ بیان نقل کرنا ہوں جو اس سلسلہ میں پریس کو برائے اشاعت دیا گیا،
یہ بیان فروری ۱۹۸۶ء کے تیسرے ہفتے میں جاری کیا گیا تھا جب نفقہء مطلقہ

کے سلسلہ کی جدوجہد جاری تھی، راقم سطور اب بھی اس بیان کی روح سے متفق اور اس کا ترجمان ہے۔

”اجودھیا کی بابری مسجد کے سلسلہ میں یک طرفہ فیصلہ سے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو غیر معمولی صدمہ ہوا ہے، ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں کے جذبات پر سنل لاکھوں پر مجروح ہیں، اور ان کی تمام توجہ و جہد اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور دینی شعائر کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے ہو رہی ہے، بابری مسجد پر پڑے ہوئے نالے کو کھول کر اسے دوسرے فرقہ کو پوجا اور دشمنی کی کھلی اجازت دینا، اور اس مسجد پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنے کا حکم دینا کسی طرح دانشمندانہ اقدام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس اقدام سے خطر ہے کہ مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو جائیں، اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس ملک پر صرف ایک فرقہ کی حکومت ہے، اور طاقت کے بل بوتے پر ایک طرفہ فیصلہ کر کے دوسروں کے حقوق کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔“

بابری مسجد کے بارہ میں یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت اور ان کی مسجد ہے جس میں وہ ساڑھے چار سو سال سے زائد سے نمازیں ادا کرتے رہے ہیں، مسلمانوں میں اس اقدام سے اشتعال کا ہونا فطری بات ہے، اور یہ ان کی دینی غیرت و حمیت کی دلیل ہے، البتہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ فرقہ پرست عناصر کے اشتعال انگیز نعروں سے متاثر نہ ہوں، اس سے حالات مزید بگڑ جائیں گے، انھیں چاہئے کہ اپنی صفوں کو متحد رکھیں اور جس طرح انھوں نے مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں اپنے بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح انھیں ان جیسے

نازک مسائل کے بارے میں اپنے اتحاد کے مظاہرہ کے ساتھ دانشمندانہ اور ٹھوس قدم اٹھانا چاہئے اور حکومت و انتظامیہ کو وہ یہ باور کرا دیں کہ اقلیتوں پر ظلم و زیادتی اور خاص طور سے ان کی عبادت گاہوں پر قبضہ برداشت نہیں کیا جائیگا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر حکومت نے مسلمانوں کے جذبات کا احترام نہ کیا اور باہری مسجد کے سلسلہ میں کئے گئے عمالیہ اقدامات واپس نہ لئے تو اس کے نتائج بڑے سنگین اور خطرناک ہو سکتے ہیں۔

اس مسئلہ پر آل انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ نے بھی اپنے حالیہ اجلاس دہلی میں ایک تجویز منظور کر کے اخبارات کو اشاعت کے لئے ارسال کی ہے۔

چند اہم اجتماعات

اس سال کے اہم اجتماعات اور مصروفیات میں دینی تعلیمی کونسل کی چھٹی صوبائی کانفرنس قابل ذکر ہے جو ۲۲/۲۳ نومبر ۱۹۸۶ء کو بنارس میں منعقد ہوئی، جس میں پانچ صوبوں کے مندوبین کے علاوہ ریاست اتر پردیش کے اضلاع سے آئے ہوئے علماء، دانشور، ماہرین تعلیم، سیاسی و سماجی کارکن، مرد و خواتین ہزاروں کی تعداد میں شریک تھے۔

دوسرا قابل ذکر اجتماع آل انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ کا آٹھواں اجلاس تھا، جو ۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کو بمبئی میں منعقد ہوا، اس میں پورے ہندوستان کے ارکان بورڈ قارئین و عمائدین اور ملی و دینی کارکن شریک تھے، راقم سطور کے خطبہ صدارت میں اس کا خطبہ صدارت چھپا ہوا دفتر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش لکھنؤ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(جو اردو اور انگریزی میں چھپ گیا ہے) پارلیمنٹ سے بل کے پاس ہونے کے بعد کے حالات کا جائزہ لیا گیا، اور مشترک عائلی قانون، یونیفارم سول کوڈ مجوزہ بحث و نفاذ کے خطرہ سے آگاہ اور اس کے محرکات اور پھر خطرات سے خبردار کیا گیا، پھر ملت کو ایک نئی اور طویل جدوجہد اور جمہوری و دستوری جنگ کے لئے آمادہ کیا گیا ہے، جس کے مقابلہ میں نفقہ مطلقہ کے بارہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف عوامی تحریک و رہنمائی مہم اور اس میں کامیابی کی حیثیت جزوی اور محدود رہ جاتی ہے، اور ان دونوں کو شششوں کا مقابلہ کرتے ہوئے قول مانور کا اعادہ صحیح اور بحال معلوم ہوتا ہے کہ "رجعنا من الجهاد الأصغر الی الجهاد الاکبر" یہ خطبہ صدارت بعض حیثیتوں سے حالات کا تحقیقت پسندانہ جائزہ اور ملت کے لئے ایک فکر انگیز اور ولولہ خیز پیغام ہے۔ اسی کے ساتھ مسلم مطلقہ بل کے متن میں جو چند قانونی و لفظی خامیاں رہ گئی ہیں (جن کے بارہ میں زرمیما کا مسودہ راقم سطور نے خود راجیو جی کو برہ راستہ اپہونچایا تھا) ان کو دور کرنے نیز اس بل کو عدالتوں کے قانون کا ایک جزء بنانے اور اس کے مطابق فیصلہ کرانے کی جدوجہد کی ضرورت تاکہ فریق مخالف اور عدالتوں کو سپریم کورٹ کے منسوخ فیصلے کے مطابق مسلمان مطلقہ کو دوسری نشادی تک یا صبر جیسا طلاق دینے والے شوہر سے نان نفقہ اور گزارہ دلانے کا قانونی جواز حاصل نہ ہو یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بہت سی عدالتیں اب بھی پارلیمنٹ کے پاس گئے ہوئے بل سے "تجاہل عارفانہ" برتنی ہیں اور سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں مطلقہ کو گزارہ دینے کا فیصلہ کرتی ہیں، آل انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ نے اس سلسلہ میں ممتاز قانون دان ارکان کی مدد سے زرمیم و اصلاح اور قانونی چارہ جوئی کا مسودہ بھی تیار کروایا ہے جو بورڈ کے پیش نظر اور اس کے پروگرام میں شامل ہے۔

اے یہ خطبہ کمیپ آفس آل انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ لکھنؤ کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

بایںم

استنبول (ترکی) میں رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ
کراچی کا چند روزہ قیام اور اس کی اہم تقریریں

ترکی میں رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ

رابطہ ادب اسلامی کی مجلس عاملہ کا پہلا مشاورتی اجتماع ندوۃ العلماء لکھنؤ
میں منعقد ہوا، اس میں اگلے جلسہ کے انعقاد کے لئے استنبول (ترکی) کا تعین ہوا اور
اس کی تاریخیں بھی متعین ہو گئیں، استنبول کے انتخاب میں دو مصلحتیں کارفرما تھیں،
ایک ترکی کی اہمیت، اسلامی عظمت اور وہاں اسلامی بیداری کی نئی علامتیں،
دوسرے یہ کہ سعودی جامعات کے اساتذہ اور عرب ادباء و فضلاء پہلے گرم گزرنے
کے لئے عام طور پر بیروت کا رخ کیا کرتے تھے، لیکن نئے حالات نے بیروت کو اس
قابل نہیں رکھا کہ وہاں سکون و اطمینان کے ساتھ تعطیلات کا زمانہ گزارا جائے
اور علمی کام کیا جائے، ترکی کو دو خصوصیتیں حاصل تھیں، ایک حالات کا استقرار،
دوسرے اسلامی فضا، ترکوں کا عربوں کا احترام، عام ارزانی، رابطہ ادب کے
اکثر عرب ارکان گرمیوں میں ترکی کا قصد رکھتے تھے اور بعض وہاں پہلے سے مقیم تھے۔
ہم کو استنبول کے لئے وہ پرواز ملی جو کراچی ہو کر استنبول جاتی تھی اور کراچی
میں ایک شب اور دن کے چند گھنٹے عزیزوں سے ملنے کے لئے مل جاتے تھے، ۱۹ جون ۱۹۸۶ء

کو عزیزی محمد رابع سلمہ کی معیت میں دہلی سے روانہ ہو کر ۲۰ جون کی دوپہر کو استنبول پہنچنا ہوا، یہ جمعہ کا دن تھا، اور وہاں پہنچنے کا وقت عین جمعہ کی نماز کا وقت تھا، پھر بھی ایرپورٹ پر متعدد عرب و ترک دوست (جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر) عجلت کے ساتھ آگئے، ان میں متعدد ارکان مجلس عاملہ اور ایک ترک فاضل اور قدیم دوست شیخ امین سرلج (خطیب مسجد فاتح) تھے، جن سے ۱۹۵۱ء کے زمانہ قیام مصر میں گہرے روابط پیدا ہو گئے تھے، وہ اس وقت جامع ازہر میں پڑھتے تھے، قیام کے لئے ترک اور عرب میزبانوں نے ایک عمارت کے کشادہ فلیٹ کا جس کے ساتھ ضروری کمرے بھی تھے، اور جلسوں کی نشست کی بھی آسانی تھی، انتخاب کیا تھا، یہ فلیٹ محلہ فنکار زادہ کی گلستان نامی عمارت میں واقع ہے، میزبانی کے لئے ایک عرب فاضل ڈاکٹر مصطفیٰ جو استنبول کے میڈیکل کالج میں M.D کر رہے تھے، مقرر ہوئے۔

شنبہ کی صبح دس بجے سے رابطہ ادب اسلامی کی نشست افتتاحی اور صدارتی تقریر کے بعد صدر دفتر لکھنؤ اور بلاد عربیہ کے دفتر کی طرف سے اسلامی ادب کے سلسلہ میں کارگزاری کی رپورٹیں پیش ہوئیں، مختلف تجاویز پر غور کیا گیا، نشست دوپہر تک جاری رہی پھر دوسرے روز کے لئے ملتوی ہو گئی۔

شام کو شیخ امین سرلج استنبول کے ایک اسلامی الفکر اور ذی علم تاجر عثمان نوری آفندی کے مکان پر لے گئے، یہاں اسلامی ادباء کی ایک نشست تھی، اس مجلس میں مشہور عرب اہل قلم و مفکر محمد قطب (برادر حقیقی سید قطب شہید) بھی موجود تھے، انھوں نے اور متعدد عرب ادباء نے مضامین پڑھے۔

میں نے اپنی تقریر میں ترکی کے اسلامی ادب میں انقلابی اور قائدانہ کردار

ادا کرنے کے سلسلہ میں مولانا جلال الدین رومی کا تذکرہ کیا کہ ان کی مثنوی کا اثر نہ صرف شعروادب، بلکہ فکر اسلامی اور علم کلام پر اتنے طویل عرصہ تک باقی رہا جس کی مثال کسی دوسرے ادیب شاعر کے یہاں نہیں ملتی، کتنے فلسفی الفکر اور ملحد و آزاد خیال ادباء و شعراء ان کی وجہ سے از سر نو اسلام پر ایمان لائے، بلکہ اس کے داعی اور نرجان بن گئے، آخری دور میں عالم اسلام کے سب سے بڑے شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے کو ان کا خوشہ چلین اور زلہ زبا سمجھتے تھے، وہ کہتے ہیں یہ

پیر رومی مرشد روشن ضمیر

کاروان عشق و مستی را امیر

وہ جا بجا ان کا حوالہ دیتے ہیں، ایک اردو شعر میں کہتے ہیں یہ

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن

اسی کے فیض سے میرے سُبُو میں ہے حجون

ترکی اب بھی ایسے لوگ پیدا کر سکتا ہے، کسی نے عالم اسلام کی اتنی طویل مدت تک حفاظت و نمائندگی نہیں کی جتنی ترکوں نے کی، اس کو اب بھی قیادت کے لئے سامنے آنا چاہئے۔

بعض ترک ادباء نے شکایت کی کہ ہم ترک دوسری زبانوں کا لٹریچر اپنی زبان میں منتقل کرتے ہیں، لیکن دوسری زبان کے لوگ ترک ادباء کا لٹریچر اپنی زبانوں میں منتقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا اور اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پر اتفاق کیا گیا، اس مجلس میں معلوم ہوا کہ اس وقت ترکی میں اسلام کے جاننے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ طاقت پکڑتا جا رہا ہے، اسلامی الفکر

مصنفین کی کتابیں نیزی کے ساتھ ترکی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہو رہی ہیں، اور شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں، خود راقم سطور کی اکثر اہم کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، میری کتاب ”دستور حیات“ کے بارہ میں جو عربی میں ”العقیدۃ والعبادۃ والسلوک“ کے نام سے ہے معلوم ہوا کہ اس کا پہلا ایڈیشن پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوا تھا، اور ایک ماہ میں ختم ہو گیا، بعض کتابوں کا دو مختلف مترجمین نے ترجمہ کیا، ایک کو دوسرے کا علم نہ تھا، استاد محمد قطب نے کہا کہ بعض اوقات میری تصنیف جو اصلاً عربی میں ہوتی ہے، عربی میں شائع ہونے سے قبل ترکی میں ترجمہ ہو کر شائع ہو جاتی ہے، معلوم ہوا کہ فوج اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی اسلام سے تعلق رکھنے والے افراد پیدا ہو گئے ہیں، اور اس کی وجہ سے اب حکومت وقت کو اس کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔

شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی نطق اعرابی

یکشنبہ کو ۱۰ بجے ترک ادباء و اہل علم کی ایک وسیع نشست ایک وسیع ہال میں رکھی گئی تھی، اس نشست میں جو ادباء اور اہل علم شریک ہوئے، اندازہ ہے کہ ان کی تعداد ۵-۶ سو سے کم نہیں تھی، اس میں صحافیوں، اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے نمائندے بھی شریک ہوئے، اس سے اندازہ ہوا کہ حکومت نے بھی اس اجتماع کی اہمیت محسوس کی اور اپنی سطح پر تعاون کیا، حکومت کے اس رویہ کو اسلام پسند حضرات نے اسلامی ادب اور اسلامیت کی ایک کامیابی تصور کیا، راقم سطور نے اس نشست کے لئے ”روائع اقبال“ کا وہ حصہ پڑھنے کے لئے انتخاب کیا تھا، جس میں ان کی

محرک الآراء اور ولولہ انگیز نظم "طلوع اسلام" کا ترجمہ عربی میں پیش کیا گیا تھا، اور جس کا محرک اور مرکزی مضمون مغربی طاقتوں کا ترکی کے خلاف صفت آرا ہو جانا اور ترکی کا اس "اتحاد" کے خلاف اپنی اسلام سے وفاداری، شجاعت اور استقامت اور جذبہ قربانی کا مظاہرہ کرنا تھا، میرے ایک طرف ایک ممتاز ترک ادیب و اہل قلم بیٹھے تھے، دوسری طرف مشہور عرب مصنف اور اسلامی مفکر محمد قطب رونق افروز تھے، میں جب اس شعر کے ترجمہ پر پہنچا کہ ہے

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

تو میں نے شکوہ ترکمانی کہتے ہوئے ترک ادیب کی طرف اور نطق اعرابی کہتے ہوئے محمد قطب کی طرف اشارہ کیا اور ذہن ہندی کہتے ہوئے یہ عرض کیا کہ میں خود نہیں لیکن اس قوم کا نمائندہ ہوں جس کو خدا نے خاص ذہن سے نوازا اور اس نے اس سے اسلام کی خدمت کا کام لیا، اس عربی مضمون کا ترکی ترجمہ نیا تھا وہ پڑھ کر نسا گیا۔ اس مجلس میں رابطہ کے ایک ذمہ دار اور رکن انتظامی شیخ محمد حسن برغش نے رابطہ ادب کے قیام اور مقاصد کا تعارف کرایا، ان کے خطاب کے ترجمہ کے بعد استاد محمد قطب نے تقریر کی، جلسہ میں دو ترک فاضلوں نے بھی ترکی زبان میں خطاب کیا، ان میں سے ایک مقرر ترک فاضل عزت ازود نے اپنا خطاب اس مؤثر جملہ سے شروع کیا کہ آج سے کچھ عرصہ قبل میں نے اپنا خطاب بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا تھا، تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا، لیکن آج کی صورت حال لے یہ ترجمہ عزیز مولوی سید سلمان ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے ہے۔

بالکل مختلف ہے، اور میں اطمینان کے ساتھ اپنی تقریر سیم الشریعہ سے شروع کرتا ہوں، ملک کے ذرائع ابلاغ نے اس جلسہ کی تشہیر کی، اور بعض ترک دوستوں نے بتایا کہ پہلی مرتبہ حکومت نے ایک ایسے خالص اسلامی پروگرام اور جلسہ کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ نشر کرنے کی اجازت دی، اس طرح یہ جلسہ ملک و اسلامی بیداری کے لئے فال نیک سمجھا گیا۔

حیات بعد الموت کی وسعت

شنبہ سے جمعہ تک کے اوقات میں اس کی گنجائش تھی کہ ایک تفریحی اور معلوماتی سفر کر لیا جائے، اس کے لئے ترکی کے ایک اہم قریبی شہر پورصہ کا انتخاب کیا گیا جو عثمانی حکمرانوں کا پہلا پایہ تخت ہے، وہاں ان کے تعمیری آثار اب بھی موجود ہیں، اور وہاں کی آبادی اپنی دینداری میں امتیاز رکھتی ہے، اس سے قبل شنبہ کو آبنائے باس فورس کے ایشیائی کنارہ پر ایک نشست کا انتظام کیا گیا تھا، ہم لوگ دس بجے وہاں کے لئے روانہ ہوئے، سواحل کی ایک سرسری سیر کے بعد سلطان عبدالعزیز کا مشہور تاریخی قصر دولہ باغچہ دیکھا، یہ سلاطین عثمانی کا آخری مستقر رہا ہے، اب وہ ایک قیمتی اور اعلیٰ عجائب خانہ اور زیارت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی قصر میں منظمہ مؤثر اسلامی قذس کراچی کے مبحث الابحاث میں جانا ہوا، پھر ہم نے قصر بیدزد دیکھا، جو آخری عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کا قصر تھا۔

وہاں کچھ وقت گزار کر ہم آبنائے باس فورس کے ایشیائی کنارہ تک روانہ ہوئے

ہم نے آبنائے باسفورس کو اس کے بلند و عظیم پیل کے ذریعہ پار کیا، سمندر کے اسی ایشیائی کنارے پر ایک جگہ کے وہاں ٹرک فضلا کی ایک تعداد موجود تھی، جن میں یونیورسٹی کے پروفیسران، سابق وزیر داخلہ، شہر کے چند ممتاز حضرات اور عرب فضلاء بھی تھے، حاضرین نے مجھ سے اور استاد محمد قطب سے خطاب کی فرمائش کی، استاد محمد قطب نے کہا کہ آج شیخ ہی خطاب کریں گے، اور میں صرف سنوں گا، میں نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی کہ میں جب یہاں آ رہا تھا تو اچانک میرا خیال قرآن مجید کی اس آیت کی طرف چلا گیا۔

اور کالذی مر علی قریبہ	کیا تو نے اس شخص کو نہ دیکھا جس کا
وہی حاویہ علی عرو شہاج	گذر ایک شہر پر ہوا جو اپنی چھتوں پر
قال الیٰ یٰحییٰ ہذہ اللہ بعد	گر پڑا تھا، اس نے کہا کہ مرنے کے بعد
موتہاج فاماتہ اللہ مائۃ	الشرعائے اس کو کیسے زندہ کرے گا
عام ثم ریعتہ قال کم	پھر اللہ نے اس شخص کو سو سال
لیثتہ قال لیثتہ یومًا	تک مردہ رکھا، پھر اٹھایا (اور اسے)
او بعض یومہ قال بل لیثتہ	کہا کہ تو کتنی دیر یہاں رہا اس نے کہا کہ
مائۃ عام فانظر الیٰ	ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم رہا،
طعامک وشرابک لم ینسئ	الشرعائے نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سوا
وانظر الیٰ حمارک تف	برس رہا، اب اپنا کھانا اور پیٹنا
ولینجعلک ایۃ للناس	دیکھ (جو اب تک) سڑا نہیں ہے
وانظر الیٰ العظام کیف	اور اپنے گدھے کو دیکھ، اور ہم نے

نُنشِرُهُا تَمَّ نَكَسُوها الحَمَاءُ
 قَلَمَاتِنَّيْنِ لَهُ لَا قَالَ أَعْلَمُ
 أَنَّ االلهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
 تم کو لوگوں کے لئے نمونہ بنانا چاہا،
 اور ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح
 اُبھار کر جوڑ دیتے ہیں، پھر ان پر گوشت
 چڑھا دیتے ہیں، پھر جب اس پر
 (البقرة - ۲۵۹)

یہ حال ظاہر ہوا تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو
 معلوم ہے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

میں نے کہا کہ میں قرآن مجید کا طالب علم ہوں، اور اس کے معانی و اشاروں کو
 سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں، قرآن مجید کی آیات کے معانی و مضامین اس سے
 کہیں زیادہ گہرے اور وسیع ہیں جتنے کہ تفسیر کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں یا عام
 مطالعہ و غور سے سمجھ میں آتے ہیں، مذکورہ بالا آیت میں اگرچہ ایک معین واقعہ بتایا
 گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی کہ سو سال ایک شخص کو مردہ رکھنے
 کے بعد حسب سابق زندہ اور تروتازہ اٹھایا، اور یہ قدرت بھی دکھائی کہ کھانا
 چند گھنٹے ہی کھلی فضا میں رہنے پر خراب اور بگڑ جاتا ہے، سو سال رکھا رہا اور
 خراب نہیں ہوا، میرے خیال میں اس واقعہ کے اندر ایک گہرا اشارہ یہ بھی ہے کہ
 اللہ تعالیٰ اپنے دین و پیغام کو کبھی کبھی بھی سو سال تک مردہ ہو جانے کے بعد اور
 اس قوم و ملک کے اس کے ساتھ ربط و تعلق اور حمیت و حمایت کے طویل عرصہ
 تک کمزور ہو جانے کے بعد دوبارہ دونوں کو حیات و تازگی دے سکتا ہے، اور دنیا

اے بعض ترک دوستوں نے بتایا کہ ترکی میں اسلام کے لئے دور ابتلاء کی مدت بھی ایک
 صدی کی مدت کو پہنچ رہی ہے۔

جب کھانا ایسی معمولی چیز کو سو سال تک بغیر بگڑنے قائم رکھ سکتا ہے تو اپنے دین کو سو سو سال کی ناسازگار حالات رکھنے والی مدت گزرنے پر بھی صحیح اور نرفنازہ رکھ سکتا ہے، میرے نزدیک قرآن مجید کی یہ آیت ہم کو یہ بشارت سناتی ہے کہ وہ قوم اور ملک (جس نے مغرب کی چھاتی پر صدیوں کو دوں دی اور اسلام کا جھنڈا بلند رکھا) پھر زندہ و تابندہ ہو جائیگا "تَوَلَّجَ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّجَ النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ وَتَخْرُجُ الْحَيَّاتُ مِنَ الْمَيْتِ وَتَخْرُجُ الْمَيْتُ مِنَ الْحَيِّ" اندازہ ہے کہ یہ تقریر جو بالکل برحسبہ اور اتقائی تھی، دل چسپی اور توجہ سے

سنی گئی، اور اقبال کی یہ پیشین گوئی کانوں میں گونجنے لگی کہ

ہنیں ہے نا ابید اقبال اپنی کشت ویراں

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بورصہ میں

چہار شنبہ ۵ ارب کو ہم بورصہ کے لئے روانہ ہوئے، یہ شہر استنبول کے جنوب میں واقع ہے، لیکن بحر مرہ کا ایک مشرقی کونہ دونوں شہروں کے درمیان ہونے کی وجہ سے بڑی راستہ گھوم کر جاتا ہے، اس کی وجہ سے موٹر سے بورصہ کا سفر ۳-۴ گھنٹوں کا بن جاتا ہے، بتایا گیا کہ اگر اسٹیمر سے راستہ طے کیا جائے تو مختصر ہو جاتا ہے، عثمان نوری آفندی کی رائے ہوئی کہ جلنے میں بڑی راستہ سے سفر کیا جائے تاکہ راستہ پہاڑ و ساحل کا مشاہدہ ہو سکے، اور واپسی میں اسٹیمر سے سفر کیا جائے، اس پر عمل کیا گیا۔

لہ آل عمران - ۲۷

بورصہ قریب آیا تو بڑا دل فریب منظر سامنے آیا، بہت دوز تک شہر پھیلا ہوا
 تھا، جگہ جگہ مسجدوں کے مینارے نکیلی پینلوں کے مانند نظر آئے، یہ ایک رومی شہر
 تھا، جس کو عثمانی فرمانروا بانی سلطنت عثمانیہ سلطان عثمان خاں اول نے فتح کیا
 یہ ایک فتح عظیم تھی، جب سلطان محمد فاتح نے استنبول فتح کیا تو پاپیہ تخت بورصہ
 سے منتقل ہو کر استنبول چلا گیا، ہم لوگ ۱۲ بجے بورصہ پہنچ گئے تھے، عصر کے بعد
 شہر اور پہاڑ کی سیر کی، پھر شہر کے مضافات دیکھے، بورصہ میں مدرسہ الوداعا والخطاباً
 قائم ہے، حفظ قرآن کے مدارس و مکاتب بھی اچھی تعداد میں ہیں، معلوم ہوا کہ ان
 مکاتب و مدارس میں (تنہا بورصہ میں) ایک ہزار طلبہ حفظ قرآن کریم ہیں، اس
 شہر میں بلغاری مجاہدین کی بڑی تعداد ہے، جو بلغاریہ کی اسلام دشمنی اور معنوی
 نسل کشی سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہیں، ہمارا قیام بھی ایک بلغاری دوست
 کے مکان پر تھا، ان بلغاری مجاہدین کے بارہ میں ہمارے تاثرات اور بہرہ رسی کو
 ہمارے بلغاری میزبان نے ٹیپ کر لیا، تاکہ وہ اپنے دوسرے ہم وطنوں کو بتا سکیں۔
 اگلے دن صبح ۹ بجے استنبول واپسی کے لئے ہم لوگ بورصہ سے نکلے اور گھنٹہ بھر
 کے کار کے سفر کے بعد یلو واپہونچے، وہاں اسٹیم تیار ملا، یہ سفر بہت خوشگوار اور تفریح
 کا باعث تھا، اسٹیم ڈیڑھ گھنٹہ کے سفر کے بعد استنبول کے ساحل پر لگ گیا، اور
 ہم لوگ اپنی موٹر پر جو اسی جہاز پر تھی بیٹھ کر براہ راست سڑک پر آگئے، شام کا پروگرام
 یوسف کاراجہ کے مکان پر تھا، جو کچھ عرصہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں رہ چکے ہیں،
 اور اردو سے واقف ہیں، انھوں نے متعدد اردو کتابوں کا ترکی میں ترجمہ بھی کیا ہے،
 اس کے بعد عرب طلبہ کے ایک نشست میں شرکت کا پروگرام طے تھا، اگرچہ بہت تاخیر

ہو گئی تھی، لیکن وہ سب فرط اشتیاق میں منتظر تھے، ان سے مختصر خطاب ہوا۔

کراچی کے ڈھائی دن

اگلے دن جمعہ کا دن واپسی کی تیاری کا دن تھا، پاکستان کے لئے ویزہ ملنے میں بڑا وقت صرف ہوا، جمعہ کی نماز مسجد قلعہ میں پڑھنے کا پروگرام تھا، کھانا بھی تھا، اور ایک پریس کانفرنس میں شرکت بھی کرنی تھی، لیکن ویزہ کے حصول میں اتنی تاخیر ہوئی، جمعہ بھی سفارت خانہ کے قریب کی ایک مسجد میں پڑھنا پڑا کہ مسجد قلعہ کا پروگرام رہ گیا، عشا کے تھوڑی دیر بعد ہوائی اڈہ روانگی ہوئی، جہاز کو اصلاً ڈھائی بجے شب میں روانہ ہونا تھا، لیکن وہ لیٹ ہوا اور صبح ۴ بجے روانہ ہو سکا، دوپہر کے قریب کراچی پہنچنا ہوا، وہاں سے دہلی سے جوڑنے والی پرواز بروقت نہ ملنے کی وجہ سے ڈھائی دن کراچی ٹھہرنا پڑا، اس کی مختصر روئیداد آئندہ سطروں میں آتی ہے۔

۲۸ جون کو ظہر کے قریب کراچی پہنچنا ہوا، اور حسب معمول علامہ بنوری ٹاؤن کی جامع مسجد کے امام و خطیب عزیز گرامی قاری سید رشید احسن کے یہاں ٹھہرنا ہوا، کراچی جیسے عظیم شہر کے لئے جس میں ہمارے خاندان کا تقریباً دو تہائی حصہ مقیم ہے اور بزرگوں، احباب اور دوستوں کی ایک بڑی تعداد اور اہم مدارس دینیہ اور دینی مرکزوں اور اداروں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے، ڈھائی تین دن

لے لخص از مقالہ "ترکی میں ایک ہفتہ" ۱-۲-۳ از قلم مولوی محمد رابع ندوی "تعمیر حیات"

۲۵ جولائی ۱۹۸۶ء، ۱۰ اگست ۱۹۸۶ء، ۲۵ اگست ۱۹۸۶ء۔

کا قیام اپنے اور اہل تعلق کے لئے پیاس بجھانے والا نہیں، پیاس پیدا کرنے والا تھا، لیکن مجبوری تھی، اس مختصر مدت قیام میں بھی اسلام آباد سے بعض اہم ذمہ دار حضرات مخلص اجباب اور کرم فرما ملنے کے لئے تشریف لے آئے، دو اہم تقریریں بھی ہوئیں، ان میں سے ایک وہ تھی جو ۲۹ جون کی شام کو کراچی میں فاران کلب کی جانب سے دیے گئے عصرانہ کے موقع پر ہوٹل میٹروپول میں ہوئی، جلسہ کی صدارت کراچی کے میئر عبدالستار صاحب افغانی نے کی، دوسری وہ تقریر تھی، جو ۳۰ جون ۱۹۸۶ء کو علامہ بنوری ٹاؤن کی وسیع اور عظیم مسجد میں بعد مغرب ہوئی۔

اسلامی معاشرہ کے لئے حقیقی خطرات

میٹروپول کی تقریر کا عنوان ”اسلامی معاشرہ کو درپیش حقیقی خطرات اور اوران کا سڈ باب“ تھا، یہ تقریر ان تاثرات و مشاہدات پر مبنی تھی جو پاکستان کے مختصر اور طویل قیام کے دوران بار بار سامنے آتے رہے، اور اس مرتبہ زیادہ وضاحت اور چونکا دینے والے انداز میں سامنے آئے، اتفاق (اور شاید تقدیری بات تھی) کہ اسی زمانہ میں بے نظیر بھٹو پاکستان آئی ہوئی تھیں، اور پاکستان کے تعلیم یافتہ اور سیاست دانوں اور اس طبقہ کی بڑی تعداد جو موجودہ حکومت کا شروع سے مخالف رہے، یا اب غیر مطمئن ہے، ان کی آمد کا ایسا استقبال کر رہی تھی جیسے آسمان سے کوئی نجات دہندہ فرشتہ نازل ہوا ہے، اس بارہ میں وہ حجابات بھی اٹھ گئے تھے، جو شریعت یا تہذیب کے عائد کئے ہوئے ہیں، مقرر کی طبیعت پر جس کے فکر و دانش کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن مجید اور دل چسپی و مطالعہ کا سب سے بڑا موضوع ادیان و ملل

و اخلاق، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ، اور معاشرہ انسانی کی نفسیات کا مطالعہ
 رہا ہے، اس سے دل پر بڑی چوٹ لگی، میں نے اسی کی روشنی میں ایک مؤثر اور مبسوط
 تقریر کی اور اس میں بتایا کہ قرآن مجید صحیح اسلامی معاشرہ کا معیار یہ پیش کرتا ہے کہ
 اس کے ضمیر و خمیر میں صلح اخلاق و اقدار کی محبت چرچ بس گئی ہو، اور وہ اس کا
 مزاج بن گئی ہو، اس میں کوئی ایسی دعوت جس میں سرکشی، ہوا دہوس، انسانوں کے
 حقوق کی پامالی، انسانی طبیعت کو بے مہار چھوڑ دینے کی دعوت ہو، جس میں تفریح طبع
 یا نفس کی خواہشات و جذبات کی تسکین کے لئے بڑے سے بڑے ملی اور اجتماعی
 مفاد کو قربان کر دینے کی صلاحیت ہو، اس دعوت و تحریک سے یہ معاشرہ ابا و انکار
 کرتا ہو، اور اس کو اس سے ایسی نفرت ہو، جس کو اردو میں گھن آنا کہتے ہیں، اس
 سلسلہ میں میں نے قرآن مجید کی متعدد آیات پڑھیں اور ان کو حالات پر منطبق
 کیا، اور کہا کہ جس معاشرہ کا حال یہ ہو کہ کوئی سر ملی صدا لگا دے، کوئی باز بگر آ کر
 سبز باغ دکھائے، کوئی شخص بھی قیادت کا جھنڈا بلند کر دے تو اس کا ایسا
 استقبال کیا جائے کہ جیسے دیر سے اس کا انتظار تھا، اور یہی ایک خلا تھا، جو
 پُر نہیں ہوا تھا، وہ آواز لگائے تو یہ معلوم ہو کہ جیسے دل سینوں سے نکل پڑیں گے
 اور سارے حدود و قیود پیچھے رہ جائیں گے، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل کوثر کو مخاطب
 کر کے کہا تھا انتم اتباع کل ناعق "تم ہر آواز لگانے والے اور زور سے بولنے
 والے کے پیچھے لگ جاتے ہو" پھر میں نے بتایا کہ قرآن شریف میں عہد موسوی کا
 ایک بڑا عبرت انگیز قصہ آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے

الْبَعْرَفَاتُ عَلٰی قَوْمٍ يَّكْفُرُوْنَ
 عَلٰی اَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوْا يٰمُوسٰى
 اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ
 قَالِ اِنَّكُمْ قَوْمٌ يَّبْغُلُوْنَ ۝
 اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَّبِعَةٌ مَّا هُمْ فِيْهِ
 وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
 (اعراف - ۱۳۸-۱۳۹)

پارا تار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر
 گزے جو اپنے بتوں کو لے بیٹھے تھے
 (اس پر نبی اسرائیل) کہنے لگے!
 اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک
 دیوتا ایسا ہی بنا دیجئے جیسے ان
 (یہ) دیوتا ہیں (موسیٰ نے) کہا
 واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت
 ہے، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں
 یہ تباہ ہو کر رہے گا اور یہ جو کچھ
 کر رہے ہیں، ہے بھی (بالکل) باطل۔

اس کا خلاصہ اور پس منظر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو سمندر پار کر کے
 لئے جا رہے تھے، نبی اسرائیل نے دیکھا کہ ایک جگہ میلہ لگا ہوا ہے، دکانیں سچی ہوئی ہیں،
 ہر طبقہ کے لوگ موجود ہیں، معلوم ہوا کہ یہ سب جشن اس لئے ہے کہ وہاں کچھ بت رکھے
 ہوئے ہیں، اور ان کی عبادت ہو رہی ہے، انفرج بھی ہے، اور عبادت بھی، اس
 رونق اور بہار کو دیکھ کر نبی اسرائیل کے منہ میں پانی بھر آیا اور بے اختیار ان کی
 زبان سے نکلا کہ موسیٰ جیسے ان لوگوں کے محسّم اور چشم دید معبود ہیں، ہمارے لئے بھی
 ایک ایسے ہی معبود کا انتظام کر دیجئے (جو ہمیں آنکھوں سے نظر آتا ہو اور ہم اس کے
 نام پر میلہ اور جشن کر سکیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر پیغمبرانہ جلال آیا،
 اور فرمایا کہ تم پر لے درجہ کے جاہل اور ناقدر ہو، یہیں شغل میں مست ہیں، وہ برباد

ہونے والے اور جو کام یہ کرتے ہیں وہ سب بہودہ ہے۔
 ہمارے لئے اس قصہ میں بڑی عبرت ہے پھر میں نے ان دو چیزوں کا مثلاً
 ذکر کیا جو کسی معاشرہ و مملکت کے لئے بڑی خطرناک ہیں، ایک فکری انتشار و دوسرے
 معاشرہ میں دولت پیدا کرنے کی ریس اور اس کے مظاہر کی نمائش، میں نے عرض
 کیا کہ معاشرہ کی فلاح سے آپ کی فلاح وابستہ ہے، فرد کی فلاح معاشرہ کی فلاح
 کے بغیر ممکن نہیں ہے، قائدین، ناشرین، مصنفین، مفکرین، اور ابلاغ عامہ کے
 ذرائع کو ان سب کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

نعمتوں پر شکر اور ہوشمندانہ تقابل

بنوری ٹاؤن کی جامع مسجد میں ایک تقریر ہوئی، وہ شکر کے موضوع پر تھی،
 میں نے کہا کہ شکر محض حمد و شکر کے الفاظ زبان سے ادا کر دینے کا نام نہیں شکر منتقل
 ایک طرز عمل، زندگی کا ایک دائمی رویہ اور ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے،
 پھر میں نے اہل پاکستان یا مخصوص ہندوستان سے آئے ہوئے بھائیوں کو
 توجہ دلائی کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کن نعمتوں سے نوازا ہے امن و امان، ایک
 خالص مسلم معاشرہ اور مسلم مملکت میں زندگی گزارنے اور اپنی صلاحیتوں کو کام
 میں لانے کا موقعہ دیا ہے، آپ میں سے کتنے لوگوں کو یہ یاد رہتا ہے کہ ہم کس حال
 میں تھے، یہاں آکر اللہ نے ہمیں کہاں تک پہنچا دیا، ہمارا معیار زندگی کہاں سے
 کہاں تک پہنچ گیا، آپ کو دینی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور اپنے اسلامی
 و ملی تشخص کے ساتھ زندگی گزارنے کی یہاں کیسی سہولت حاصل ہے، یہاں

آپ کتنی دشواریوں، نگرانیوں، بدگمانیوں، خوردہ گیر یوں اور کسی دوسرے فرقہ یا اکثریت کے منافرت و مخالفت سے محفوظ ہیں، حدیث میں نسوانی فطرت کی یہ کمزوری بیان کی گئی ہے اس سے آپ کو دور رہنا چاہئے، حدیث میں کہا گیا ہے کہ عورت کی فطری کمزوری یہ ہے کہ عمر بھر شوہر اس پر احسان کرے پھر کسی وقت اس کی کسی خواہش یا قرائنات کی تعمیل میں تھوڑی سی کمی رہ جائے تو کہے کہ ہم نے تو اس گھر میں آکر کبھی آرام کا منہ نہیں دیکھا، ہم نے اس گھر میں کبھی شکھ نہیں پایا، هل من مزید کا نعرہ تو خیر ایک معنویت رکھتا ہے لیکن هل من جدید کا نعرہ خطرناک ہے، جو بہت سے مسلم معاشروں اور آزاد مسلم حکومتوں کا شعار بن گیا ہے پھر میں نے بتایا کہ کتنے مسلم و عرب ممالک میں اسلام اور دینداری، اسلامی قوانین کے نفاذ کے مطالبہ اور اسلامی تحریکوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے، آپ کا طریقہ فکر اور طرز عمل حقیقت پسندانہ، ایجابی و تعمیری ہونا چاہئے، اپنے ملک کے حالات کا دوسرے ملکوں کے حالات سے تقابل کرنا چاہئے، پھر جو کچھ حاصل ہے، اس پر ثبات و دوام اور اس کی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے، جلد ہر چیز کا جواب مایوسی اور محاذ آرائی سے نہیں لینا چاہئے، ذمہ داران حکومت کے خلاف پہلے ہی لمحہ پر صرف آرائی کے بجائے افہام و تفہیم سے کام لینا اور ان کو اس مسئلہ میں مطمئن کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، پھر میں نے بتایا کہ ہندوستان جیسے سکولر اور جمہوری ملک میں جس کی غالب اکثریت نہ صرف یہ کہ غیر مسلم ہے، بلکہ ایک خاص تاریخی مرحلہ (بلکہ مرحلوں) اور خاص حالات و واقعات سے گزرنے کے نتیجے میں اس میں ایک خاص طرح کی جس بیدار ہو گئی،

جو خالی الذہن ہو کر حقیقت پسندانہ طریقہ پر اقلیت کے کسی مسئلہ احساس یا مذہبی ضرورت کے سمجھنے میں بے شدت مانع ہے، پھر سارا انگریزی ہندی پریس مسلمانوں کے اس مسئلہ میں دانت پسیں رہا تھا، ملک کے سب سے بڑے ذمہ دار (وزیر اعظم) کے ساتھ افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرنے اور مسئلہ کو غیر سیاسی رنگ میں پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ صرف اس مسئلہ سے مطمئن اور اس سے متفق ہوئے، بلکہ وہ اس کے علانیہ علمبردار حامی اور وکیل بن گئے، اور انھوں نے اس کو پارلیمنٹ سے بھاری اکثریت کے ساتھ منظور کر کے دم لیا، کیا یہ بات ایک خالص مسلم ملک میں نہیں ہو سکتی؟

پھر میں نے بتایا کہ اصلاح و انقلاب کا سب سے کامیاب تجربہ وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؑ نے اختیار کیا کہ انھوں نے (ایک مینی عالم کے الفاظ میں) ایمان والوں کے خود کو کسی اقتدار پر پہنچنے پر اصرار نہیں کیا، اقتدار کے کسی نشینوں تک ایمان پہنچانے، ان کو ایمانی و دینی دعوت اور سعی کا علمبردار بنانے اور ان کے ہاتھوں سے وہ کام کرانے کا عزم کر لیا، جن کو وہ خود انجام دینا چاہتے تھے۔ ان دو تقریروں کے علاوہ دو اہم عربی مدارس اور مرکزوں اور چھوٹے اجتماعات میں بھی تقریریں ہوئیں، جن میں میں نے صفائی سے کہا کہ مدرسے اور دینی دعوتیں تاریخ سے نہیں چلتیں، تحریک سے چلتی ہیں، ہر وقت اسلاف و اکابر کا نام لینا اور ان پر فخر کرنا اور ”پدرم سلطان بود“ کا نعرہ لگانا سننے والوں کو بھی

اے میرا اشارہ نفقہ مطلق کے مسئلہ اور ہندوستانی پارلیمنٹ کے مسلمان مطلقہ کے قانون سے ہے، جس کا تفصیل سے باب چہارم میں ذکر آچکا ہے۔

ملوں و متوتختش کر دیتا ہے، پھر میں نے لسانی علاقائی، اور نسلی عصبیت کے
 خطرہ کے خلاف آگاہی دی، اور ان علاقوں اور قوموں میں دعوت و اصلاح
 اور تعلیم و تربیت کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا۔
 ۳۔ رجون کوہم لوگ بخیریت دہلی پہنچے اور وہاں سے اپنے مستقر پر
 آگئے۔



باب ششم

انگلستان، ابجرائر اور حجاز کے سفر، آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر اور ابجرائر کے ملحق الفکر الاسلامی کے سیمینار میں شرکت، حجاز میں چند روزہ قیام، چند اہم واقعات

اسلامک سنٹر آکسفورڈ میں

اسلامک سنٹر آکسفورڈ میں ۲۷ اگست ۱۹۸۶ء سے مجلس انتظامی کا جلسہ تھا، اور یکم ستمبر کو قاہرہ میں مجلس البحوث الاسلامیۃ العالمیۃ (لکسمبرگ) کا جلسہ تھا، ان دونوں سے میرا ذمہ دارانہ تعلق تھا، اس لئے ان دونوں جلسوں میں شرکت کی نیت کر لی گئی، شیخ الازہر شیخ جاد الحق علی جاد الحق کی پُر اصرار دعوت پر واپسی میں مصر ہوتے ہوئے ہندوستان آنے کا قصد تھا، اب جب مجلس البحوث الاسلامیۃ نے (جس کے اکثر ارکان مصر میں تھے) اپنا جلسہ قاہرہ میں رکھا، تو ہم نے شیخ الازہر کو اطلاع دی کہ ستمبر کے پہلے ہفتہ میں لندن سے واپسی پر ہم ازہر کی دعوت پر مصر آسکتے ہیں، ۲۶ اگست ۱۹۸۶ء کی صبح کو عزیز بی محمد رابع ندوی کی معیت میں لندن اور دوپہر تک آکسفورڈ پہنچنا ہوا، ۲۷ سے ۲۹ تک آکسفورڈ قیام رہا، وہاں سے فایغ ہو کر لندن جانا ہوا، ۳۰ مارچ لندن قیام رہا، قاہرہ سے شیخ الازہر کی طرف سے مجوزہ تاریخ کی معذرت آگئی،

اس سے ذہن نے نتیجہ نکالا کہ شاید وہاں کے بدلے ہوئے سیاسی حالات اور عمومی انتخابات کے پیش نظر ہمارا مصر کا سفر اس وقت مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ایسی حالت میں محض مجلس البحوث الاسلامیہ کے جلسے (منعقدہ یکم ستمبر) کے لئے قاہرہ جانا اور حکومت و ازہر کے علی الرغم وہاں کا قیام اور وہاں کی مجالس میں شرکت اور ملاقاتیں مناسب نہیں سمجھی گئیں اور مصر کے سفر کا خیال ذہن سے نکال دیا گیا، اس کے بجائے الجزائر میں ستمبر کے پہلے ہفتے میں ہونے والے عالمی سیمینار ملتی الفکر الاسلامی میں (جس میں ایک مرتبہ جولائی ۱۹۸۲ء میں شرکت ہو چکی تھی) اس مرتبہ محض ازہر کی دعوت اور مصر کے سفر کی بناء پر اس میں شرکت سے معذرت کر دی گئی تھی، اب اس میں شرکت کی نیت کر لی گئی کہ اس کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی، عالم اسلام اور ممالک عربیہ میں جو سیمینار حکومتوں اور تنظیموں کی طرف سے منعقد کئے جاتے ہیں، ان میں الجزائر کا یہ سیمینار خاص امتیاز اور اہمیت رکھتا ہے۔

الجزائر کے سیمینار میں

اس مرتبہ الجزائر کے ملتی الفکر الاسلامی کا عنوان ”الاسلام والعلوم الانسانیة“ تھا، میں نے اس پر ایک مبسوط مقالہ ”دور الإسلام الثوری البناء فی مجال العلوم الإنسانیة“ (انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار) کے عنوان سے تیار کر لیا تھا، اور اس کی ایک نقل سیمینار کے سکرٹری کو بھیج دی تھی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”کاروان زندگی“ جلد دوم ۳۵۲-۳۵۶

اس مرتبہ سیمینار اجزاٹر کے ایک مرکزی شہر "سطیف" میں ہو رہا تھا جو دارالسلطنت اجزاٹر سے سمت مشرق تین سو کلومیٹر پر ہے، یہ شہر رومی عہد سے آباد ہے اور نام بھی رومی عہد کا رکھا ہوا ہے، اس شہر کو اجزاٹر کی تحریک آزادی اور احیاء اسلامی کے جلیل القدر رہنما شیخ بشیر الابراہیمی کا وطن ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے، وہ اپنی ولایت کا صدر مقام بھی ہے، پہلے جب اس مملکت میں شرکت ہوئی تھی تو اس وقت وہ تلمسان میں منعقد ہوا تھا، کوشش کی جاتی ہے کہ ہر سال یہ مملکتی ملک کے کسی اہم مرکزی مقام پر ہوتا کہ ہر بڑے شہر کے لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے اور مندوبین کو ملک کے مختلف شہروں کے دیکھنے اور وہاں کے اہل علم سے ملنے میں آسانی ہو۔ ہم یکم ستمبر دو شنبہ کو ظہر کے وقت لندن کا اجزاٹر کے لئے روانہ ہوئے اور مغرب کے وقت اجزاٹر کے ہوائی اڈہ پہنچ گئے۔

اس مرتبہ پہلے سال کے برخلاوت (جب ہم دو دن کی تاخیر سے پہنچے تھے) مطار پر استقبال کرنے والے موجود تھے، جو ہمیں ایک بڑے ہوٹل میں لے گئے، اگلے روز ۲ ستمبر یوم شنبہ صبح کو بذریعہ کار مقام جلسہ سطیف روانہ ہوئے، یہاں افتتاحی جلسہ ہی میں پہنچنا ہو گیا تھا، جو ۲ ستمبر شنبہ کو اگلے صبح سے شروع ہو رہا تھا، مجھے جلسہ کے ابتدائی پروگراموں ہی میں ایک پروگرام میں اپنا مقالہ پڑھنے کا موقع دیا گیا، جو وہاں ساکلو اسٹائل ہو کر پہلے سے مندوبین میں تقسیم ہو چکا تھا، اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہمارے پاس تیار تھا، مقالہ کے بارہ میں سوالات کے لئے بھی وقت رکھا گیا تھا، وہ پروگرام بھی پورا ہوا، جمعہ کی نماز والی (گورنر) کے ساتھ جا کر شہر کی نو تعمیر شدہ عمارتوں کی جو شیخ بشیر الابراہیمی کے نام سے موسوم کی گئی اور وزارت اوقاف نے بنوائی ہے،

اس کا افتتاح اسی نماز جمعہ سے ہوا، اس سیمینار میں ۲۷-۲۸ اہم مقالے تھے، جو مختلف جامعات کے ممتاز ترین اساتذہ اور مفکرین نے اس سیمینار کے لئے بڑے اہتمام سے تیار کئے تھے۔

ملتی کا مقالہ

اس مقالہ میں ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام نے انسانی علوم کے میدان میں بالکل انقلابی، بنیادی اور تعمیری کردار انجام دیا ہے، اس سلسلہ میں پہلے یونان، ایران، اور ہندوستان کے (جنہوں نے اپنے اپنے وقت پر معاصر دنیا کی علمی، فکری اور تہذیبی قیادت کی ہے) کے دور عروج و افتدار کا حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا گیا، اور مغربی مصنفین و مؤرخین کے بیانات کی روشنی میں دکھایا گیا کہ ان ملکوں میں اپنے اپنے وقت میں علوم عقلیہ (فلسفہ و منطق) ریاضیات اور ادب و شاعری کس نقطہ عروج تک پہنچ چکے تھے، اور ان ملکوں کے ذہن ترین افراد اور فضلاء کس طرح آسمان کے تارے نوڑ کر لاتے تھے، کس طرح انہوں نے بال کی کھاں نکالی تھی، اور کس طرح ان ملکوں میں علمی، ادبی، تہذیبی افکار کا تبادلہ اور استفادہ و افادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

پھر مستند مغربی مؤرخین ہی کی کتابوں کے حوالہ سے بتایا گیا کہ علم، ذکاوت، تدقیق و تعمق اور علمی و ذہنی بلند پروازیوں کے ساتھ (جن سے زیادہ بلند پروازی کی مثال موجود و محفوظ تاریخ میں ملتی مشکل ہے) ان تینوں ملکوں (یونان و ایران اور ہندوستان) کی زندگی میں کیسے تضادات اور بوجھیاں پائی جاتی تھیں، وہاں کا

علم الاصنام، دیومالا (MYTHOLOGY) کس مضحکہ خیز حد کس پستی، عجائیب پرستی، اور علی
 عقلی دیوالیہ پن کے کس نقطہ پر پہنچ گیا تھا، اور ان کا علمی عروج اور عقلی ارتقاء اس سے
 ذرا بھی مانع نہ تھا، اور اس میں کسی ملک کا قدم بھی دوسرے ملک سے پیچھے نہ تھا، پھر اسی کے
 ساتھ اخلاقی بے راہ روی، اجتماعی و معاشرتی انتشار اور جنسی انارکی اس درجہ کو
 پہنچ گئی تھی جس کا تصور بھی اس وقت مشکل ہے، اس سلسلہ میں مغربی مؤرخین کی
 شہادتیں یونان کے بارہ میں اور ہندوستانی و ایرانی مؤرخین کے ایسے بیانات
 ان دونوں ملکوں کے بارہ میں پیش کیے گئے ہیں، جن کو پڑھ کر حیا کی آنکھیں نمچی
 اور تہذیب کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، پھر اس صورت حال کے خلاف
 ردِ عمل کی جو تھمکیں پیدا ہوئیں، ان کی انتہا پسندی، حیرانی و بے اثری کو بھی
 دکھایا گیا، پھر اس عہد کو حل کرنے اور اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کی کوشش
 کی گئی ہے، کہ اس کا اصل سبب کیا تھا؟ اور علم و حقائق کی روشنی میں بتایا گیا کہ
 اصل سبب یہ تھا کہ ان تینوں ملکوں کا اپنے دور عروج و ارتقاء میں آسمانی رہنمائی
 اور بتوتوں کے سلسلہ سے ربط و تعلق ٹوٹ چکا تھا، بلکہ جہاں تک یونان اور بعض
 دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا تعلق تھا، وہ اپنے علم و عقل پر نازاں تھے، اور
 انبیاء کے کرام کو استحقاق و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور فخریہ کہتے تھے کہ وہ
 ہمیں کیا تعلیم دیں گے، اور ہماری معلومات میں کیا اضافہ کریں گے؟ قرآن شریف
 نے اپنی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:-

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ رَبِّهِمْ
 فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ
 غرض جب ان کے پیروں کے پاس
 کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے

فَمَا كَانَ يَنْفَعُهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ (المؤمن - ۸۳)

تو وہ لوگ اُس علم پر (بڑے)

نازاں ہوئے جو انھیں حاصل تھا

اور ان پر وہ (عذاب) اُڑا جس پر

وہ تمسخر کرتے تھے۔

پھر بتایا گیا ہے کہ نبوت کی کیا ضرورت ہے اور انبیاء کیا عطا کرتے ہیں؟ وہ عقائد، اعمال، اخلاق و تہذیب کی کیا بنیاد فراہم کرتے ہیں؟ پھر بتایا گیا کہ ان ملکوں میں علوم و عقلیات، معاشرہ اور عام زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے تھے، بلکہ علم و اخلاق میں ایک تضاد، اہل علم اور عوام میں ایک بیگانگی اور دوری و وحدتِ علمیہ (علمی اکائیوں میں) نہ صرف انتشار بلکہ اکثر تضاد کی صورت حال تھی، علم و عمل میں کوئی رشتہ، اہل علم اور فلاسفہ میں معاشرہ کی اصلاح کا کوئی جذبہ اور اپنی ذمہ داری کا کوئی احساس نہیں تھا، ہر ایک اپنے حال میں گمن اور اپنی خیالی دنیا میں مست و مدہوش تھا، اسلام نے اگر اس صورت حال کو بالکل تبدیل کر دیا، علوم انسانی میں ایک نئی روح پھونک دی، ان کا رخ درست کیا، ان میں مفصلیت پیدا کی، خالق کائنات سے، پھر کائنات اور حیات انسانی سے ان کا رشتہ استوار کر دیا، علم کی منتشر اکائیوں میں ایک وحدت اور تعاون کی کیفیت پیدا کی، اہل علم اور اہل شعور کو معاشرہ کا پاسبان اور محتسب اور بے علم و ناخواندہ افراد کا معلم و مربی بنا دیا اور ان کے اندر اس سب کے بارے میں خدا کے سامنے جوابدہ ہونے کا شعور و احساس نہیں، خوف اور یقین پیدا کر دیا، اس نے تعلیم و تعلم کے سلسلہ خفائی اشیاء کی دریافت، علمی سرگرمیوں اور تعلیمی تحریک کو خدا کے نام سے شروع کرنے اور

خدا ہی کی رہنمائی میں اس سفر کو طے کرنے کی ہدایت کی کہ علم کی وادی ایسی پُرخار اور ناہموار اور رہزنوں سے اس طرح گھری ہوئی ہے کہ یہاں دن و ہاڑے قافلے لٹتے اور راہرو راستہ بھٹکتے ہیں، اس نے اپنی پہلی وحی کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی۔

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي
خَلَقَ (سورہ العلق - ۱) جس نے پیدا کیا۔

پھر اس سلسلہ میں اسلام کی عالمگیر علمی تحریک اور اس کے پیشواؤں اور نمائندوں کی خصوصیات اور ان میں سے بعض کے نمونے پیش کئے گئے، آخر میں (کالوں کا ذائقہ بدلنے اور ایک طویل علمی مقالہ کی اکتاہٹ کو دور کرنے کے لئے) نوجوانوں کی اُس پارٹی کا قصہ سنایا گیا، جو ایک کشتی پر دریا کی سیر کے لئے نکلے تھے، اور انھوں نے ناخواندہ ملاح کو اپنی تفریح کا ذریعہ بنا کر اس سے ایک ایک علم و مضمون کا نام لے لے کر پوچھتے رہے کہ تم نے یہ پڑھا ہے؟ تم نے یہ پڑھا ہے؟ تم اس علم کو جانتے ہو؟ اور وہ ہر سوال پر اپنی لاطینی کا اظہار کرتا رہا، انھوں نے اس کی عمر پوچھی کہ کہا کہ جاؤ تم نے اپنی آدمی عمر کھودی! خدا کا کرنا کہ تھوڑی دیر کے بعد دریا میں طوفان آیا، اس وقت اس جاہل ملاح کی بن آئی اور اس نے کہا کہ صاحبزادو! تم نے سیزنا بھی سیکھا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، اس نے کہا جاؤ میں نے اپنی آدمی عمر کھوئی تم نے اپنی پوری عمر ڈلوئی، اور کہا گیا کہ یہی وہ علم نجات یا زندگی کا دریا کامیابی سے عبور کرنے اور ساحل نجات پر پہنچنے کا فن ہے جو صرف انبیاء کے ذریعہ ملتا ہے۔

لہ یہ مقالہ علحدہ رسالہ کی شکل میں طبع ہو چکا ہے۔

سطیف میں قیام ۲ ستمبر سے ۵ ستمبر عصر کے وقت جلسہ کے اختتام تک رہا، مختلف عرب ممالک سے فضلاء کی بڑی اچھی تعداد آئی ہوئی تھی، ان میں متعدد قدیم اجاب تھے، ان سے ملاقاتیں رہیں، وہیں مصر کے کثیر الانشاعت روزنامہ الازہرام کے نمائندہ نے مفصل انٹرویو بھی لیا، جس میں وقت کے اہم مسائل پر اظہار خیال تھا۔

جمہ کو عصر کے وقت بذریعہ کارا بجزائر شہر واپسی ہوئی، جہاں عشا کے وقت پہنچنا ہوا، ملتقی کے ذمہ داروں نے ابجیرس ایرلائن سے قاہرہ کے لئے اور قاہرہ سے سعودی ایرلائن کے ذریعہ جدہ کے لئے فرسٹ کلاس کی ڈسٹیشن ریزرو کرائی تھیں، ابجیرا کا کوئی جہاز اس روز جدہ جانے کے لئے نہیں تھا، اس لئے انھوں نے یہ انتظام کیا، رات ہوٹل میں ٹھہر کر ہم لوگ قاہرہ کے لئے روانہ ہوئے، ابجیرا کے جہاز میں چھپی ہوئی اطلاع دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جہاز پر کھانا سب حلال اور ذبیحہ ہے، اس میں کوئی مشتبہ چیز نہیں ہے، صبح ابجیرا سے روانہ ہو کر اربعے دن کو قاہرہ پہنچے، ۱۵ ستمبر کے بعد ۳۵-۳۶ سال کے بعد ہم نے مصر کی سرزمین پر قدم رکھا، ہوائی اڈہ پر باہر کے حصہ میں بورڈ لگا ہوا تھا جس پر قرآن مجید کی آیت "ادخلوا مصر ان شاء اللہ آمین" لکھی ہوئی تھی، شاید دنیا کے کسی ملک کو قرآن مجید کی ایسی یا معنی اور حسب حال آیت لکھنے کا موقع نہ ہو، لیکن قاہرہ کے ہوائی اڈہ پر عملہ نے ہمارے ساتھ وہ برتاؤ اور رویہ اختیار نہیں کیا جو اس آیت سے میل کھاتا ہو، ہمارے پاس فرسٹ کلاس کے دو ٹکٹ تھے، جدہ کے لئے سیشن بھی ریزرو تھیں، لیکن ہم مسافروں کا کوئی

پُرساں حال نہ تھا، ڈیوٹی پر جو لوگ تھے، وہ بجائے عربی کے انگریزی میں بات کرنا پسند کرتے تھے، اور ضابطہ کا اکھر اس جواب دیتے تھے، نہ کہیں آرام کرنے کا موقع تھا، نہ وضو اور نماز کی سہولتیں تھیں، جب ہم کچھ سوال کرتے تو جواب ملتا کہ جہاز کی روانگی کا انتظار کرو۔

ہمیں اے دن سے ۶ بجے شام تک وہاں وقت گزارنا پڑا، یہ محرم کی پہلی اور ستمبر کی ۶ تاریخ تھی، مغرب کے وقت روانہ ہو کر بوقت عشاء، جدہ پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہم اپنے وطن آگئے، دو رات اور ایک دن جدہ میں رہے، ۸ ستمبر کو مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، وہاں جمعہ تک رہے، شنبہ ۱۳ ستمبر کو مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، وہاں عمرہ سے فارغ ہو کر ۱۳ سے ۱۹ ستمبر بخینہ تک رہے، ۲۰ ستمبر ۱۹۸۶ء جمعہ کو صبح دہلی کے لئے براہ کویت روانہ ہوئے اور دہلی سے اپنے مستقر لکھنؤ پہنچ گئے۔

رفیق قدیم مولانا حافظ محمد عمران خاں صانڈوی کی وفات

۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو اچانک حافظ کرامت صاحب دہلوی کے ٹیلیفون سے صدیق عزیز اور رفیق قدیم مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی کی وفات کی اطلاع ملی، مولانا عرصہ سے چند در چند بیماریوں میں مبتلا اور چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن اپنی غیر معمولی قوت ارادی، تحمل و برداشت کی طاقت اور وضعداری اور عالی حوصلگی سے (جس کا ان کو قدرت کی طرف سے حصہ وافر ملا تھا) کام لے رہے تھے، ۲۴ تا ۲۶ ستمبر ۱۹۸۶ء کو انھوں نے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

پرتاج المساجد بھوپال میں ایک سیمینار منعقد کیا تھا، جو اپنی شان میں بالکل منفرد تھا، اور غالباً اس پر صغیر میں ایسا شاندار مفید اور وسیع سیمینار سید صاحب کے بارہ میں منعقد نہیں ہو سکا تھا، خبر بجلی بن کر دل و دماغ پر گری، میری ان کی دوستی، برادرانہ تعلق اور رفاقت کار کی مدت نصف صدی سے کم نہیں، وہ میرے رفیق درس بھی تھے، میں ان کا زمانہ قیام دارالعلوم میں (جہاں وہ ساہا سال تک متم رہے) رفیق کار بھی، انھوں نے اس رفاقت کا حق اس طرح ادا کیا جس میں البدا العلیا خیر من البدا السفلی کا شرف انھیں کے حصہ میں آیا، میں نے ان کی وضع داری، وفاداری، عالی حوصلگی اور کریم النفسی کی ایسی مثالیں دیکھیں جو اس زمانہ میں اگر بالکل نایاب نہیں تو بہت کمیاب ضرور ہیں، ان کے تعلق اور اس خبر صاعقہ اثر کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں اور دارالعلوم کے خصوصی اہل تعلق سنتے ہی بھوپال روانہ ہو جائیں اور تدفین میں شرکت کریں، لیکن لکھنؤ سے بھوپال کے لئے ڈائریکٹ سروس نہیں ہے، کسی طرح اس وقت پہنچنا ممکن نہ تھا، دوسری دقت یہ تھی کہ اگلے ہی روز یعنی ۱۹ اکتوبر کو سینٹا پور میں دینی تعلیمی کونسل کی ایک اہم کانفرنس تھی، جس کی مجھے صدارت بھی کرنی تھی، اور خطاب بھی، اس لئے میں بجائے ۱۸ یا ۱۹ اکتوبر کے رفقائے عزیز مولوی معین اللہ صاحب ندوی، مولوی ابوالعرفان خاں صاحب ندوی مولانا

لے اس بزم سلیمان کی مفصل روئیداد اور اس میں پیش کردہ مقالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مطالعہ سلیمانی، مرتبہ ڈاکٹر مسعود الرحمن خاں ندوی و ڈاکٹر محمد حسان خاں ندوی.

محبوب الرحمن صاحب ازہری اور عزیز می عبد الرزاق کی معیت میں ۲۰ اکتوبر کو بھوپال پہنچا، افراد خاندان، علماء دارالعلوم تلج المساجد اور تبلیغی جماعت کے مخصوص احباب و رفقاء ہی نہیں سارا شہر سوگوار اور مستحق تعزیت تھا تاج المساجد کی عمارت جس کی تکمیل و تزئین ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ان کے عمر و بہت اور قوت عمل کا پیکر تھا، اس کے در و دیوار ان کی زندہ یادگار تھے، یہیں جماعت تبلیغ کا ہندوستان میں سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے، جو انہیں کا قائم کیا ہوا ہے، اسی مسجد میں ان کا تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں میں نے اپنے تاثرات و جذبات کا اظہار کیا، اور ان کی خداداد خصوصیات کا ذکر کیا، اور بتایا کہ ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ نوجوانوں، ان کے رفقاء کے کار ان کے عقیدت مندوں اور اہل شہر پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یہ تاثر صرف اسی جلسہ اور بھوپال تک محدود نہیں ہے، اس کا حلقہ وسیع اور اس کی مدت طویل ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے، اور ان کی نشانیوں کو آثار باقیہ اور صدقہ جاریہ میں تبدیل کر دے۔

امام حرم اور سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی کی لکھنؤ اور دارالعلوم میں آمد یکم نومبر ۱۹۸۶ء کو امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ الشبیلی، رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، اور ہندوستان میں متعلقین سعودی عرب کے سفیر صادق فواد مفتی اور ان کے رفقاء دارالعلوم ندوۃ العلماء کی دعوت پر لکھنؤ تشریف لائے، حرم کی نسبت سے ان حضرات کا لکھنؤ کے ہوائی اڈہ اور

شہر میں ایسا استقبال ہوا جس کی نظیر کسی بیرونی مہمان کے سلسلہ میں شاید لکھنؤ کی تاریخ میں نہ ملے، اتفاق سے جمعہ کا دن بھی تھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے میدان میں ان کے اعزاز میں جلسہ ہوا، جس میں کئی لاکھ کا مجمع تھا، انگریزی اخباروں نے لکھا کہ انسانوں کا ایک مورا ج سمندر تھا "جلسہ میں جناب عثمان عارف نقشبندی گورنر صاحب اترپردیش، نیاز حسن خاں صاحب اسپیکر یو پی اسمبلی، مرکزی و صوبائی وزراء اور سرکاری ذمہ داروں، دانشوروں اور علمائے کرام اور اساتذہ مدارس کی بڑی تعداد تھی۔

میں نے اپنی تقریر میں "جَعَلَ اللهُ الْكعبةَ الْبیتَ الْحَرَامَ قِیَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ" کی تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ باطنی طور پر نظام عالم بیت البشر سے اور نظام عقائد و اعمال و اخلاق اس دعوت سے مربوط ہے جس کے لئے بیت الشرف قائم ہوا، میں نے کہا کہ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ "قِیَمًا لِلنَّاسِ" کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا، میں نے جو اردو کے تراجم دیکھے ہیں، میں اس سے بھی مطمئن نہیں ہوں کہ "قِیَمًا لِلنَّاسِ" کا اردو میں صحیح ترجمہ ہوا ہے، لیکن میں اس کا مفہوم ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کی زندگی کا دار و مدار بنایا ہے، یہ نظام عالم نہ حکومتوں سے مربوط ہے، نہ تنظیمات سے، نہ فوجی طاقت سے، نہ اخلاقی فلسفوں اور تہذیبوں اور علمی مرکروں سے مربوط ہے، نظام عالم جہاں تک ہماری نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں، بیت اللہ شریف سے اور اس دعوت سے مربوط ہے، جس کے لئے بیت الشرف قائم ہوا، وہ صحیح اعتقاد،

صالح سیرت و اخلاق، انسانیت کے رشتے، اخوت و محبت، انسانیت کے احترام، ہر چیز میں خدا کو حاضر ناظر سمجھنے سے قائم ہے، اور اس سب کا مرکز وہ دعوت ہے، وہ مقاصد، وہ تعلیم، وہ مرکزیت ہے، جس کے داعی اول سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور جس کے مجدد و خاتم اور مکمل و محافظ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور جن کی نمائندگی بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کرتی ہے۔

اس آیت سے ہم ہندوستانی مسلمانوں پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہاں دینی حیثیت سے یہی ملت اسلامیہ بیت اللہ کی نمائندگی کرتی ہے، اگر یہ ملک خدا نخواستہ مال کی بڑھی ہوئی محبت، انسان کشی، مردم آزاری، اور روزمرہ کے فسادات، خود غرضی اور بے ضمیری اور انسانیت کی قدر و قیمت نہ جاننے کی وجہ سے تباہ ہو، تو ہمارا دامن ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک، اس لئے کہ ہم انھیں نبی کی امت ہیں جن کو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کا لقب دیا گیا ہے، ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ اور کہا گیا ہے کہ ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لِيُنْفِرُوا“ (اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے، انھیں عذاب دینا، اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے)۔

اس امت کی موجودگی میں بھی جو نبی رحمت سے نسبت رکھتی ہے، اور ان کی تعلیمات کی حامل اور ان کی ساختہ پر داختر ہے، کسی ملک کو تباہ نہیں ہونا چاہئے، اس کی ذمہ داری ہے کہ یہ حقیقتیں زندہ رہیں، وہ ملک کے محافظ بنیں اور اس کو

اجتماعی خودکشی اور خودسوزی سے بچائیں۔

میرے بعد دونوں معزز مہمانوں نے تقریریں کیں، اور حاضرین اور عام
ہندوستانی مسلمانوں کو مناسب نصیحتیں، توحید خالص تقویٰ، صحیح دینداری،
صحیح حب الوطنی اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی۔



باب ہفتم

دہلی، ناگپور اور پونہ کے ڈاکٹراگ

شاخ نشین

صدیوں پہلے کسی دل جلے عرب شاعر نے اپنے شہر و وطن کے متعلق جہاں
وہ اپنے ہم وطنوں کی جفا اور مخالفتوں کا نشانہ بنا تھا ایک شعر کہا تھا ہے

لا أذود الطير عن شجر

قد بلوت المُرَّ من ثمره

(میں ایسے درخت کی اس کو نقصان پہنچانے والی چڑھیوں سے حفاظت
کرتے اور ان چڑھیوں کو اس کی شاخوں سے اڑانے کے لئے تیار نہیں جس کے
کڑوے پھل ہی میرے حصہ میں آئے۔)

کسی اردو شاعر نے بھی کہا تھا ہے

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھالیا

اس کی بلا سے بوم رہے یا ہمارے

لیکن ایک سچے ہندوستانی مسلمان کے نقطہ نظر سے ہندوستان اور

ہندوستان میں مسلمانوں کی صورت حال اس سے قطعاً مختلف ہے، اول تو

اس کا ذہن آفاقی اور کائناتی ہے اور وہ اپنے دین کی تعلیمات کی رو سے

نہ صرف انسان دوستی اور خلائق پروری پر مامور ہے، بلکہ وہ ہر جگہ کے انسانوں کو خدا کی امانت، ان کی حفاظت و خدمت اور ان کی خیر خواہی اور ان کو نیک راستہ بتانے کو اپنا فریضہ اور اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے، اس لئے وہ اس کھیتی کو تاراج کرنے والے جانوروں کے رحم و کرم اور اس ہرے بھرے درخت کو ظالم چڑیوں کے حوالہ نہیں کر سکتا۔

اردو شاعر کے قول کے برخلاف بیل نے اس چین سے آشیانہ نہیں اٹھایا، اسی درخت کی ایک شاخ پر اس کا نشیمن ہے، اس نے اس چین کو اپنے خون سے سینچا ہے، اور اس کے ایک ایک درخت اور پودہ کی آبیاری اور پاسبانی کی ہے۔

ع مٹی کو لہو دے کے چین ہم نے بنایا

اس لئے مسلمان ایسے ملک کی تباہی و بربادی نہیں دیکھ سکتا جس کو اس نے اپنا وطن بنایا اور جہاں اس کے اسلاف نازک وقتوں میں توحید کا پیغام اور اخوت و مساواتِ انسانی کا مقدس کام لے کر آئے اور اس ملک نے ان کو جگہ دی۔

یہی وہ حقیقت، عقیدہ اور طریق فکر تھا، جس نے ان سطور کے لکھنے والے کو ہندوستان کے حالات، یہاں کے پھلنے پھولنے والے تخریبی رجحانات، انتشار انگیز اور مفسدہ پرداز تحریکوں اور یوٹو ماترقی پذیر، باہمی منافرت اور فرقہ پرستی سے بیکسر آنکھیں بند کر لینے کی اجازت نہیں دی، عالم اسلام کے مسائل، مسلم ممالک کی صورت حال کی طرف توجہ کرنے، اور اس عام اسلامی بیداری کی (جو اس وقت رباط اور مراکش سے لے کر انڈونیشیا اور بنگلہ دیش تک میں گونج رہی ہے)

اپنی تحریروں، تقریروں اور مجالس مذاکرات میں شرکت کرنے کے ذریعہ حقیر خدمت انجام دینے کے ساتھ وہ کبھی اس شاخ کو فراموش نہیں کر سکا، جس پر اس کا اور ملت اسلامی کے ایک ایسے بڑے خاندان کا نشیمن ہے، جو ذہنی اور عملی صلاحیتوں سے اب بھی محروم نہیں ہوا ہے۔

یہی خیال اور جذبہ تھا، جس نے راقم سطور کو "پیام انسانیت" کی تحریک مشروع کرنے پر (جس کا بظاہر اس کے طبعی ذوق، مطالعہ و تصنیف کے انہماک اور خاندانی خلوت پسندی اور "خود مشغولی" کے ساتھ کوئی جوڑ نہ تھا) آمادہ کیا اور اس نے اپنے محدودے چند رفقاء کے ساتھ ملک کے دورے کئے، بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کیں، اور مختلف مقامات پر سیمینار اور مجلس مذاکرہ منعقد کیں۔

نفقہ، مطلقہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد انگریزی، ہندی پریس، غیر مسلم دانشوروں، اہل قلم اور مختلف پارٹیوں کے قائدین اور رہنماؤں نے جو جذباتی، جارحانہ اور غیر دانشمندانہ ٹیخ اختیار کیا، اور اس کو اکثریت کے وقار اور اس کی بالادستی اور حق آئین سازی کا بلکہ قومیت متحدہ کا نشان اور معیار بنا دیا، اس نے اس حقیقت کی طرف دوبارہ متوجہ کیا کہ ملک کی اکثریت مسلمانوں کے بنیادی عقائد، ان کے دینی و ملی مزاج و فطرت اور ان کے اہم ترین مسائل و جذبات سے اتنی ناواقف ہے جتنے اکثر ایک ملک کے لوگ بھی (نشر و اشاعت سفر کی سہولتوں اور ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرنے کے امکانات کے دور میں)۔

۱۔ تفصیل "کاروان زندگی" جلد دوم باب پنجم ص ۱۰۹-۱۲۷ اور باب سیزدہم ص ۲۲۳ میں گزر چکی ہے۔

دوسرے ملک کے لوگوں کے مسائل و جذبات سے شاید نئے ناواقف نہیں ہوتے، پھر منافرت انگیز لٹریچر، سیاسی پروپیگنڈہ، زہر آلود اور رنگ آمیز تاریخ، نصاب کی کتابوں اور بے تحقیق داستانوں اور کہانیوں کی بناء پر معاملہ صرف منفی ناواقفیت کا نہیں، مثبت نفرت و اشتعال، تحقیر و تذلیل کے جذبہ کا ہے، اس سب کے ساتھ خوف و اندیشہ بھی لاکھوں دماغوں میں جڑ پکڑ چکا ہے۔

”نفقہ مطلقہ“ کے مسئلہ کے افہام و تفہیم کے سلسلہ میں تلخ تجربہ نے اس پر اور بھی آمادہ کیا کہ ہندوستان کے مرکزی مقامات پر خاص طور پر جہاں سے بڑے بڑے انگریزی ہندی کے اخبارات اور رسائل نکلتے ہیں، اور وہ فرقہ پرستی اور جارحانہ ہندو اجماعیت کے اہم رہنماؤں کی سرگرمیوں کا مرکز بھی ہیں، اس مقصد کے لئے ڈائلاگ (DIALOGUE) منعقد کرنے کا پورے اہتمام کے ساتھ اور مؤثر طریقہ پر جلد انتظام کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے دہلی پھر ناگپور اور پونہ پر نظر گئی جن میں سے ایک ہندوستان کا دارالحکومت اور سیاسی و ثقافتی مرکز ہے، بقیہ ڈو. R. S. S. اور شیوسینا کے گڑھ ہیں، پچھلے تجربوں کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ ایسی مجلس نہ کرے اور ڈائلاگ کے لئے محض ضابطہ کے دعوت ناموں اور اخبارات میں اعلان سے کام نہیں چلتا، اس کے لئے شخصی رابطہ قائم کرنے، ملاقاتوں اور تعلقات سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی ضرورت ہے، جہاں تک دہلی کا تعلق تھا، میں نے اور رفیق محترم ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے یہ کام محترم ایدہ صاحب (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے

سپر دیا، جن کو اس طرز فکر اور طرز کار سے پورا اتفاق بھی ہے، اور وہ ایک باوقار شخصیت کے حامل اور دہلی میں مقیم ہیں، اور وہاں کے مختلف حلقوں سے تعارف اور تعلق رکھتے ہیں، ان کی مدد کے لئے قاضی عبدالحمید صاحب انڈری کو چنڈر وڈ دہلی کے قیام پر آمادہ کیا گیا تاکہ وہ ملاقاتوں اور ذاتی رابطہ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ غیر مسلم صحافیوں، دانشوروں اور پارٹیوں کے رہنماؤں کو شرکت پر آمادہ کر سکیں۔

ایک بڑی دشواری اور نزاکت یہ تھی کہ ہم نے اس ڈائلگ کے لئے (ملک کے دوروں اور ناگزیر مصروفیتوں کی بنا پر) ۲۴ مئی ۱۹۸۶ء کی تاریخ مقرر کی تھی، اور اس کے ٹھیک دو دن بعد ۶ مئی ۱۹۸۶ء کو مسلم مطلقہ بل بخت و مباحثہ کے لئے پارلیمنٹ میں پیش ہونے والا تھا، جس نے ہندوستان باخصوص دہلی کی پوری فضا کو گرم، مشتعل اور غیر متوازن بنا رکھا تھا، پھر بھی جدوجہد جاری رکھی گئی، سید حامد صاحب نے ابتدائی تعارف اور تجاویز انگریزی میں مرتب کر لی تھیں، میں نے ”مسلمانوں کے مسائل و جذبات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے“ کے عنوان سے ایک مضمون گل ہند مجلس استحکام و یکجہتی لکھنؤ فورم کی طرف سے مستقل رسالہ کی شکل میں چھپوایا تھا، اور اس کا انگریزی، ہندی ترجمہ بھی چھپا ہوا اور تیار موجود تھا، اس رسالہ میں مسلمانوں کی بنیادی خصوصیتوں (معتن عقیدہ، مستقل دین و شریعت، دینی نسل کی اہمیت، اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید سے مسلمانوں کے بے مثال تعلق) کو بیان کرنے کے ساتھ مسلم پرسنل لا کی اہمیت کی وجہ بیان کی گئی تھی، پھر گاندھی جی کی اس بارخ نظری اور حق پسندی

(مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تائید اور حمایت) کا ذکر کیا گیا جس نے ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد، جنگ آزادی میں باہمی اعتماد، تعاون اور جوش کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آئی تھی نہ اس کے بعد اسی کے ساتھ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی اس اصول پسندی کی مثال پیش کی گئی، جو انھوں نے ۱۹۵۰ء میں کانگریس کے فرقہ پرست عناصر کے مقابلہ میں قائم کی تھی، جو ملک کی قیادت پر حاوی ہو رہے تھے اور اس کے جمہوریت اور رائے عامہ کا نام دے کر اس کا ساتھ دینے کی اپیل کر رہے تھے، انھوں نے ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء کو گاندھی نگر ناسک میں جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا:

کچھ لوگ مجھ سے آکر کہتے ہیں کہ صحیح فلاں بات نہیں مانتا اور جمہوریت کی آواز آگے بڑھ رہی ہے، دراصل یہ بزدلوں کی دلیل ہے، اگر جمہوریت کا مطلب ہجوم کے آگے جھکنے ہے، تو ایسی جمہوریت کو جہنم واصل ہونا چاہئے، اس قسم کی ذہنیت جہاں بھی سراٹھائے گی میں اس کے خلاف لڑوں گا۔

اس کے بعد ہندوستانی پریس اور اخبار نویسوں سے دوستانہ شکایت کی گئی تھی کہ وہ مختلف فرقوں کے جذبات و شکایات، احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کو اپنے صحیح حجم (BULK) اور مقررین و سامعین کے اصل جذبات و کیفیات کے ساتھ، حکومت اور سپیک کے سامنے پیش نہیں کرتے، جس سے وہ صورت حال کا صحیح اندازہ کر سکیں، اس سلسلہ میں میں نے کلکتہ کے

۱۰ ماہوزارہ قومی آواز، لکھنؤ، ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء

شہیدینار کے عظیم الشان جلسہ کی مثال دی، مسلم پرسنل لایبل کے سلسلہ میں پرینے
 جو ONE WAY TRAFFIC کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، اور وہ یک طرفہ ترجمانی
 پڑھ رہے، اس کی شکایت کی۔

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ ساری کوششوں کے باوجود فضا کے غیر معتدل
 (SUB NORMAL) ہونے کی وجہ سے غیر مسلم صحافیوں، دانشوروں، قانون دانوں
 اور پارٹیوں کے رہنماؤں کی شرکت نہ ہونے کے برابر رہی، یہ بھی غنیمت تھا کہ
 جلسہ کی صدارت اندرکار گجرال (سابق سفیر روس) نے کی، جناب کلیر پیر
 صاحب بھی شروع سے آخر تک شریک رہے، جو نسبتاً کھلے دماغ کے اور صاف گو
 صحافی سمجھے جاتے ہیں، مالک رام صاحب بھی شریک اجلاس تھے، اخبار
 STATESMAN کے دو غیر مسلم نمائندے بھی شریک تھے، البتہ مسلمان
 عمائدین کی اچھی تعداد تھی، جن میں جناب ضیاء الرحمن صاحب، نصاری وزیر
 مملکت، بدرالدین طیب جی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی و سابق سفیر ایران
 و جاپان، سید شہاب الدین صاحب ایم پی، احمد رشید شروانی صاحب اور
 حکیم عبد الحمید صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا سید منت الشرح صاحب
 رحمانی بھی تشریف رکھتے تھے، جوان دنوں بل کے پیش ہونے کی وجہ سے دہلی
 ہی میں مقیم تھے۔

یہ ڈائلاگ انٹرنیشنل سنٹر دہلی میں منعقد ہوا تھا اور NON VEGETARIAN اور

لنچ کا بھی انتظام تھا، ایک قابل ذکرات یہ ہے کہ میرے مضمون کا خلاصہ پیش کرنے
 کے وقت کلیر پیر صاحب نے کہا کہ اکثریت کے فرقہ کے لوگ اس ملک میں اپنے کو

محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے گرد گھیرا تنگ و شدید ہوتا جا رہا ہے، چاروں طرف مسلم ممالک ہیں اور خود ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آبادی برابر بڑھ رہی ہے اس پر محترم ضیاء الرحمن صاحب انصاری نے فرمایا کہ یہ تاریخ کا پہلا تجربہ ہے کہ اتنی بڑی اکثریت اپنے کو محصور اور خطرہ میں محسوس کرے۔ اس ڈائلاگ سے اگرچہ وقت اور ماحول کی نامساعدت کی وجہ سے دانشوروں اور صحافیوں کے ایک بڑے حلقہ سے رابطہ قائم کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، لیکن ان حالات میں جو کچھ کیا جاسکتا تھا، کیا گیا۔

ناگپور کا ڈائلاگ

دہلی کے بعد ناگپور کی بازی تھی جو R. S. S. کا ایک بڑا مرکز ہے، جہاں اس کے قائد و روح رواں بالا صاحب دیورس اور مرہٹہ نسل و قومیت کے ہندو اجیائیت کے متعدد پرجوش داعی رہتے ہیں، اس شہر اور صوبہ نے بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر اور اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں اس ملک میں ہندو اقتدار دوبارہ قائم کرنے اور برہمنی تہذیب اور ثقافت کو زندہ کرنے میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا، جس کو احمد شاہ ابدالی کے بروقت اقدام اور حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی فکر مندی اور توجہ نے ناکام بنا دیا تھا۔

ناگپور میں ڈائلاگ منعقد کرنے کا ایک بڑا محرک یہ بھی تھا کہ وہاں ہمارے ممتاز رفیق کار مولانا عبد الکریم پارکھی موجود ہیں، جن کا نہ صرف یہ کہ ملک و ملت کے

مسائل میں ذہن صاف اور ہم سے قریب تر ہے، وہ اپنی اخلاقی بلندی کے لیے تو خدمتِ خلق اور شہر کے امن و امان قائم رکھنے میں ساعی و سرگرم ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں میں بھی مقبول ہیں! اور یہ حلقہ میں وقار و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں! انھوں نے ڈائلاگ کے انعقاد اور اس کو کامیاب بنانے کی ذمہ داری قبول کی، خوش قسمتی سے ان کے فرزند اکبر اکلج عبدالغفور پارکچہ اس کام میں ان سے زیادہ سرگرم اور مستعد ثابت ہوئے اور انھوں نے غیر مسلم حلقہ سے رابطہ قائم کرنے میں اور اس ڈائلاگ کے اغراض و مقاصد کے تعارف میں بڑی صلاحیت کا ثبوت دیا، حقیقتاً اس کی کامیابی کا سہرا انھیں باپ بیٹوں کے سر بندھنا ہے۔

یہ ڈائلاگ ۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ضلع پریشدہاں اولڈ سکرٹسٹ بلڈنگ میں منعقد ہوا، جلسہ کی صدارت ناگیور پونیورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر چانسکر V. C. CHANSARKAR کر رہے تھے، جو ایک مشہور و معزز صاحبِ علم، کئی کتابوں کے مصنف اور R. S. S. کے خاص حامی ہیں، خوش قسمتی سے سید حامد صاحب بھی دہلی سے تشریف لے آئے، انھوں نے ڈائلاگ کے اغراض و مقاصد، تحریکِ پیامِ انسانیت اور اس کے حقیر داعی کے تعارف کا کام اور ملک کی موجودہ خطرناک صورت حال کی تصویر کشی انگریزی میں بڑے اچھے انداز میں کی، اس کی تائید مسٹر چانسکر نے مناسب انداز میں کی، جلسہ میں شہر کے دانشور، رفاہ عامہ کے کاموں میں پیش پیش کارکن، سکھ سماج اور ہندو مسلم معاشرہ میں بعض مقبول شخصیتیں، وسط ہند کے کئی سماجی اداروں کے ذمہ دار، رائیل بودھیک سوسائٹی کے اہم ذمہ دار، چین کی

بودھک عوام کے مسائل میں دل چسپی لینے والے اور چین کے وزیر اعظم چو ائن لائی کے مشیر ہمارا نظر کے مقبول ترین شاعر اور بہارا شاعر اردو اکیڈمی کے صدر مشہور سکھ مذہبی رہنما، بعض مشہور سائنٹسٹ جو اپنی بعض خاص تحقیقات کی وجہ سے نامور ہیں، اور متعدد ماہرین تعلیم شریک تھے، جن سب کے نام لکھنے مشکل ہیں۔ میرا مضمون "ملک معاشرہ انتہائی خطرناک موڑ پر ہے" اور اس کی جلد خبر لینے اور فکر کرنے کی ضرورت ہے" کے عنوان سے طبع شدہ موجود تھا اور اس کا انگریزی، ہندی ترجمہ بھی تیار تھا، وہ دونوں تقسیم کر دیئے گئے، اس مضمون کے چند اہم عنوانات حسب ذیل ہیں۔

"سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ ظلم کا مزاج پیدا ہو جانا اور اس سے بڑھ کر اس کو ناپسند کرنے والوں اور اس کے زوکنے کے لئے جان کی بازی لگا دینے والوں کا فقدان ہے"

"ملک کی سب سے بڑی طاقت اور دولت جن کو اور بے لاگ اور جانناز انسانوں کا وجود ہے"

"انسانیت کا آخری نہارا دو طبقے (سچے مذہبی انسان اور اعلیٰ دانشور) ہیں، جن میں سب سے آخر میں بگاڑ آتا ہے"

"موجودہ دور ہندوستان کی تاریخ میں سب سے خطرناک دور ہے جس میں ملک کا اخلاقی زوال اپنی آخری حد کو پہنچ گیا ہے، قائدین و رہنما اپنے فرقے اور اپنے ساتھیوں کا بے لاگ اخلاقی محاسبہ کرنے اور ان کی خبر لینے کے بجائے دوسرے فرقہ کو وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول ہیں"

آخر میں چار نکاتی ہمہ گیر اور طویل المیعاد پروگرام پیش کیا گیا۔
 مضمون پیش کرنے کے وقت صاحب مقالہ جا بجا زبانی خطاب بھی کرتا رہا،
 اس میں اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس ملک میں ظلم و بربریت، اخلاقی قدروں کی پامالی،
 انسان سوزی اور نسل کشی کا سلسلہ یونہی جاری رہا، اور اس کو روکنے کی کوئی سنجیدہ
 کوشش نہیں کی گئی تو اس ملک کے لئے خطرات اور مسائل ایسی جگہ سے پیدا
 ہوں گے اور اس طرح سے اچانک نمودار ہوں گے کہ نہ کوئی نجومی اس وقت اس کی
 پیشین گوئی کر سکتا ہے، اور نہ کوئی بڑے سے بڑا دوہین، سیاسی مبصران کی خبر
 دے سکتا ہے، میں نے صفائی سے یہ بھی کہا کہ ایک جگہ کے فرقہ وارانہ فساد کے بعد ملک
 میں پیش آنے والے حوادث اور ان کا شکار ہونے والوں کی تعداد پر نظر رکھی جائے تو
 معلوم ہو جائیگا کہ حساب نہ صرف برابر ہو گیا، بلکہ کچھ بڑھ گیا۔

مضمون کے اختتام اور بعض تائیدی تقریروں اور شکر یہ کے بعد حاضرین نے
 پنج من شرکت کی جس کا بڑے سلیقے سے انتظام کیا گیا تھا، معزز حاضرین میں متعدد
 اہم شخصیتیں ملاقات کے لئے آئیں اور انھوں نے اپنے بڑے گہرے تاثرات کا اظہار کیا۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ ملک معاشرہ انتہائی خطرناک موڑ پر“ شائع کردہ تحریک
 پیام انسانیت“ لکھنؤ۔ ۱۹۸۶ء اس کی تازہ اور واضح ترین مثال میرٹھ کا وہ المیہ ہے جو مئی
 ۱۹۸۶ء میں پیش آیا، اور جس کا قدرے تفصیل سے ذکر آگے کسی باب میں آئے گا۔

۲۔ مثلاً بوفیس کا قضیہ جس میں حکومت کے ذمہ داروں پر بڑے پیمانہ پر رشوت لینے کا الزام
 لگایا گیا ہے، اور جس سے ملک میں ایک نئی محاذ آرائی پیدا ہو گئی ہے ایک طرف ہونا ک اور تباہ کن
 سیلاب اور دوسری طرف خطرناک سونکا اور قحط سالی، کانگریس کی صفوں میں انتشار وغیرہ۔

ناگپور میں ایک مختصر ریسی کانفرنس بھی ہوئی، جس میں میں نے کہا کہ آپ اس ملک اور اس کے مستقبل کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، جہاں ایک خاندان کے بزرگ اپنے گھر کے بچوں کو دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے فکر مند اور مغوم ہو جائیں، یہ سوچ کر کہ معلوم نہیں کس وقت جنون کی کوئی لہر آئے اور ان کلیوں کو پھولنے سے پہلے مسل کر رکھ دے اور کہنے والے کو کہنا پڑے۔ ع

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مڑھائے

دوسرے جلسے

ناگپور کے ڈائلاگ سے فارغ ہو کر اس مختصر سے قیام سے (جس کی نوبت دیر میں آتی ہے) فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، جلسہ کے داعیوں اور منتظموں کے ایما پر کئی جگہ خطاب ہوا، جس میں عرب طلبہ سے خطاب (جو ناگپور میں قابل لحاظ تعداد میں ہیں اور ان میں سے متعدد کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ راقم سے پہلے سے واقف تھے) اور خاصی تعداد میں ایپورٹ پر استقبال کے لئے آئے تھے) ایک زنانہ اسکول میں خطاب، پارکیمہ صاحب کے درس قرآن کے شرکاء سے خطاب اور کامٹی کے ایک جلسے عام میں تقریر شامل ہے۔

ناگپور سے میں اور مولانا بید منت اللہ صاحب رحمانی رفقاء سفر کے ساتھ برہان پور گئے، جہاں شب میں مسلمانوں کے ایک بڑے جلسہ میں خطاب کیا گیا، اور پرنس لال بورڈ کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی، اگلے دن وہاں کے علماء اور سربراہ اور وہ حضرات کے مشورہ سے قاضی شہر مقرر کرنے کا موقع ملا، مولانا تو وہاں سے پٹنہ

کے لئے روانہ ہو گئے، میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ قصبہ دھارنی گیا، جو مہاراشٹر میں
 مدھیہ پردیش کی سرحد پر واقع ہے، یہاں کچھ عرصہ پیشتر ایک عربی مدرسہ بھی قائم کیا گیا
 اور پیام انسانیت کے لئے قضا بھی تیار ہوئی، غیر مسلم باشندگان قصبہ نے ایک بڑی
 تعداد میں ہم لوگوں کا استقبال کیا، پھر پیام انسانیت کے نام اور نسبت پر ایک
 بڑے جلسہ کا اہتمام کیا، جس میں بڑے اچھے جذبات اور خیالات کا اظہار کیا گیا،
 اور اس سے ان اطراف میں کام کی زمین تیار نظر آئی۔

پونہ

ناگیور کے ڈائلاگ میں ہمارے ایک عزیز دوست انیس ہشتی صاحب بھی
 شریک تھے، انہوں نے آئندہ ڈائلاگ کے لئے پونہ کی دعوت دی، جو (غالباً ہندو
 اجیائیت اور فرقہ وارانہ ذہنیت کا صرف مہاراشٹر میں نہیں ہندوستان میں
 سب سے بڑا مرکز ہے) انیس ہشتی صاحب ایم، اے، بی ایڈ پونہ کے مولیدینہ جو نیر کالج
 میں اردو کے لیکچرر ہیں، ان کی دل چسپی کا خاص میدان اردو خطاطی ہے، وہ اردو
 کتابت کو کمپیوٹرائز کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو قوتِ عمل اور
 تنظیمی صلاحیت سے نوازا ہے، ڈائلاگ کے لئے ۲۱ فروری ۱۹۸۷ء کی تاریخ مقرر
 ہوئی، انیس صاحب نے اس ڈائلاگ کو کامیابی کے مراحل تک پہنچانے کے لئے
 غیر معمولی جدوجہد کی، انہوں نے پہلے مرحلہ میں اپنے شاگردوں کی مدد سے
 اپنے ہاتھ سے ڈیڑھ ہزار خطوط لکھ کر پیام انسانیت کے تعارفی واؤچر کے
 ساتھ پونہ کے بڑے اداروں، سرکاری اور غیر سرکاری افسران، کارپوریٹرز،

ممبران اسمبلی، وزراء اور سماجی و تعلیمی کارکنوں کو روانہ کئے، اس خط پر ان کے علاوہ متعدد غیر مسلم معززین، سماجی کارکنوں، نیز اہم مسلمان شخصیتوں کے دستخط تھے، دوبارہ ڈائلاگ کی اہمیت و افادیت اور موضوع کے بارہ میں ان اصحاب کو مطلع کیا گیا، جن کی طرف سے حوصلہ افزا جوابات آئے تھے، ذاتی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا، پولیس، پولیس، سیاست دانوں سے رابطہ بھی قائم رکھا گیا، متعدد ہندی، مرہٹی اور انگریزی اخبارات، نیز ریڈیو اور ٹی وی نے اس بارہ میں تعاون اور دل چسپی کا اظہار کیا، آریہ سماج کے سابق صدر اور لائسنز کلک کے سکریٹری مسٹر اوجول ناوڑے نے ڈائلاگ کو کامیاب بنانے میں خاص دل چسپی کا اظہار کیا۔

جلسہ

راقم نے اس جلسہ کے لئے اپنا کلیدی مضمون "ملک کے بہی خواہوں کے سوچنے اور کرنے کی باتیں" کے عنوان سے تیار کر لیا تھا، ۲۱ فروری کو ٹھیک، پمبے مرہٹہ جمیس آفٹ کامرس پونہ کے ہال میں (MAHARASHTRA HERALD) کے ایڈیٹر مسٹر ایس۔ ڈی واگھ (S. D. WAGH) کی صدارت میں جلسہ کا آغاز ہوا، مسٹر اوجول ناوڑے نے جلسہ کو کنڈکٹ کیا، سید حامد صاحب نے جو دہلی سے تشریف لائے تھے، انگریزی میں مناسب و مؤثر انداز میں صاحب مقالہ کے خاندانی ماحول اور اس کے تاریخی پس منظر کو بیان کیا، اور واضح الفاظ میں کہا کہ "مولانا اگر چاہتے تو آرام کے ساتھ کسی گوشہ میں اپنا علمی و تصنیفی کام کر سکتے تھے، مگر حقائق

وحالات نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلم اور غیر مسلم دانشوروں اور سماجی کام کرنے والوں کے ساتھ مل بیٹھ کر معاشرہ اور ملک کو تباہی اور اس کشتی کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے جس پریم سوار میں نے تکلّفانہ تبادلاًء خیال کریں اور اس بحران (CRISIS) سے کامیابی سے گذر جانے کی تدبیریں سوچیں، مقالہ کا ترجمہ مرہٹی اور انگریزی میں تیار تھا جو حاضرین میں تقسیم کر دیا گیا، ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا، اور سب ہمتن گوش اور سراپا توجہ تھے۔

مقالہ کے اہم نکات

مضمون میں سب سے پہلے معتدل اور پرسکون فضا کی اہمیت و ضرورت بتائی گئی تھی، جو ہر تعمیری، اصلاحی، علمی و ادبی یہاں تک کہ دینی اور مفید سیاسی کام کے لئے شرط ہے اور جس کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا، پھر ملک معاشرہ پر ایک حقیقت پسندانہ نظر ڈالی گئی، اور اس کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا گیا اور صفائی سے کہا گیا کہ اس وقت انسانی اور اخلاقی قدریں بالکل بے اثر ہو گئی ہیں، بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی اپنا کام نکال لینا چاہتا ہے اور ہماری یو۔پی کی زبان میں "اپنا آٹو بیدھا کر لینا چاہتا ہے" چاہے کسی کی جان جائے، یا کسی کے بچے مر جائیں، انسان انسان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اس کی جان، عزت کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی، پھر صفائی سے کہا گیا کہ ان حالات میں ملک رہیگا نہیں، چاہے اس کی پشت پر امریکہ ہو، چاہے روس ہو، اگر اپنا گھر ہم خود بگاڑ دیں گے تو کوئی دوسرا اس کو سنبھال نہیں سکتا، اپنا گھر اپنے ہی ہاتھ سے بنتا ہے۔

وحشیں وحشتوں ہی سے نہیں ٹکراتیں، وحدتیں بھی وحدتوں سے ٹکراتی ہیں، وہ وحدت (UNIT) جس کی اساس غلط ہو، جو اخوتِ انسانی اور عبودیتِ ربانی (خدا کی بندگی اور غلامی) پر قائم نہیں، جو حقوق و فرائض کی صحیح تقسیم و توازن، خوفِ خدا، اور انسانی جان و مال کے احترام پر قائم نہیں، وہ وحدت خطرناک ہے، جو دانہ اپنی لڑی سے جدا ہو وہ اپنے حدود میں محدود نہیں رہتا وہ ٹکرائے گا ضرور پیغمبروں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ یہ دانے انسانیت کی لڑی میں پروئے رہیں، ٹوٹنے نہ پائیں، شیطان نے کوشش کی کہ یہ دل نہ بکھریں اور ایک دوسرے سے ٹکرائیں، ہر فرد کی قسمت دوسرے فرد سے وابستہ ہے، اگر کوئی خرابی کسی معاشرہ (سوسائٹی) یا ملک میں پیدا ہو اور آدمی سمجھے کہ ہماری بلا سے اہم تو اس سے محفوظ ہیں، اگر فلاں شہر میں، ملک کنی ایک ریاست میں آدمی کو مار رہا ہے، لوگوں کے گھر جلائے جا رہے ہیں، یکہ و تنہا مسافر کو چھرا گھونپا جا رہا ہے تو کیا حرج ہے، تو اس معاشرہ یا ملک کا انجام وہ ہوگا، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کشتی کی مثال دے کر بیان کیا اور جس کی مثال مجھے اصلاحی ادب ہی میں نہیں ادبیاتِ انسانی (WORLD LITERATURE) میں بھی نہیں ملی۔

آپ کی دی ہوئی مثال کو کھول کر بیان کیا جائے تو یوں کہا جائیگا کہ اس کشتی میں دو طبقے ہیں، ایک بالائی (UPPER CLASS) ایک زریں (LOWER CLASS)۔

کچھ مسافر اوپر کے طبقہ میں ہیں جن کو ہم بالائین (UPPER CLASS PASSENGERS) کہہ سکتے ہیں، کچھ حصہ زریں کے لوگ ہیں جو عام طور پر غریب غریب ہوتے ہیں، میٹھے پانی کا انتظام اوپر کیا گیا ہے (اوپر کلاس والوں کی رعایت بھی زیادہ کی جاتی ہے) نیچے والے

موجود ہیں کہ پانی لینے اور جائیں، پانی کی فطرت ہے کہ چھلکتا ہے، اچھلتا ہے، پھر کشتی خود ایک متحرک چیز ہے، ان لوگوں کی ہزار احتیاطوں کے باوجود پانی چھلکتا ہے، پانی پہچانتا نہیں کہ فلاں امیر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، یہ تو اب صاحب کے کپڑے پھیلے ہوئے ہیں، ایک مرتبہ ہوا ڈو مرتبہ ہوا، چار مرتبہ ہوا، آخر میں آپر کلاس کے ان مسافروں سے برداشت نہیں ہو سکا، انھوں نے کہا صاحب ایہ تماشہ ہم نہیں دیکھ سکتے، پانی یہ لے جائیں اور پریشان ہم ہوں ہم پانی نہیں لے جانے دیں گے، نیچے والوں نے کہا کہ پانی کے بغیر تو گزارا نہیں، اب ہم اگر اوپر سے پانی نہیں لاسکتے تو ہم کشتی میں نیچے ہی سوراخ کر لیتے ہیں، بیٹھے بیٹھے ہی اپنے برتنوں میں پانی بھر لیا کریں گے ہمیں کسی کا احسان نہیں لینا پڑے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ان بالائشینیوں کی عقل پر پتھر نہیں پڑے ہیں اور ان کی شامت نہیں آئی ہے تو وہ خوفناک کریں گے، ہاتھ پکڑیں گے اور کہیں گے کہ نہیں بھائی! تم اوپر ہی سے پانی لے جاؤ لیکن خدا کے لئے یہ غضب نہ کرو کہ نیچے نیچے سوراخ کر لو، اس لئے کہ کشتی ڈوبے گی تو پھر سب کو لے کر ڈوبے گی، نہ اوپر والے بچیں گے نہ نیچے والے۔

آج ہمارے ملک کی کشتی میں کتنے سوراخ کئے جا رہے ہیں، ہر شخص اپنی محدود غرض کو دیکھتا ہے، اس نے دوسروں سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، ہم بھی اس حقیقت سے اگر آنکھیں بند کر لیں گے، کشتی میں کسی دوسری جگہ سوراخ ہونے سے ہمارا کیا بگڑتا ہے، تو پھر اس کشتی کی خیر نہیں۔

پھر اس مضمون میں صوفیائے کرام کے کچھ اقوال پیش کئے گئے جن پر عمل کر کے ہم پھر امن و سکون، باہمی اعتماد و احترام اور لطف و مسرت کی زندگی

گزار سکتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا یہ مقولہ پیش کیا گیا کہ ”دیکھو اگر کسی نے ایک کانٹا رکھا اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے، اور اگر اس نے کانٹا رکھا اور تم نے پھول رکھا تو پھول رکھے جانے شروع ہو جائیں گے، کانٹے کا علاج کانٹا نہیں ہے، کانٹے کا علاج پھول ہے“ ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگوں کا اصول تو یہ ہے کہ ٹیڑھے کے ساتھ ٹیڑھا اور سیدھے کے ساتھ سیدھا اور ہمارا اصول یہ ہے کہ سیدھے کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھے کے ساتھ بھی سیدھا“

بادشاہوں، فاتحین عالم اور مادی طاقت رکھنے والوں کا اس اصول پر عقیدہ و عمل تھا کہ ”نہ ہے بانس نہ بچے بانسری“ اور اہل محبت کا اس اصول پر عمل تھا کہ ”بانس بھی ہے اور بانسری بھی“ صرف اس کا نغمہ بدل جائے، اس سے پہلے اس سے نفرت و عداوت کے گیت نکلتے تھے، اب محبت اور شکر و اعتراف کے گیت نکلتے لگیں، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے کوئی عقیدہ آپ کی خدمت میں اپنے شہر کا مشہور تحفہ قینچی لے گئے، حضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ ”ہمارا کاٹوٹے ہوئے دلوں کے چوڑنے اور لوگوں کو لوگوں ملانے کا ہے توڑنے اور بچاڑنے کا نہیں، ہمارے لئے قینچی کے بجائے سوئی کا تحفہ لائے ہوتے تو مناسب تھا“

پھر عرض کیا گیا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ کسی قوم کا اخلاقی زوال پہلے شروع ہوتا ہے، سیاسی زوال بعد میں آتا ہے، ہندوستان آج اسی منزل سے گذر رہا ہے، وہ شدید اخلاقی زوال سے دوچار ہے، اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں کینیا کماری سے لے کر سری نگر تک کوئی آواز بلند کرنے والا نہیں کہ اخلاق درست کرو، انسانیت کا سبق پڑھو، ملک کو بچاؤ، یہ کہنے والے ہزار ہیں کہ ہماری پارٹی میں آؤ

فلاں کی قیادت تسلیم کرو، اس کا شکوہ نہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہو رہا ہے، سب کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ غلط صحیح ہونا ہے، ہمارے جھنڈے کے نیچے اور ہمارے زیر اقتدار ہو، کوئی خدا لگتی سچی بات کہنے والا، دکھتی رگ پکڑنے والا، بیماری کی جگہ پر انگلی رکھنے والا، اپنے فرقہ اور اپنی جماعت پر بے باک تنقید کرنے والا، اس کو غلطی پر ٹوکنے والا موجود نہیں، جو کھڑا ہوتا ہے، دوسرے فرقہ یا جماعت یا حلقہ کو بڑی قیامت سے مشورہ دینے لگتا ہے، ہر ایک اپنے طبقہ کے بارہ میں ہوشیار اور لائق وکیل (ADVOCATE) اور دوسرے طبقہ یا فرقہ کے بارہ میں تھانہ دار اور خدائی فوجدار (PUBLIC PROSECUTOR) نظر آتا ہے۔

میں ایک مذہبی انسان اور تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ہمارے گناہ اور ظلم کے نتیجہ میں آسمانی آفتیں آتی ہیں، خدا یہ دکھاتا ہے کہ مالنے کا سامان ہمارا پاس تم سے زیادہ ہے، جب بھی ظلم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو میں ڈرجانا ہوں کہ کوئی قدرتی تازیانہ انسانوں کی طرف نہ بڑھے۔

آخر میں مایوسی اور منفی طرز فکر سے بچانے کے لئے کہا گیا کہ:-

”خدا کا شکر ہے ہمارا ملک سویا ہے، مرا نہیں ہے، سویا ہوا جگایا جاسکتا ہے، لیکن مرا ہوا جلایا نہیں جاسکتا، ہم کٹی بار سوئے کٹی بار جاگے، یہ انسانیت کٹی بار سوئی کٹی بار جاگی، اور جاگی تو ایسی جاگی کہ اپنے سونے کی سب تلافی کر دی“

ایک گھنٹہ کا یہ مقالہ بڑے سکون و توجہ سے سنا گیا، درمیان درمیان میں زور زور

سے تالیاں بجا کر سامعین اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کرتے، آخر میں صدر جلسہ ہمارا انشور ہرلڈ کے ایڈیٹر مسٹر ایس، ڈی واگھ نے صدارتی تقریر کی، جس میں مقالہ کے مرکزی مضمون

اور روح کی پرزور تائید کی گئی، اور کہا گیا کہ حالات سنگین ضرور ہیں، لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، اگر انسانیت کا یہ پیغام دیہاتوں دیہاتوں پہنچا جائے تو اس کے حوصلہ افزا نتائج نکلیں گے، مولانا صاحب جیسے انسانوں کی ہمارے مہلج کو بہت ضرورت ہے۔“

مسٹر واگھ کی تقریب کے بعد حاضرین ڈنر کے لئے اٹھ گئے، کھانے کے دوران بڑی تعداد میں لوگ اپنے تاثرات کا اظہار کرتے رہے، شہر کے معززین، جماعتوں کے قائدین اور دوسرے فرقوں کے ذمہ دار شریک محفل اور یک زبان تھے، دوسرے دن ریڈیو نے سات منٹ تک ڈائلاگ کے اقتباسات نشر کئے، اور جلسہ کی کارروائی دی، انگریزی، مرہٹی اور ہندی اخبارات نے صفحہ اول پر تصویر کے ساتھ جلسہ کی کارروائی نشر کی، اور مقالہ کے اہم حصے شائع کئے۔

دوسری مجالس

پونہ میں ہمارا قیام تین دن رہا، ان تین دنوں میں پونہ کالج، طلبیہ کالج، مولدینہ ہائی اسکول، اشبان المسلمین، عرب طلبہ، گیان پرلودھن مسجد مومن پورہ، مسجد تنبولیان میں خطابات ہوئے۔

مومن پورہ میں عوامی اجتماع کے علاوہ آرا، ایس، ایس کے ادارہ، گیان پرلودھنی کے طلبہ اور ذمہ داروں کا بھی خطاب ہوا، ایک پروگرام قیام گاہ سے متصل مقامی ہائی اسکول میں تعلیمی و تربیتی موضوع سے متعلق تھا، پونہ کالج کے ہال میں مسلم ایڈوکیٹس سے خطاب تھا، دوسرے کے قریب و کلاء موجود تھے، ان کو یاد دلا گیا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد تحریک آزادی

بلکہ تعلیمی، تعمیری اور سماجی تحریکوں کی قیادت زیادہ تر قانون دان طبقہ نے کی، اس لیے کہ قانون سے واقفیت نے ان کے اندر خود اعتمادی اور جرأت پیدا کر دی تھی، تحریک آزادی کے نمایاں ترین قائدین مسلم و غیر مسلم قانون دان طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، مسلمانوں میں بھی مسلم و کلاء تعلیمی و سماجی کام کے میدان میں پیش پیش تھے، اس سلسلہ میں مقرر نے شمالی ہند کے ممتاز قومی کارکن قاضی محمد عدیل عباسی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ذاتی جدوجہد سے دینی تعلیم کے لئے خود کفیل مکاتب بڑی تعداد میں قائم کئے، پھر ہندوستان کے تمام علماء اور سماجی کارکنوں کو جمع کر کے اس کا اکیلا اہمیت اور نئے نصابِ تعلیم اور سرکاری اسکولوں پر انحصار کرنے سے آئندہ نسل کے ذہنی اور تہذیبی ہی نہیں، اعتقادی اور ایمانی ازنداؤ کا جو خطرہ واقع بن کر سامنے آ گیا ہے، اس سے خبردار کیا، اور اتر پردیش میں وہ عظیم دینی تعلیمی تحریک چلی جس کے نتیجے میں دس ہزار کے قریب خود کفیل اسلامی مکاتب قائم ہوئے جن میں ہزاروں طلبہ تعلیم پاتے ہیں، افسوس ہے کہ اب کلاء اپنے پیشہ میں اتنے مصروف ہو گئے ہیں، کہ انھوں نے مفید تحریکات کی قیادت اور عوام سے اپنا رابطہ ختم کر لیا، اب یہ طبقہ اپنے کو کامیاب بنانے اور زندگی کے معیار کو بلند کرنے میں ایسا مصروف ہے کہ اجتماعی جدوجہد اور عوامی قیادت میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، آپ کی وابستگی مسلم معاشرہ سے بہر حال رہے گی، اگر یہ معاشرہ پُر امن اور خوش حال ہے تو آپ بھی عزت و آرام اور امن و سکون سے رہیں گے، اگر یہ معاشرہ خطرہ میں ہے، اور معاشرہ کے تعلقات ایک دوسرے سے صحیح نہیں ہیں، تو آپ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے، ملک آپ کی اخلاقی رہنمائی کا منتظر ہے، اخلاقی، روحانی اور سماجی خدمات کا میدان خالی ہے، اس ملک میں اگر مسلمانوں کو

عزت و قیادت مل سکتی ہے، تو وہ خدمت کے میدان ہی سے مل سکتی ہے۔
 آپ کا ایک ہم فریضہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے قوانین کا گہرائی سے مطالعہ کریں،
 اور اپنے مضامین و مقالات سے بارالسیوسی ایشین عدالتوں اور علمی مجالس و میناروں
 میں ثابت کریں کہ ان کے اندر زمانہ کے تقاضوں کی تکمیل کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے
 کوئی دن خالی نہیں جانا کہ انگریزی اور ہندی اخبارات میں اسلام اور اسلامی
 قوانین کے خلاف کوئی مضمون، ادارہ یا مراسلہ نہ شائع ہوتا ہو، آپ اس پر نظر
 رکھیں اور ہر وقت ان کا نوٹس لیں، مسلم پرسنل لا کی برتری اور زندگی کے تقاضوں
 کے ساتھ اس کی فطری ہم آہنگی کو ثابت کریں۔



لہ پونہ کے ڈاکٹر اور سفر کی روئیداد میں مولوی نذرا کھنڈ ندوی کے اس سلسلہ مضامین
 سے استفادہ کیا گیا، جو "تعمیر حیات" مارچ ۱۹۸۶ء میں بالاقساط شائع ہوا۔

باب ہشتم

رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس

مولانا حسرت موہانی مرحوم کا مشہور شعر ہے ۵
 ایک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی
 ہے مشقِ سخن جاری، چلکی کی منققت بھی
 راقم سطور اس حد تک "اجتماعِ ضدین" کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اس کو کبھی
 جیل جانے اور چلکی کی منققت برداشت کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی ۵
 یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
 ہر تدعی کے واسطے دارورسن کہاں؟

لیکن خاندانی اثرات اور جس گزروہ اور ادارہ (ندوۃ العلماء) سے وابستگی
 اور انتساب ہے اس کا یہ اثر ضرور پڑا کہ سفروں اور دوروں کی کثرت، ملک ملت
 کے حالات و مسائل سے گہری دل چسپی اور فکر مندی، "پیامِ انسانیت" کی دعوت،
 مشترک اجتماعات اور ڈائلاگس کی مصروفیت کے ساتھ اس کو اپنے عہد کے
 ادبی رجحانات اور تحریکات کے مطالعہ اور ان کے مسلمانوں کی نئی نسل اور علم
 و ادب کے انتقال رکھنے والے حلقوں کے ذہن پر منفی و مثبت اثرات کا جائزہ
 لیتے رہنے، ادب و شاعری اور فکر و تحقیق کے دین و اخلاق سے آزاد ہو جانے،

بلکہ ان کے خلاف محاذ آرائی اور نبرد آزمائی کے مضمرات و خطرات سے آگاہ رہنے، اور ان کا نوٹس لینے سے کبھی فرصت نہیں ہوئی اور اس کو اس نے کبھی نظر انداز نہیں کیا، اسی مطالعہ اور جائزہ اور اسی ادراک و شعور نے گونا گوں ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے ساتھ عالمی رابطہ ادب اسلامی کی صدارت اور ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کا تذکرہ اس جلد کے ابتدائی صفحات میں تفصیل سے گذر چکا ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ ندوۃ العلماء میں

۷، ۸، ۹ جنوری ۱۹۸۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رابطہ ادب اسلامی کی پہلی کانفرنس ہوئی، اس میں رابطہ کے دستور اساسی کو آخری شکل دی گئی، تنظیمی انتخابات ہوئے اور خاکسار کو تاجیات اس کا صدر منتخب کیا گیا، اور نام مندوبین نے ندوہ کے اساتذہ، کارکنان اور طلبہ کا شکریہ ادا کیا، اس موقع پر ایک شعری نشست میں عرب شعراء خاص طور سے ڈاکٹر علی رضا عدنان نجوی اور ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح نے منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا۔

اس کانفرنس میں عالم عربی کے معروف ادیب شاعر عمر بہاء الامیری خاص طور سے شریک ہوئے، افتتاحی اجلاس میں بڑی پریزینٹیشن تقریر کی، مقالات کی نشست میں مقالہ بھی پیش کیا، پاکستان میں ایک عرصہ تک سفیر رہنے کی وجہ سے وہ اردو بھی جانتے ہیں اور اقبال کے کچھ اشعار کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے، قطر کے اجاء الترات الاسلامی کے ڈاکٹر شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری بھی خاص طور سے شریک ہوئے،

ان کے علاوہ سعودی عرب، قطر، بحرین، یمن، مصر، شام، فلسطین، حبشہ، مراکش اور بنگلہ دیش کے ادباء، شعراء، اہل قلم اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ شریک ہوئے، ہندوستان سے مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ، دہلی یونیورسٹی، بنارس یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی، کالی کٹ یونیورسٹی، کیرالا، دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ العلماء کے اساتذہ ادب شریک ہوئے۔

اس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں میں نے ہندوستان کا اسلامی ادبی اسکول کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا عرب ممالک اور دوسرے اسلامی ممالک میں بدقسمتی سے دینی مختصر ادب کے میدان سے دور ہو گیا ہے لیکن ہندوستان کا اردو ادب اس سے مستثنیٰ ہے، یہاں اللہ کا کرم ہے، اردو زبان و ادب کے اساطین وہی رہے ہیں جو اسلامی علوم و فنون میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے، میں نے اپنے مختصر مقالہ میں علامہ شبلی، مولانا حالی، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور دوسرے ادباء و شعراء کے مختصر تذکرے، ان کی اسلامیت کی طرف اشارے کئے، اور عرب حاضرین اس سے خاص طور سے متاثر ہوئے، اس تاثر کا اثر اب تک باقی ہے، چنانچہ ادب اسلامی جے پور کے سینار میں عربوں نے اردو کے ذخیرہ ادب اسلامی کے عربی ترجمہ کا مطالبہ کیا۔

ندوۃ العلماء کے بانیوں اور اس کے خدام کے اخلاص کی برکت ہے کہ رابطہ ادب اسلامی کی قیام اور اس کی پہلی کانفرنس عالم عربی سے بہت دور لکھنؤ میں ہوئی، میں نے اس کانفرنس کے مندوبین کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستان میں ایشیائی تنظیم کا اجلاس ہو، یا غیر جانب دار ممالک کا کوئی اجتماع ہو

یہ تعجب کی بات نہیں، تعجب و تہنیزات یہ ہے کہ ادب اسلامی کی ایک بین الاقوامی تنظیم قائم ہو جس میں عرب ممالک کے چوٹی کے اساتذہ و ماہرین فن شریک ہوں، اس کی پہلی کانفرنس ہندوستان میں ہو اور اس کا صدر دفتر بھی یہیں قائم ہو، یہ محض اللہ کا فضل ہے، اور اس ادارہ کے بانیوں اور خادموں کی مخلصانہ کوششوں کا ثمرہ۔“

جامعہ ہدایت جے پور میں رابطہ کا سیمینار

۲۲/۲۳ جون ۱۹۸۶ء میں رابطہ ادب اسلامی کی مجلس اُمتاء (BOARD OF TRUSTEES) کی ہونشست استنبول (ترکی) میں ہوئی، اس میں ۱۹۸۶ء میں ادب اسلامی کی ہندوستانی شاخ نے ہندوستان کے کسی مقام پر اسلامی ادب و مغربی و ادبی تحریکات کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے لئے ہندوستان کے متعدد مقامات زیر غور آئے، لیکن مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مجددی بانی جامعہ ہدایت جے پور کی دعوت کی بناء پر اور ان کے احترام میں جے پور کو ترجیح دی گئی، اور ۱۷/۱۸ فروری ۱۹۸۶ء کو وہاں سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

راجستھان کی راجدھانی جے پور میں (جو خود ہندوستان کا ایک تاریخی اور خوبصورت شہر ہے) ۱۷/۱۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں جے پور شہر سے چند میل کے فاصلہ پر شاہ صاحب نے اپنے جد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ہدایت علی صاحب مجددی کی یادگار میں ان کے نام پر جامعہ ہدایت کی بنیاد ڈالی، زمین طرف سے خشک پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی سرسبز و شاداب وادی میں (جو حجاز کی پہاڑیوں

اور وادیوں کی یاد تازہ کرتی ہے) دسمبر ۱۹۸۹ء میں اس جامعہ کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں دوسری ریاستوں کے بھی ممتاز علماء و ماہرین تعلیم و دانشور جمع ہوئے تھے، اس موقع پر جب اس وادی ہدایت میں راقم نے قدم رکھا تھا، جس کو اس عام اجلاس کی صدارت کے فرائض بھی انجام دینے تھے، تو اس منظر کو دیکھ کر کہ پہاڑوں کے درمیان ایک غیر آباد علاقہ میں خدا کے ایک مخلص بندہ اور صاحبِ عزیمت انسان کی عالی نظری اور اولوالعقاب کے طفیل جامعہ ہدایت کی شاندار عمارت کھڑی ہوئی ہے، بے اختیار مولانا اسلم جیرا چوری مرحوم کا یہ شعر زبان پر آ گیا، اور اسی سے راقم نے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔

عزمِ راسخ ہے نشانِ قیس و نشانِ کوہ کن

عشق نے آباد کر ڈلے ہیں دشت کو ہزار

اب یہ وادی وادی علم و ہدایت بن گئی ہے، اور جامعہ کی وسیع شاندار اور خوبصورت عمارتوں اور وہاں رہنے والے طلبہ و اساتذہ کی وجہ سے "جنگل میں منگل" کا سماں نظر آتا ہے۔

اس مذاکرہ علمی کا اہتمام رابطہ کی ہندوستانی شاخ نے کیا تھا، اور صرف ہندوستانی اہل قلم اور اساتذہ ادب کو دعوت دی گئی تھی، لیکن رابطہ ادب اسلامی کے عرب ممالک کے دفتر (ریاض سعودیہ عرب) کی طرف سے جامعہ الامام محمد بن سعود یونیورسٹی کے ادب عربی کے پروفیسر اور رابطہ کے نائب صدر ڈاکٹر عبدالقدوس البوصاح سیمینار میں شرکت کے لئے جے پور

تشریف لائے، وہ مذاکرہ علمی کی کارروائیوں میں اول سے آخر تک شریک رہے، مذاکرات و بحث و مباحثہ میں حصہ لیا، تقریر بھی کی اور اپنا قضیہ بھی سنایا، نوٹس بھی لیتے رہے اور بڑے ممنون و مسرور واپس ہوئے، تقریباً پچاس کی تعداد میں ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ ادب اور دوسرے اہل قلم شریک ہوئے، وادی ہدایت کے روح پرور ماحول اور ایک بزرگ کی سرپرستی اور توجہ نے اس میں "نور علی نور" کا کام کیا، ہندو بین دور دراز مقامات سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اپنے خرچ سے آئے تھے اور انھوں نے بڑے ذوق و شوق اور یکسوئی کے ساتھ (جو اس وادی ہدایت میں اختیار ہی واضطراری دونوں طور پر حاصل تھی) آخر تک شریک رہے۔

اس اجلاس کی پانچ نشستیں ہوئیں، پہلی نشست میں عزیز بی مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی (سکرٹری رابطہ) نے رابطہ ادب اسلامی ہند کی رپورٹ پڑھ کر سنائی اور کام میں جو پیش رفت ہوئی اور جو کام پیش نظر ہیں، اس سے آگاہ کیا، صدر مجلس استقبالیہ (مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب) کی جانب سے خطبہ استقبالیہ پیش کیا گیا، اس میں ادب کی قوت اور اثر آفرینی کی وضاحت کے ساتھ أفصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے چند شہ پاروں کا حوالہ دینے کے بعد فرمایا گیا کہ ہم کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ انسان کی خوبیوں اور صالح قدروں کو تباہ کرنے کے لئے کہاں کہاں اور کیا کاہن ہو رہا ہے؟ پھر آپ نے مغرب سے درآمد کئے ہوئے رجحانات و نظریات کی طرف اشارہ کیا۔ سینار کی نشستوں میں بڑی تعداد میں جو مقالات پڑھے گئے، ان میں سے

چند کے موضوعات لکھے جاتے ہیں، تاکہ ان سے سینار کے بحثوں کی رنگارنگی اور فکر و نظر کے دائرہ کی وسعت و نشادابی کا اندازہ ہو۔

”تیرہویں صدی میں اسلامی ادب کی اردو میں نشاندگی“ از ڈاکٹر عبدالشعباس ندوی سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، اس میں حضرت محسن کاکوروی کے قصیدہ مدیح خیر المسلمین کی فکری و فنی خوبیوں کو نمایاں کیا گیا، اور اعتراضات کا جائزہ لیا گیا، ”مغربی ادب کے خدو و خال اور اسلامی ادب“ از ڈاکٹر محمد راشد ندوی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ”عربی اسلامی ادب اور تحقیق نصوص کا مغربی فن“ از ڈاکٹر عبدالباری شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ”مغربی ادبی تحریکوں کا نظریاتی پس منظر“ از ڈاکٹر محمد محسن عثمانی ندوی، ریڈنہرو یونیورسٹی دہلی، ”اسلامی ادب اور کچھ دوسرے ادبی نظریے“ از مولوی سعید الرحمن ندوی، ”اسلامی ادب اور جدید ادبی تحریکیں“ از سید محی الدین سابق ڈپٹی سیکریٹری حکومت یو، پی، ”اسلامی ادب اور رومانی ادب کا تقابلی مطالعہ“ از ڈاکٹر سید ابراہیم ندوی، صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، ”انشزاکیت نے ادب کو کیا نقصان پہنچایا؟“ از ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ندوی ریڈر شعبہ اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس، ”عربی مقالہ“ موقف الادب الاسلامی من الجنس“ (جنس کے بارہ میں اسلامی ادب کا رویہ) از ڈاکٹر عبدالقدوس البوصلاح، ”جدید مغربی ادبی مکاتب خیال پر تنقید“ از پروفیسر ڈاکٹر عبدالکلیم ندوی (نہرو یونیورسٹی دہلی) عربی مقالہ ”الإنسان فی العلم الحدیث وموقف الأدب الاسلامی“ از سید

جعفر مسعود ندوی "الأدب الروحاني والادب الإسلامي" از فرید احمد ندوی "اسلامی ادب میں منتشر فن کی خدمات" از صاحبزادہ شوکت علی خاں، ڈاکٹر عربک اینڈ پرنسپل ریسرچ انسٹیٹیوٹ، ٹونک "وجودیت کا ادبی تجزیہ" از محمد فیضان بیگ استاد جامعہ ملیہ، دہلی "اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بچوں کا ادب" از مولوی نذرا حفیظ ندوی "مغربی ادبی تحریکات کے مطالعہ اور تجزیہ کی ضرورت" از بہاء الدین سلیمان متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء "آبادی کے تخیل کا جدید مغربی اصول اور کی عہد کی مسلم آبادی" از ڈاکٹر بسین منظر صدیقی ندوی ریڈر شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

سیمینار کو مولوی نور عظیم ندوی نے بڑی خوبی سے کندھ لکھا گیا۔

مغربی فکر و ادب کی بے راہ روی خامی نارسانی کا بنیادی سبب

راقم نے اس سیمینار کی افتتاحی نشست کے آخر میں جو تقریر کی تھی اور جس میں مغرب کے پورے فکر و فلسفہ پر ایک ناقدانہ تبصرہ تھا، وہ یہاں پیش کی جاتی ہے۔

"ایک چیز جو ہر وقت ہمارے سامنے اور کم از کم اس سیمینار میں پیش نظر رہنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ مغرب کی بے راہ رویوں، خامیوں اور نارسائیوں کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب، نوری نبوت سے محرومی، نبوت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو ظن و تخمین سے نکال کر یقین تک پہنچاتی ہے اور مغرب اپنی تمام ترقیات اور تمام فتوحات کے باوجود اس پورے سفر میں نوری نبوت سے محروم رہا۔"

قرآن مجید کی دو آیتیں اس وقت مجھے یاد آ رہی ہیں جن میں مغرب کی صاف تصویر نظر آتی ہے اور ان میں مغربی ذہن کی نقاب کشائی کی گئی ہے عربی دہلی حضرات ادبی ذوق رکھنے والے اور قرآن کی زبان و بیان سے مناسبت رکھنے والے ان آیتوں اور ان کے الفاظ کے آفاق و اعماق تک پہنچنے کی کوشش کریں گے میں ان کا صحیح اور مکمل ترجمہ کرنے سے قاصر ہوں ان دو آیتوں میں ایک سورہ نمل کی یہ آیت ہے :-

بَلِ اِذْ رَكَ عَلَيْهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ
 بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ
 مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت
 کے بارہ میں بلکہ یہ لوگ اس سے
 شک میں مبتلا ہیں بلکہ یہ اس سے

(سورہ نمل - ۶۶) اندھے ہو رہے ہیں۔

میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، منزل قرآن اور صاحب قرآن سے تو معذرت کی جہت نہیں کر سکتا، لیکن قرآن کی بلاغت اور قرآن کے اعجاز سے معذرت کے ساتھ میں ”بَلِ اِذْ رَكَ عَلَيْهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ“ کا ترجمہ کرتا ہوں کہ ان کا علم نیچے ہو گیا، آخرت کے بارہ میں اور مجھے مغرب کی صورت حال اور اس کے علمی و اختراعاتی سفر کی اس سے بہتر تشبیہ نظر نہیں آتی کہ جیسے کوئی کار چل رہی ہو اور اچانک اس میں کوئی ایسا نقص پیدا ہو جائے کہ اس کی تمام توانائیاں ختم ہو جائیں اس کے لئے نیچے سے بہتر کوئی لفظ نہیں ذرا دیکھئے اور غور کیجئے کہ وہ علم جو اچھا خاصا چل رہا تھا، اطمینان سے سفر طے کر کے آیا تھا، جس نے عقلیات پر، طبیعیات پر، ریاضیات پر، اور مابعد الطبیعیات تک میں

اپنی فکر کی جولانی اور ذہن کی تابانی دکھائی، وہی علم جب واجب الوجود کی ذات و صفات تک پہنچا، اور آخرت یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کے مرحلہ تک پہنچا تو "ادْرَاكَ عِلْمُهُمْ" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اچانک بہت سے ہوا نکل گئی، اس آیت کے بعد کے الفاظ میں مغرب کی مختلف ذہنی کیفیات یا مختلف طبقات کی تصویر نظر آتی ہے کہ "بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا" وہ اس کے بارہ میں شک میں مبتلا ہیں "بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ" بلکہ وہ اس کے معاملہ میں بالکل بے بصرو بے بصیرت ہیں۔

دوسری آیت جس کو امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "النبوات" کی گویا اساس بنایا ہے، یہ ہے :-

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ
وَلَمَّا بَاءَ نَقْمًا وَبِيلًا
(یونس - ۳۹)

بلکہ انھوں نے جھٹلا دیا ان چیزوں
کو جن کا ان کے علم نے احاطہ
نہیں کیا۔

مغرب کی یہ خام خیالی ہے کہ جو مشہور نہیں، وہ موجود نہیں، موجودات کو مشہورات میں محدود کرنا یہ علم انسانی اور عقل انسانی کی شدید کمزوری ہے، جسے مغرب نے علمی رنگ دے دیا ہے اور یہ انسان کی بڑی بد قسمتی ہے، بلکہ انسانیت کے حق میں زیادتی ہے اور فیض الہی سے محروم علم اور نبوت میں یہی فرق ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت ہی سادہ لفظوں میں بیان کیا ہے :-

أَلْحَاقُوا مِنِّي إِلَهًا وَقَدْ
هَذَا مِنْ عَدُوِّكُمْ (الانعام - ۸۱)

تم مجھ سے کٹ جتنی اور بکت کر رہے ہو
خدا کے بارہ میں؟ جبکہ وہ مجھے

ہدایت سے نواز چکا، جب وہ میرا
ہاتھ پکڑ کر اس راستہ پر لگا چکا تو
اس میں شک یا کلام کی گنجائش
کہاں؟

کوہ صفا کی تقریر کا حاصل بھی یہی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
پہاڑ کی چوٹی پر تھے، اور لوگ نیچے وادی میں، آپ نے کہا اگر میں یہ کہوں کہ اس
پہاڑ کے پیچھے ایک فوج چھپی ٹھہری ہے اور وہ کسی آن حملہ کر سکتی ہے تو کیا آپ لوگ
میری تصدیق کریں گے؟ عرب فلسفہ و تمدن میں مغرب سے پیچھے تھے، لیکن عقل سلیم میں
ان سے بہت فائق ثابت ہوئے، انھوں نے دیکھا کہ بات ایسا یا شخص کہہ
رہا ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے، آگے بھی دیکھ سکتا ہے، اور پیچھے بھی دیکھ سکتا ہے،
پھر وہ کبھی غلط بات بھی نہیں کہتا، انھوں نے صفائی کے ساتھ کہہ دیا ہم ضرور
تصدیق کریں گے! وہ عرب اپنی سلامت فہم سے وہاں پہنچ گئے، جہاں یونان
وروم نہیں پہنچ سکے اور جہاں مغرب آج تک نہیں پہنچ سکا، انھوں نے
فوراً یہ فیصلہ کیا کہ محض اس بنیاد پر جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں کہ ہم نہیں دیکھ
سکتے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مغربی افکار و نظریات اور اسلامی حقائق و عقائد
کے درمیان جب بھی تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اس فرق کو ضرور ملحوظ
رکھنا چاہئے، اس کے بغیر وہ سررشتہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیگا، جس سے
ہم اصل حقیقت تک پہنچ سکیں!

دنیا کی علمی، فکری اور ادبی قیادت مسلمانوں کا منصب و فریضہ
 سینار کی آخری نشست میں جو اختتامی تقریر کی گئی اس کے کچھ
 منتخب حصے یہاں پیش کئے جاتے ہیں کہ اس میں ایک اہم حقیقت کی طرف
 توجہ دلائی گئی اور بتایا گیا ہے کہ دنیا کی علمی و فکری قیادت امتِ اسلامیہ
 ہی کا منصب اور حق ہے اور اس سے اپنے کو سبکدوش سمجھ لینے سے دنیا کو
 اور خود اس کو کیا نقصان پہنچے گا؟

إِلَّا تَقْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي
 الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (انفال: ۲۳)
 اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں
 فتنہ اور فساد کبیر رہا ہوگا۔

حضراتِ انسل انسانی کی طرف زندگی کے استحقاق کو دوبارہ واپس
 لانے کی ذمہ داری اللہ نے اس چھوٹے سے مجموعہ (مہاجرین و انصار کی برادری
 پر جس کے افراد کی تعداد اس وقت دیرپھ دو ہزار انسانوں سے زیادہ نہ تھی)
 پر ڈالی ہے اور فرمایا ہے کہ دیکھو اگر تم نے اس وقت اخوتِ اسلامی کا رشتہ
 قائم نہ کیا، پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر دنیا کو ہلاکت کے غار سے دور لے جانے اور
 اس پوری نسل انسانی کو خود کشی سے باز رکھنے کی جدوجہد نہ کی، اس کے لئے ہاتھ پاؤں
 نہ مارے تو دنیا کی قسمت میں آخری تفاوتِ ہلاکت و بربادی لکھ دی گئی ہے، تاریخ
 گواہ ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت نے اس اہم ترین اور نازک ترین ذمہ داری کا
 حق ادا کر دیا۔

اسے کتاب میں شامل کرتے وقت اس برجستہ تقریر میں کچھ اضافہ اور تنقیح سے کام لیا گیا ہے۔

یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ یہ اس وقت ممکن ہوا جب یہ جماعت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی اور اس نے دنیا کے سامنے زندگی کا ایک نیا نقشہ پیش کیا، اس کے ساتھ مجھے اجازت دیجئے کہ میں یہ کہوں کہ اس نے عالم انسانی کی اور نسل انسانی کی ایمانی و اعتقادی، علمی و فکری، ثقافتی و تمدنی قیادت کی ذمہ داری قبول کی، حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر امتیں دنیا کے نقشہ اور تقدیر انسانی میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتیں، جب تک وہ اپنے کو اس کا اہل ثابت نہ کریں کہ وہ ایمان و یقین کی دولت بھی دے سکتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی کا ایک نیا نقشہ بھی پیش کر سکتی ہیں، اور صرف انسانی جسموں کو نہیں بلکہ انسانی ذہنوں کو، انسانی توانائیوں کو، انسانی صلاحیتوں کو، انسانی ذہانتوں کو، انسان کی تخلیقی طاقتوں کو اور اس کے ذوق و ادب کو بھی ایک نیا رخ (صالح و تعمیری) دے سکتی ہیں۔

یہ چھوٹا سا مجموعہ جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا اہل قرار دیا کہ وہ اب نسل انسانی کی کامل قیادت کرے گا، یعنی وہ دنیا میں صرف ایک معاشرہ کی بنیاد ہی نہیں ڈالے گا (خواہ وہ معاشرہ اپنے خصائص میں کیسا ہی ممتاز کیوں نہ ہو) بلکہ وہ اب پوری نسل انسانی کی فکری، ذہنی، علمی، ادبی، تعلیمی، تربیتی اور تمدنی قیادت بھی کرے گا، اور اُس نے اس کو ثابت کر کے دکھا دیا، مسلمانوں نے صدیوں تک دنیا کے ایک بڑے حصہ کی نہ صرف سیاسی و انتظامی قیادت سنبھالی، بلکہ علمی و فکری قیادت بھی سنبھالی، کم سے کم ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کے حملے تک کلی طور پر اور اس کے بعد جزئی طور پر وہ نہ صرف ایمان و اخلاق

اصلاحِ حال اور دینِ حق کی دعوت کے تنہا علمبردار رہے، بلکہ علمی و فکری، تعلیمی، ادبی و تمدنی رہنمائی کے بھی اہل تھے، اور انھوں نے ان میدانوں میں بھی اپنی اہلیت، خلوص، اور جذبہٴ خدمت کا ثبوت دیا۔

میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کو اپنی سیاسی و جنگی بالائری اور وسیع سلطنتوں کے ساتھ معاصر دنیا اور اقوامِ عالم میں علمی و فکری برتری بھی حاصل رہی، امتِ اسلامیہ برابر ایسے اشخاص پیدا کرتی رہی جو اپنے علمی ذوق و عشق، جذبہٴ قربانی، تصنیفی انہماک اور تحقیقی معیار میں اپنے عہد میں واضح امتیاز و تفوق کے مالک تھے، ائمہ مجتہدین اور اصحاب صحاح حدیثین سے قطع نظر کہ ان کی نظیر امتوں اور ملتوں میں بھی نہیں ملتی، ایسے سرآمد روزگار علماء اور یگانہ عصر ماہرین فنون متکلمین اور مصنفین پیدا ہوتے رہے، جن کی نظیر معاصر اور ہمساہیہ اقوام میں نظر نہیں آتی اگرچہ پچھلی صدی ہجری پر نظر ڈالیں گے تو امام ابو الحسن اشعری، قاضی ابوبکر باقلانی، شیخ ابواسحق اسفرائینی نظر آئیں گے، اگر پانچویں صدی پر نظر ڈالیں گے تو علامہ ابن حزم اندلسی، امام غزالی اور اگر آٹھویں صدی میں آئیں گے تو امام فخر الدین رازی نظر آئیں گے، اگر آپ ساتویں، آٹھویں صدی میں آئیں تو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابراہیم الشاطبی (صاحب المواقفات) نظر آئیں گے، نویں صدی ہجری میں امام فن حدیث

امام غزالی کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی لیکن ان کے علمی کارناموں اور تصنیف و تحقیق

کا زمانہ پانچویں صدی ہی ہے۔ ۱۲ امام رازی کی وفات ساتویں صدی کے اوائل ۶۰۶ھ

میں ہوئی، لیکن ان کی علمی سرگرمیوں اور محنتوں کا زمانہ چھٹی صدی ہی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی اور دسویں صدی میں علامہ شمس الدین سخاوی اور علامہ جلال الدین سیوطی جیسے علوم دینیہ کے بزرگوار اور اسلام کے مصنفین کی نظر آئیں گے اور یہ تسلسل برابر باقی رہتا ہے، گیارہویں اور بارہویں صدی کے دور انحطاط میں بھی ہندوستان جیسے (مرکز اسلام اور علوم اسلامیہ سے دور) خطہ میں ملا محمود جوہپوری، اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے مجتہد الفتن اور نادرہ روزگار علماء و مصنفین نظر آتے ہیں۔

یہ تو ان شخصیتوں کا ذکر ہے جنہوں نے عقائد، علم کلام عقل و نقل کی تطبیق اور علوم شرعیہ کے میدان میں اپنی ذہانت اور حافظہ، مطالعہ کی وسعت اور فکر و نظر کی گہرائی کا نقش قائم کیا، لیکن دنیا کی علمی و فکری قیادت کے لئے اتنا کافی نہیں، مسلمانوں نے جغرافیہ، طبیعیات، نباتیات، ریاضیات، طب، علم الکیمیا، فلسفہ، تاریخ، مذاہب، تہذیبوں اور مختلف فلسفوں کے مطالعہ اور نقد و تنقید میں بھی ایسے اشخاص پیدا کئے، جنہوں نے صدیوں تک ان فنون میں دنیا کے علمی حلقوں کی رہنمائی کی اور وسیع پیمانہ پر علمی دنیا پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے، مثلاً محمد بن محمد الادریسی صاحب کتاب الممالک و المسالک، محمد بن الہیثم، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، محمد بن جابر البتانی، ابو بکر الرازی، ضیاء بن بیطار، شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا ابن خلدون اور ابو الریحان البیرونی۔

ادب و شاعری میں بھی ایسی عبقری (GENIUS) شخصیتیں پیدا ہوئیں

جن کا اثر دلوں اور دماغوں، طرز فکر، بیان و تعبیر اور اسلوب پر صدیوں تک

۱۵۲۱ء سے اب تک میں بھی استیعاب کے کام نہیں لیا گیا، جو نام متحضر تھے وہ بطور نمونہ ذکر کر دیئے گئے۔

قائم رہا، ان میں مولانا جلال الدین رومی، شیخ سعدی، حافظ شیرازی، حکیم سنائی اور امیر خسرو کا نام لیا جاسکتا ہے، خاص طور پر مولانا روم اور ان کی مثنوی کا اثر سب سے زیادہ گہرا دیرپا اور وسیع ترین دائرہ میں رہا، اس سے ادبِ شاعری، فلسفہ اور علمِ کلام یکساں متاثر ہوئے اور وہ صدہا تشنگِ طبیعتوں بلکہ اتحادِ ولادینیت سے متاثر ذہنوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنی۔

اگر اس امت نے "احتسابِ کائنات" کا فریضہ چھوڑ دیا، اگر اس نے اپنے کو عالمِ انسانی کی علمی و فکری قیادت سے سبکدوش کر لیا تو یہ نوعِ انسانی کے حق میں جرم اور خود اپنے اوپر ظلمِ عظیم ہوگا، اس لئے اگر آج ہمارے اہلِ علم، ہماری جامعات کے فضلاء، ہمارے ادباء و شعراء، اہلِ قلم اور اہلِ فکر اپنے گوشہٴ عاقبت میں بیٹھ جائیں، یا اپنے حصار کے اندر مطمئن ہو جائیں، اور نوعِ انسانی کی علمی و فکری قیادت کا کام چھوڑ دیں تو نوعِ انسانی کا بھی خوار ہوگا، وہ ملک بھی نقصان اٹھائے گا اور خود وہ بھی اپنی دعوتِ ایمانی اور صدقِ اصلاح کو محدود سے محدود تر بنا دیں گے۔

حضراتِ مستشرقین کا تذکرہ اس مجلس میں بار بار ہوا، یہ صحیح ہے کہ ان یورپی علماء و محققین نے مشرقی زبانوں میں بڑی محنت سے کام لیا اور نمایاں مقام حاصل کیا ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان محنتوں کا بہت بڑا محرک مغربی نوآبادیوں کا وجود تھا، اور وہ بلغار تھی جو مغربِ مسلسل مشرق میں کر رہا تھا، اس کے لئے ایک علمی و تصنیفی ہراول دستہ (PIONEER FORCE) کی ضرورت تھی، دراصل مستشرقین یہی کام کرتے تھے، وہ مفتوح قوموں کی تہذیب اور

علمی سرمایہ ان کے سامنے رکھتے تھے، ان کی کمزوریاں اور خامیاں بیان کرتے تھے اور ان مفتوح قوموں میں احساس کمتری اور مرعوبیت، دین کے اصلی و قدیم مراجع و ماخذ (SOURCES) کے بارہ میں شکوک و شبہات اور اپنے اسلاف کے بارہ میں بے اعتمادی و تحقیر پیدا کرتے تھے، لیکن جب نوآبادیوں کا نظام ختم ہوا تو میں ایک ایسے طالب علم کی حیثیت سے جس کو بار بار یورپ جانے کا اتفاق ہوا ہے، آپ سے عرض کرتا ہوں کہ استشرق کے اندر جو جوش و خروش تھا اس کے اندر جو محنت کا جذبہ تھا، اس کے اندر جو بلند ہمتی تھی، اس میں بہت بڑا فرق پڑ گیا، آج یورپ و امریکہ میں استشراتی کام بہت کمزور پڑ گیا ہے، اور اب اس پایہ کی چیزیں سامنے نہیں آرہی ہیں جو اس سے پہلے آئیں، مستشرقین کی کامیابی کا بہت بڑا راز یہ تھا کہ وہ ایک موضوع کو اپنی زندگی بھر کا موضوع بنا لیتے تھے اور اس میں جذبہ ہو جاتے تھے، اس کے نتیجے میں وہ اس پر حاوی ہو جاتے تھے، لیکن ان کو یہ سمجھنا کہ وہ ہمہ داں تھے، بڑے غمگین عالم تھے، یہ بات صحیح نہیں، میں یورپ کے چوٹی کے ڈونین مستشرقین سے ملا ہوں اور مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ صرف اس موضوع سے واقف ہیں، جس پر یہ اس وقت اسٹڈی کر رہے ہیں یا کوئی کتاب لکھ رہے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں خود ہمارے بڑے بڑے ہندوستان میں ایسے تحقیقی کام ہوئے ہیں، جن کی مثال یورپ و امریکہ میں ملنی مشکل ہے، اور ہمارے یہاں جن لوگوں نے علمی ذوق سے کام لیا ہے اور شمع علم کے پروانے بن گئے ہیں، انھوں نے تحقیق کے ایسے نمونے پیش کئے ہیں جن کی مثال مغرب میں نہیں ملتی۔

میں مثال کے طور پر علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ”خیام“ کا ذکر کرتا ہوں، ان کی یہ کتاب اپنے موضوع پر آخری کتاب ہے، علامہ اقبال نے اس کے پڑھنے کے بعد کہا کہ اب اس سے بہتر کتاب لکھنی مشکل ہے، اور علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا فرما دینا سید سلیمان ندوی سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟ اسی طرح علامہ شبلی کی ”شعر العجم“ کی (حافظ محمود خاں شیرانی کی تنقیدوں کے باوجود) مثال نہ ایران کے ادب میں ملتی ہے، نہ ہندوستان کے ادب میں، اسی طرح سے میں کئی کتابوں کے نام لے سکتا ہوں، مولانا سید سلیمان ندوی کی ”عرب و ہند کے تعلقاً“ اور عربوں کی جہاز رانی، مولانا شبلی کی ”الجزیة فی الاسلام“ کتب خانہ اسکندریہ اور مولانا حکیم سید عبدالحی کی ”الثقافة الاسلامیة فی الہند“ اور ”نزہة الخواطر“ اپنے موضوع پر بے مثال کتابیں ہیں۔

لیکن میں آپ سے معذرت کرتے ہوئے یہ کہوں گا (اور یہ ایک دوستانہ شکایت ہے) کہ ہماری جامعات (یونیورسٹیوں) میں وہ اوریجنل، وسیع اور وسیع علمی کام نہیں ہوا جو ہونا چاہئے تھا اور جس کی توقع کی گئی تھی، جہاں تک انگریزی زبان کا تعلق ہے، سید امیر علی کی SPIRIT OF ISLAM کے بعد اس وقت تک کوئی طاقت ور کتاب اہل زبان کی قدرت و بلاغت کے ساتھ اسلام کے تعارف میں نہیں لکھی گئی۔

اسی طرح ہماری یونیورسٹیاں آج بھی براؤن کی

(A LITERARY HISTORY OF PERSIA) نکلن کی کتاب (A LITERARY

HISTORY OF THE ARABS) پڑھانے پر مجبور ہیں، ہٹی (HITTI) کی

کتاب 'A SHORT HISTORY OF THE ARABS' سے آج تک مدد لے رہے ہیں، ہمارے اساتذہ جامعات اور فضلاء نے کوئی کتاب نہیں پیش کی جو ان کتابوں کی قائم مقام ہو جس کو یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جائے، یا تدوین فقہ و حدیث کی تاریخ پر کوئی کتاب شناخت اور گولڈنر وغیرہ کی گمراہ کن کتابوں کا بدل بن سکے۔

یہ ایک بہت بڑا خلا ہے جس کو پُر ہونا چاہیے، اور اس بات کی طرف توجہ دلانے کا بہترین موقعہ رابطہ الادب الاسلامی کا یہ اجلاس ہے، اس میں ہماری جامعات کے اساتذہ آئے ہوئے ہیں، ان کے سامنے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے فضلاء کو علمی و فکری قیادت کی ذمہ داری بھی قبول کرنی چاہیے اور ادبی و فنی قیادت کی بھی، اگر ہم نے یہ ذمہ داری نہ سنبھالی تو ہم اپنی ملت کو بھی نقصان پہنچائیں گے اور نئی تعلیم یافتہ نسل کو بھی، یاد رکھئے کوئی ملت اس وقت تک اعزاز و احترام کی مستحق نہیں ہوتی جب تک کہ وہ علمی و فکری اور ادبی و فنی طور پر خود کفیل نہ ہو، بلکہ دوسروں کے دل و دماغ پر اثر ڈالنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو، آج کا جو "معمار حرم" ہو گا جو جاہلیتِ علمیہ سے اس پوری نسل انسانی اور تمدن انسانی کو نکالنے کی سعادت حاصل کرے گا، اس کو علم سے، ادب سے اور قلم کی طاقت سے مسلح ہونا پڑے گا، آج کا دور علم کا دور ہے، تعلیم کا دور ہے، تصنیف و تالیف کا دور ہے، تحقیق اور نقد و احتساب کا دور ہے، نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، اس میں بھی قلم کو ذریعہ تعلیم بتایا گیا "الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" ان کی اس امت کو بھی صاحبِ قلم اس و قلم

اور معلم الامم ہونا چاہئے، وہ دانشوروں کی معلم ہے، فلسفیوں کی معلم ہے،
مدارس اور دانش گاہوں کی معلم ہے، اور ادب اور ادبی رجحانات اور ادبی افکار
کی نگراں و محتسب ہے، اور پورے عالم کی ذہنی و فکری قیادت کی ذمہ دار ہے۔

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزی افزنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز!



باب نهم

بلیشیا کا سفر اور وہاں کی مختلف مجالس، اداروں اور تنظیموں میں خطاب

بلیشیا کا سفر اور اس کی دعوت و تحریک

بلیشیا جس کو پہلے ملایا کہتے تھے، خلیج بنگال کے مشرق میں ایک جزیرہ نما کی صورت میں واقع ہے، اس کے قرب و جوار میں متعدد خطے ہیں، جو جزیروں پر مشتمل ہیں اور مشرق بعید کا جزو سمجھے جاتے ہیں، بلیشیا اس خطہ کے مغربی پہلو میں واقع ہے، اس کے پڑوس میں اہم ملک انڈونیشیا، فلپائن، یورنیو، برما، تھائی لینڈ وغیرہ ہیں، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، راقم سطور کے بیرونی سفروں کا ٹیخ زیادہ تر شمال و مغرب کی طرف رہا، جو ممالک اسلامیہ عربیہ میں ابجز اثر اور مراکش و رباط اور

۱۔ بلیشیا کے جغرافیائی، سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کی تفصیلات، آبادی کا تناسب اور مسلم اکثریت (جو بہت تھوڑے فرق کے ساتھ اکثریت کا حکم رکھتی ہے) کے خصائص اور اس کی دینی و تعلیمی سرگرمیوں کا مختصر تعارف رفیق سفر مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی کے مفصل مقالہ میں دیکھا جائے جو ماہنامہ "ذکر و فکر" دہلی، محرم، صفر ۱۴۰۸ھ (ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۶ء) کے شمارہ (۵-۶) میں شائع ہوا ہے۔

غیر اسلامی ممالک میں یورپ و امریکہ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، جنوب میں ایک مرتبہ سری لنکا، اور مشرق میں ایک مرتبہ برما، ایک مرتبہ بنگلہ دیش جانا ہوا۔

ملیشیا کے متعدد نوجوانوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی اور وہ اپنے صلاح و صلاحیت میں ممتاز رہے، انڈونیشیا کے بھی متعدد ندوی نوجوان فضلاء نے قرب مکانی اور زبان کے اتحاد و مناسبت کی وجہ سے ملیشیا ہی کو اپنی دینی و تعلیمی سرگرمیوں کا میدان بنایا، اس ملک میں ان دنوں اسلام سے دل چسپی اور اسلامی اخوت کا احساس بڑھا ہوا ہے، ندوی فضلاء نے بھی اپنی سنجیدگی، ثقافت اور جذبہ عمل سے وہاں کے اسلامی اور دعوتی حلقوں میں اچھا مقام پیدا کر لیا ہے، اور ان کو وہاں کی اسلامی تنظیموں اور تحریکوں کا خاصہ اعتماد حاصل ہو گیا ہے، ایک سال قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ڈاکٹر مولوی نذرا حفیظ ندوی و مولوی شمس الحق ندوی نے اس ملک کا دورہ کیا تھا، ان کے دورہ اور تعارف کی وجہ سے بھی وہاں ہمیں اس ملک کا دورہ کرنے کی دعوت دینے کا مزید تقاضہ پیدا ہوا، ملیشیا کے ندوی فضلاء نے مقامی جماعتوں اور تنظیموں سے مل کر ان کی طرف سے اور خاص طور پر وہاں کی سرگرم اسلامی تنظیم ایبیم (ABIM) کی طرف سے دعوت نامہ بھیجوا یا، اور اپنے تعلق کی بناء پر اصرار اور تمنا سے کام لیا، یہ تنظیم اسلامی تخیل و مقاصد رکھنے والی اور جدید خطوط اور ذہن کے مطابق دعوت کا کام کرنے والی غالباً ملک کی سب سے زیادہ بااثر جماعت

لہ یہ ملیشیا کی زبان کے الفاظ کا مخفف ہے، جس کا ترجمہ ”مسلمان نوجوانوں کی تنظیم“ سے کیا جاسکتا ہے۔

ہے، وہ کھلا ہوا ذہن رکھتی ہے، موجودہ حالات اور درپیش خطرات کا اس کے کارکنوں میں شعور پایا جاتا ہے اور انھیں کے مطابق وہ اپنی پالیسی مرتب کرتے ہیں، اس کے سابق صدر انور براہیم اس وقت جدید کابینہ میں وزیر تعلیم بھی ہیں، ملک کی دوسری اسلامی تنظیموں "الحزب الاسلامی" وغیرہ اور مختلف مقامات پر دعوتی و تبلیغی کام کرنے والے حضرات نے بھی اس سفر اور اس کے پروگراموں کو کامیاب بنانے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں تعاون اور اس سے دل چسپی کا اظہار کیا، ان عزیز داعیوں اور کام کا نقشہ بنانے اور رفاقت کرنے والوں میں ڈونڈوی فضلاء احمد فہمی زمزم انڈونیشی اور محمد علی حبیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دہلی سے کوالالمپور

ملیشیا کے سفر میں رفاقت کے لئے اصلاً عزیز مولوی محمد رابع ندوی کا انتخاب کیا گیا تھا، جن سے ملیشیا کے ندوی فضلاء اور نوجوانوں کا خصوصی ربط بھی تھا، اور ان میں سے اکثر کا ان سے تلمذ اور استفادہ کا رشتہ بھی، لیکن اپنی معذوریوں، ضعف اور عمر کے تقاضہ کی بنا پر یہ تجربہ ہوا کہ طویل سفروں میں ڈور فٹق زیادہ مناسب ہوتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ساہا سال پہلے اس کی تاکید کی تھی کہ بیرونی سفروں میں ڈور فٹق ضرور ہوا کریں، اس وقت تو اس کی افادیت اور اہمیت واضح نہیں ہوئی تھی، لیکن اب اس ہدایت و مشورہ کی قدر آتی ہے،

اس سفر میں خدا کی طرف سے یہ غیبی مدد ہوئی کہ عزیز سیّد غلام محمد حیدر آبادی کی جو عرصہ دراز سے جدہ ایرپورٹ پر بحیثیت انجنیر کے کام کر رہے تھے، اور اس زمانہ میں اپنے وطن حیدر آباد آئے ہوئے تھے، رفاقت حاصل ہو گئی، ان کی عرصہ سے خواہش تھی کہ بیرونی دعوتی سفروں میں ان کو بھی رفاقت کا موقع ملے، ان کو جب اس پروگرام کا علم ہوا تو انھوں نے مخلصانہ اور رضا کارانہ طریقہ پر خود اپنے مصارف پر رفاقت کی پیش کش کی جو راقم نے ان سے خصوصی مناسبت اور اپنی ضرورت کی بنا پر بخوشی منظور کی۔

پنجشنبہ ۲ اپریل ۱۹۸۷ء کو دہلی سے ایروقلوٹ (روسی کمپنی کے جہاز) سے صبح ہم تینوں بلشیا کے دارالسلطنت کو الالمپور کے لئے روانہ ہوئے کہ یہی جہاز اس روز دہلی سے براہ راست بلشیا کے دارالسلطنت کو جاتا تھا، کو الالمپور ایرپورٹ پر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی واقع کو الالمپور کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالرؤف مصری اور داعیوں کے نمائندہ اور متعدد دندوی فضلاء موجود تھے جن میں خاص طور پر قدح کے تعلیمی ادارہ جمعیتہ التریبۃ الاسلامیہ کے مدیر شیخ نعمت یوسف بلشیشی اور دندوی فضلاء شامل تھے، داعیوں کے اثر رسوخ کی بنا پر کارروائی میں وقت صرف نہیں ہوا، اور دن کے ڈھائی بجے قیام گاہ پر پہنچ گئے (بلشیا اور ہندوستان کے درمیان ڈیڑھ گھنٹے کا فصل ہے، جو گریانی وقت کے لحاظ سے ایک گھنٹہ مزید بڑھا کر ڈھائی گھنٹے کا رکھا گیا ہے) دہلی سے کو الالمپور تک سفر میں اصلاً تو پانچ گھنٹے صرف ہوئے لیکن مقامی وقت کے فرق سے وہ ساڑھے سات گھنٹے شمار ہوئے، ہم لوگ صبح کو چلے ہوئے،

بعد ظہر پہنچے۔

کو الہی پور تقریباً دس لاکھ آبادی کا اور بلیشیا کا سب سے بڑا شہر ہے، اپنی صفائی، نظم و ضبط اور تمدنی معیار کے لحاظ سے وہ یورپ کے کسی متوسط شہر سے کم نہیں ہے، اس کا ایر پورٹ بھی یورپ کے ایر پورٹوں کے معیار اور حال کے مطابق ہے، عمارتوں، سڑکوں، بازاروں اور مواصلات اور صفائی و نظم کے لحاظ سے بھی شہر کا یورپ جیسا معیار ہے، البتہ چونکہ آبادی کی اکثریت مسلمان ہے، اس لئے مسلمانوں کے انداز و اخلاق کا مظاہرہ ملا، جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کو زبان کے فرق کو مستثنیٰ کر کے وہاں کوئی اجنبیت نہیں معلوم ہوتی اور زبان کا فرق بھی تعلیم یافتہ طبقہ میں انگریزی کی مشترک واقفیت کی بنا پر معلوم نہیں ہوتا۔

کو الہی پور پہنچنے کے دن کوئی باقاعدہ پروگرام نہیں رکھا گیا تھا، لیکن بعد مغرب میزبان حضرات جو "ایم" کے عموماً ذمہ دار حضرات تھے ملنے آگئے، ان کے ساتھ ایک دوستانہ نشست رہی، حاضرین کے داعیانہ مقام و کام کے لحاظ سے مسلمان داعی کے اخلاق و صفات اور دین و دعوت کے اصول و فہم کے سلسلہ میں اسلام کی دعوتی تاریخ کی بعض روشن مثالوں کے حوالہ سے کچھ عرض کیا گیا، گفتگو اور انفرادی تعارف پر مجلس پر خاست ہوئی۔

نرنگانہ کا سفر اور وہاں کے خطابات

اگلے روز ۳ اپریل کا پروگرام بلیشیا کے شمال مشرقی صوبہ نرنگانہ جازے کا

رکھا گیا تھا، جہاں صبح طیارہ سے جا کر شام کو والا پور واپس آنا تھا، فاصلہ تقریباً ڈھائی سو میل کا ہے، صبح سویرے ہی ترنگانو کے صدر مقام کو الازنگانو کا سفر ہوا، وہاں ایک اہم داعی شخصیت شیخ عبدالہادی الحاج اوانج کی ہے، جنہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے وطن میں دعوتی و تربیتی کام کے ذریعہ اچھا رسوخ حاصل کر لیا ہے، ہر جمعہ کو وہاں کی بڑی مسجد میں ان کا خطاب ہوتا ہے، جس میں قرب و جوار سے اچھی تعداد آ کر شریک ہوتی ہے، شیخ عبدالہادی نے پہلے سے ہماری آمد کا اعلان کر رکھا تھا، اس لئے مجمع خاصہ تھا، نماز جمعہ سے پہلے میرا عربی میں خطاب ہوا جس کی ترجمانی ملیشی زبان میں خود شیخ عبدالہادی نے کی، خطاب کا عنوان ”إلى الإسلام من جديد“ (اسلام کی طرف بازگشت تھا) جس میں مختلف مثالوں سے بتایا گیا کہ ہر چیز کی الگ افادیت اور ضرورت ہوتی ہے، اور اسی کے اعتبار سے اس کی قدر و قیمت معین کی جاتی ہے، حاضرین کو سمجھانے کے لئے ہاتھ میں جو عصا تھا، اور گھڑی کی مثال دے کر بتایا گیا کہ اگر یہ اپنا کام نہ کریں اور ان سے وہ فائدہ حاصل نہ ہو جن کے لئے ان کی صنعت عمل میں آئی ہے تو یہ بالکل بیکار ہیں، اور ان کے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، پھر بتایا گیا کہ اُمت مسلمہ کی تخلیق اور اس کے انتخاب و اعزاز کی وجہ کیا ہے؟ اس کا کیا منصب اور کیا فرائض ہیں؟ اور اس عہد اور پھر خود اس ملک کو اس کی کیا ضرورت ہے، اور اگر وہ اپنا فرض منصبی ادا نہ کرے تو اس سے زندگی میں کیا خلا پیدا ہوتا ہے، اور ملک و معاشرہ کن خطرات سے دوچار ہوتا ہے۔

پھر بتایا گیا کہ اگر مسلمان صحیح طرز زندگی اور اخلاق و معاشرت اختیار کریں تو اس کا ملکی و مقامی معاشرہ پر کیا اثر پڑے گا، اس سلسلہ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب غیر مسلموں کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے والے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں، ہم زبان و ہم وطن و ہم نسب، بچھڑے ہوئے بھائیوں سے (معاہدہ صلح کی بناء پر جب جان کا کوئی ڈر نہیں رہا تھا) آزادانہ ملنے جلنے اور قریبے ان کے اخلاق اور ان تبدیلیوں کو دیکھنے کا موقع ملا جو قبول اسلام اور صحبت نبوی کی برکت سے ان میں رونما ہوئی تھیں اور جن میں وہ اپنی اور ان کی زندگی میں خون زبان اور تہذیب و معاشرت کے اشتراک کے باوجود زمین و آسمان کا فرق دیکھتے تھے، تو وہ اس سے متاثر ہو کر اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ بقول محدث جلیل اور تابعی مشہور امام زہری کے دو تین^۳ سال کے عرصہ میں اتنی بڑی تعداد مسلمان ہوئی جو پندرہ^۵ بیس برس کے عرصہ میں نہیں ہوئی تھی، آپ حضرات کو بھی اس ملک میں زندگی کے اسی امتیاز اور اخلاق و معاشرت کے اسی فرق کو نمایاں کرنا چاہئے جس سے لوگوں کے اندر اس دین کے مطالعہ کا شوق اور اس فرق کے سبب اور سرچشمہ سے واقف ہونے کا تقاضہ پیدا ہو، جس نے ایک نسل، ایک زبان، ایک ملک ہونے کے باوجود آبادی کے دو حصوں میں اتنا بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں میں نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدین کے اس لشکر کی مثال دی جس نے پشاور فتح کیا تھا، وہاں کے لوگوں نے بعض ہندوستانی اہل لشکر سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں کی آنکھوں میں کوئی بیماری

ہے کہ تم دور کی چیز نہیں دیکھ سکتے؟ جب انھوں نے استفسار کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ تمہارا کوئی سپاہی باوجود ساہا سال اپنے گھر سے دور رہنے کے کسی نامحرم کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا، ایک دو ہوں تو اس کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے، لیکن سارے لشکر کا یہ حال ہے اس کی توجیہ مشکل ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ اسلام کی تعلیم اور ہمارے قائد و امام کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہم قرآن کی اس آیت پر عمل کرتے ہیں کہ:-

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْا مِنْ

اے اللہ کے رسول مسلمانوں سے

اَبْصَارِهِمْ (النور- ۳۰) کہئے کہ وہ اپنی نظر نیچی رکھیں۔

عصرتک شیخ عبدالہادی کے مہمان خانہ میں قیام رہا، عصر کی نماز پڑھ کر شہر سے باہر واقع زین العابدین ہال میں ایک جلسہ کو خطاب کیا گیا، تقریر کے بعد سوالات، جوابات ہوئے اور مغرب کے قریب پروگرام ختم ہوا۔

یہاں سے کوالا ننگانو کے تبلیغی مرکز جانا ہوا، یہ ایک وسیع مسجد میں واقع ہے جس کی تعمیر ایک تبلیغی مجتہد اور تبلیغی شخص الحاج مودہ مرحوم نے کی، یہاں تبلیغ کے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں، مسجد میں حفظ قرآن کا ایک کتب بھی قائم ہے، میں نے طلبہ اساتذہ کو ایک مختصر خطاب کیا، جس میں علم دین کے حصول، حفظ قرآن کی سعادت اور دعوت دین کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور دعائے خیر کی، اور عشا کے وقت ہوائی جہاز سے کوالالمپور واپسی ہوئی۔

مسلم ممالک میں بے چینی اور عوام اور حکومتوں میں محاذ آرائی کی وجہ دوسرے روز شنبہ ۴ اپریل کے پروگرام میں دن کے اوقات میں

قومی یونیورسٹی کی شریعت اسلامی فیکلٹی میں جانے اور اساتذہ سے ملنے اور خطاب کرنے کا پروگرام تھا، اور شام کے وقت قیام گاہ سے قریب واقع ٹکنالوجی یونیورسٹی کی مسجد میں طلبہ و اساتذہ کو خطاب کرنے کا۔

دن میں اچھے قومی یونیورسٹی جانا ہوا، یہ ایک شاندار عمارت ہے، جس کا جائے وقوع بہت اچھا، شہر سے باہر ایک مضافاتی مقام ہے، شریعت فیکلٹی (کلیۃ الشریعۃ) کا اسٹاف استقبال کے لئے موجود تھا، یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں اجتماع تھا، حاضرین میں اساتذہ اور تحقیقی کام کرنے والے طلبہ تھے، تقریر تعلیمی موضوع پر تھی، تقریر میں خاص طور پر اس پر روشنی ڈالی گئی کہ ممالک اسلامیہ میں اسلام پسند اور اسلام بیزار طبقہ کی محاذ آرائی، اور پھر اس کے نتیجہ میں انقلابات (جن کی مثال خالص غیر مسلم ممالک میں کم دیکھتے ہیں آتی ہے) اس لئے پیش آتے ہیں کہ ہمارے اسلامی ملکوں کا نظام تعلیم مسلم اکثریت اور عوام کے عقائد، مسلمات اور جذبات سے میل نہیں رکھتا، بلکہ اکثر اوقات متصادم ہوتا ہے، قوم اور مسلم عوام ایک دنیا کے ہوتے ہیں، اور برسر اقتدار اور برسر حکومت طبقہ اور ملک کی تعلیم، معاشرہ اور قانون کا نظام بنانے والے دوسری دنیا کے اس لئے دونوں طبقوں میں ایک مسلسل بے اعتمادی بے گانگی، اور رقابت رہتی ہے، صاحب اقتدار طبقہ عوام سے خائف و بدگمان اور ان کے دینی جذبہ کو مردہ یا سرد کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اور عوام یا اسلام پسند عنصر کو جب موقع ملتا ہے تو وہ دین کو برسر اقتدار لانے کے لئے انقلاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تقریر کے بعد اساتذہ اور طلبہ نے سوالات کئے جن کے جوابات دیئے گئے،

عشاء کے بعد لکنا لوجی یونیورسٹی کی مسجد میں خطاب تھا۔

اگلے روز ۵ اپریل ۱۹۷۷ء کو شہر کے اہم اور وسیع ہال میں جو ملک کے پہلے وزیر اعظم ملک عبدالرحمن کے نام سے موسوم ہے تقریر کا پروگرام تھا، ایک وسیع اور وسیع ہال، نیز انوار کا دن ہونے کے باعث شہر کے دانشور طبقہ اور تعلیم یافتہ حاضرین کی اچھی تعداد آگئی تھی، ایسے دن کو تقریباً ایک گھنٹہ تقریر رہی ترجمانی ایم کے نائب صدر شیخ عبدالغنی شمس الدین نے کی جو اچھے فاضل اور عربی اور بلتیشین زبان کے ماہر ہیں۔

قدح کا سفر اور خطابات

اگلے روز (۶ اپریل) دو شنبہ کا پروگرام قدح میں تھا، قدح مغرب میں ملک کا ایک اہم حصہ سمجھا جاتا ہے، یہاں پیدا ہونے والا چاول پورے ملک کی ضرورت پوری کرتا ہے، آبادی بھاری اکثریت کے ساتھ مسلمانوں کی ہے، ان مسلمانوں میں عصر جدید کی خرابیاں ابھی کم پہنچی ہیں، دین سے تعلق اور اسلامی تشخص یہاں زیادہ نمایاں ہے، عربی لباس اور عام طریقہ سے نظر آتے ہیں، اور لوگوں میں اسلامی اخوت کا احساس بھی زیادہ ہے، تھائی لینڈ کی جنوبی سرحد جس کو فطانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہاں سے خاصی قریب ہے، جہاں کی اکثریت مسلمان ہے، اور ملک کی غیر مسلم اکثریتی حکومت کی حق تلفیوں اور مظالم کی شاکہ ہے۔

۵ اپریل کو بعد مغرب کو الہ پور سے قدح کے لئے پرواز تھی جس کا فاصلہ

دو ڈھائی سو میل ہے، ایرپورٹ پر استقبال کرنے والوں کا ایک بڑا مجمع اکٹھا تھا، جس نے محبت و اخوت کے جذبہ سے استقبال کیا، قیام گاہ شہر سے فاصلہ پر ایک قصبہ میں تھی، دو روپہ لوگ استقبال کے لئے کھڑے ہوئے، اس قصبہ میں "معهد التربية الاسلامية" واقع ہے، جس میں ہمارے ندوی فضلاء کا بڑا حصہ ہے، قصبہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دو روز سے آئے ہوئے افراد ایک بڑے جلسہ عام کی صورت میں موجود ہیں، بعد میں لوگوں نے بتایا کہ بیسیوں کاریں لوگوں کو دروازے کے مقامات سے لے کر آئی تھیں، معہد کے دفتر کی عمارت کے سامنے اسی لان میں جلسہ تھا، دن بھر کی مشغولیت اور سفر کا بڑا تکان تھا، لیکن اس عظیم مجمع اور اس کے پرمحبت مظاہرہ کو دیکھ کر نشاط اور تازگی پیدا ہو گئی۔

دوسرے روز ۱۶ اپریل کو، اچھے "معهد التربية الاسلامية" کے اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کیا گیا، پھر نئے قائم کئے جانے والے ذیلی ادارے "المعهد العالی للدعوة" کا سنگ بنیاد رکھا، شام کے پروگرام میں قدح کے مرکزی ادارہ امور زراعت "مدرا" میں (جو پورے ملک کا ایک اہم قومی سطح کا ادارہ ہے) خطاب ہوا، اس موقع پر متعدد سرکاری افسران اور ذمہ دار حضرات موجود تھے، اس لئے مناسب وقت اور مناسب حال باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی، اور مسلمانوں کی دعوتی و اخلاقی اور رفاہی ذمہ داریوں کی طرف توجہ کیا گیا۔ رات قدح میں گزار کر شنبہ ۱۷ اپریل کو بذریعہ ہوائی جہاز کو الالمپور واپسی ہوئی، اسی روز قبل ظہر پلٹیشن یونیورسٹی میں پروگرام تھا، اس لئے

ایرپورٹ سے سیدھے وہیں جانا ہوا، اسی دن بعد عصر ڈوپر وگرام تھے ایک شہر کے تبلیغی مرکز میں، دوسرے ایہم میں۔

دین کے نوجوان اعیوں و علمبراروں کے کام کی نزاکت اور ایمانی زندگی کے مراعات چونکہ یہ سفر اصلاً ایہم کی دعوت اور اس کی مہربانی میں کیا گیا تھا، اور اس کے ارکان سے ملک کے بدلتے ہوئے حالات اور جدید چیلنجوں کی موجودگی میں دین کی مؤثر دعوت اور اس کو عملی زندگی اور زندہ معاشرہ میں منتقل کرنے کی صلاحیت کی (ان کی ثقافتی سطح اور دینی جذبہ کی بناء پر) زیادہ امید کی جاسکتی تھی اس لئے وہاں بہت سے دوسرے مواقع کے مقابلہ میں زیادہ طبیعت کھلی، اس جماعت کا مرکز شہر سے باہر ایک نواحی قصبہ میں تعمیر کیا جا رہا ہے، وہ ایک وسیع اور کشادہ جگہ پر واقع ہے، جماعت کے ارکان و ذمہ دار مختلف جگہوں سے آئے ہوئے تھے، ان کا ایک تربیتی کیمپ چل رہا تھا۔

جماعت کے صدر استاد صدیق فاضل کے تعارف اور تمہیدی تقریر کے بعد (جس میں بلیٹیا کے دوسرے جلسوں کے معمول کے مطابق مقرر کی اہم تصنیفات اور مخصوص خیالات کا تذکرہ بھی تھا) میں نے سورہ کہف کی آیت :-

انہم قتیۃ امنوا برہم	وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار
وزدناہم ہدیٰ وریطانا	پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو
علی قلوبہم اذ قاموا فقاوا	اور زیادہ ہدایت دی تھی اور
ربنا رب السموت والارض	ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا،

لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ إِلَهًا

لَقَدْ قُلْنَا إِذْ أَشْطَطَاهُ

(سورہ کہف - ۱۳-۱۴)

جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے

کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین

کا مالک ہے، ہم اس کے سوا کسی کو

(معبود سمجھ کر) نہ پکاریں گے (اگر

ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے

بیدار عقل بات کہی۔

پڑھ کر ان نوجوانوں کے اس خطرناک اقدام کا ذکر کیا جو انھوں نے راجح الوقت
مشرکانہ دین اور ایک باجبروت سلطنت کے (جس کے ان میں سے اکثر کے سر پرست
اور اہل خاندان متوسل اور ملازم تھے) خلافت کیا تھا، اور بتایا کہ اس آیت میں
ان کے قبولِ حق، یقین و ہدایت کی ترقی اور ثبات و استقامت کے مراحل کو
مُجَرِّدِ اِنْطِزَامِ پر ایک خاص ترتیب سے بیان کیا گیا ہے، اور وہی قیامت تک
کے لئے صحیح ترتیب اور ایمان و دعوت کے مربوط و مسلسل مراحل ہیں، آیت میں
کہا گیا ہے کہ پہلے انھوں نے ہمت کر کے ایمانی دعوت قبول کی "أَمَنُوا بِرَبِّهِمْ"
پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا، اس کے بعد جب ابتلا اور
آزمائش کے مراحل سامنے آئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں قوت اور قدموں
میں ثبات و استقامت عطا فرمائی "وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ"

میں نے یہ بھی کہا کہ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے

لئے جمع قلت کا لفظ "فِتْيَةٌ" کا کلمہ استعمال کیا ہے، اس لئے کہ ایسے جوان پر

لہ اس وزن پر جمع قلت کے چند ہی لفظ عربی زبان میں آئے ہیں جیسے فِتْيَةٌ (چند نوجوان)

"غَلْمَةٌ" (چند لڑکے) صِبْيَةٌ (چند بچے)

کھیل جانے والے اور ترقیوں اور خوش حالیوں سے آنکھیں بند کر لینے والے نوجوان ہر زمانہ میں کم رہے ہیں اس کے بعد میں نے متوجہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اسماء حسنیٰ میں سے ان کے تذکرہ میں "رب" کے کلمہ کو منتخب فرمایا۔

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَهُمْ نُجُوجَانٌ تَحْتَهُ جِوَابُكُمْ "پروردگار"

اور پرایمان لائے تھے۔

إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔

اس لئے کہ ان کے مستقبل ان کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل اور ضروریات زندگی کا حصول حکومت وقت سے وفاداری اور عہدوں اور ملازمتوں سے وابستہ سمجھا جانا تھا، اور اس کے بغیر پُر راحت اور باعزت زندگی کے حصول کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، انھوں نے یہ کہہ کر کہ ہماری پرورش کرنے والی کوئی حکومت یا مخلوق نہیں زمین و آسمان کا پروردگار ہے۔

— اس فاسد جاہلی عقیدہ اور تصور پر ضرب کاری لگائی اور اعلان کیا کہ ان کا رزق ان کی تقدیر اور ان کا ضرر و نفع خالق ارض و سماوات کے ہاتھ میں ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں حضرت صالح کے واقعہ کی مثال تازہ کر دی، اس کے خلاف ان کے خاندانوں میں وہی رد عمل ہوا ہوگا جو حضرت صالح کے خاندان میں ہوا تھا کہ ان کے سرپرستوں اور بزرگان خاندان نے بڑی بالوسی اور حسرت کے ساتھ کہا۔

قَالُوا يَا صَالِحُ أَقْبَلْ فِينَا

اے صالح تم سے تو اس سے پیشتر بڑی امیدیں تھیں (تم نے سب پر پانی پھیر دیا) (سورہ ہود - ۶۲)

میں نے کہا کہ قرآن مجید کی ہر آیت مستقل معجزہ ہے، لیکن اس آیت میں مراحل ایمان و دعوت، ثبات و استقامت اور اعلان حق کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو ایک مستقل اعجازِ قرآنی اور ترتیبِ ربانی ہے۔

اس کے بعد میں نے ان سامعین کو جن میں بڑی تعداد نوجوانوں کی تھی اور وہ دعوت کے میدان میں تھے، داعی کے صفات اور دعوت کے سلسلہ میں پیش آنے والے مراحل و نزاکتوں کی طرف متوجہ کیا اور توجہ دلائی کہ ملت کی پوری زندگی اور معاشرہ کو اسلامی تعلیمات اور اسلامی زندگی کے سانچہ میں ڈھالنے اور اس کے رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہے اسلام میں "ریاست" و "کلیسا" و "اجتماعی" و "انفرادی" زندگی اور عبادات "اور احوالِ شخصیہ" (پرنسپل لا) کی ایسی تقسیم نہیں کہ ان میں سے کوئی اسلامی تعلیمات کے مطابق اور کوئی بالکل آزاد اور خود ساختہ قوانین کے ماتحت ہو۔

خطاب کی ترجمانی جماعت کے نائب صدر شیخ شمس الدین نے کی جو عربی اور پشتی زبان پر اچھا عبور رکھتے تھے، اور جلسہ ناگز اور کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

کوالا لپور کا آخری دن

چہار شنبہ ۸ اپریل ملیشیا کے سفر کا آخری دن تھا، اس روز کے پروگراموں میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی جانا اور شام کو الحزب الاسلامی کے مرکز میں ایک جلسہ کو خطاب کرنا تھا، دن میں ۱۲ بجے کے قریب اسلامک یونیورسٹی جانا ہوا، یہ نہایت خوبصورت، کشادہ جدید اسٹائل سے بنی ہوئی عمارت میں قائم کی گئی ہے اس میں طلبہ نہ صرف ملیشیا کے بلکہ دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے ہیں

اس یونیورسٹی کی سرپرستی مختلف اسلامی ملکوں کی طرف سے کی جاتی ہے اس کے
 وائس چانسلر مشہور عرب فاضل ڈاکٹر عبدالرؤف مصری ہیں جو ایک
 مدت تک واشنگٹن کے اسلامک سنٹر اور مسجد کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں اور غالباً ان سے
 واشنگٹن میں ملاقات ہوئی ہے، ڈاکٹر عبدالرؤف نے بڑی مسرت کے ساتھ
 استقبال کیا، وہ یونیورسٹی کے جدید وسیع ہال میں لے گئے، امتحانات کی
 وجہ سے اسٹاف کے کچھ لوگ نگرانی میں مشغول تھے، انھوں نے مقرر کا تعارف
 بھی کرایا اور تقریر کی ترجمانی بھی کی، تقریر کے بعد یونیورسٹی کی طرف سے پینچ تھا۔
 بعد عصر الحزب الاسلامی کے مرکز کوروانگی ہوئی جو شہر سے ۳۰-۴۰
 کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں واقع ہے، تقریر میں دینی دعوتی کام کے لئے
 محبت کے طریقوں کے اختیار کرنے کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی، مغرب کے
 بعد جلسہ عام تھا، اس میں خاصا مجمع تھا، معلوم ہوا کہ دور دور سے لوگ آئے ہوئے
 ہیں، اس موقع پر جماعت کے اہم رہنما اور قائد موجود تھے۔
 اگلے روز پنجشنبہ ۹ اپریل ۱۹۸۶ء کو ملیشین ایرلائن کے جہاز سے مدراس
 اور وہاں چند گھنٹے محبت محترم عماد الدین خطیب صاحب کے دولت خانہ پر پھہر کر
 ایرانڈیا کی فلائٹ سے دہلی واپسی ہوئی۔



لے اس باب میں عزیز مولوی محمد رابع ندوی کے مضمون سے استفادہ کیا گیا، اور بہت جگہ
 خود انھیں کے الفاظ میں واقعات کی سرگزشت اور سفر کی روئیداد آگئی ہے۔

باب ہم

آیتہ اللہ خمینی صاحب کی مخالفت

فرقہ اثنا عشریہ کے بعض مشہور اور مسلم عقائد پر تنقید اور دو متضاد تصویریں کی تالیف
ایرانی انقلاب اور اس کا سحر و اثر

جناب آیتہ اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے جب پہلوی سلطنت کا تختہ الٹا کہ
(بقول خود) حکومت اسلامیہ قائم کی، اور ایک نئے دور کا آغاز کیا تو اس کی
پوری توقع تھی (اور اس کے آثار و قرائن موجود تھے) کہ وہ اپنی دعوت کو عام
کرنے اور اس کو مقبول بنانے کے لئے شیعہ سنی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا
بیزاعی ورق نہ کھولیں گے اور اگر اس کو کتاب سے جدا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو
اٹھیں گے نہیں اور اگر فرقہ امامیہ کے ان عقائد سے وہ کسی سیاسی یا تقاضی صلیحت
سے براءت کا اعلان نہیں کر سکتے تو کم سے کم ان کا اظہار و اعلان نہیں کریں گے
بلکہ اس کی امیجی کی جا سکتی تھی کہ وہ اخلاقی ثبوت اور اتحاد بین المسلمین کی
خاطر اور فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کر دیں گے کہ یہ عقائد اسلام کی بنیاد
پر تیشہ چلاتے ہیں، اس کو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں، اور غیر مسلمین
کو دعوت دینے کے راستہ میں سنگ گراں ہیں، اس لئے کہ ان کا حاصل یہ ہے کہ
صحابہ کرام کی اس جماعت میں جس کی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ
سے زیادہ بتائی جاتی ہے، اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر

قائم ہے، باقی سب نے معاذ اللہ از نداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید ستر یا محرف اور تبدیل شدہ ہے، ائمہ اہل بیت (از روئے تقیہ جو دینی فریضہ اور عزیمت ہے) جماعت فریضین کی طرح) حق کے چھپانے والے، اصل قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے ہر خطرہ اور اندیشہ سے دور رہنے والے اور اپنے پیغمبرین کو اسی کی تلقین کرنے والے تھے، اور یہ کہ یہ سب عقائد و دعاوی قرن اول اور صحابہ کے عہد کی ایک دشمن اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے بر رونے کا آئے تھے، اب نہ ان کی ضرورت ہے نہ گنجائش، ہم کو اسلام کا اقتدار قائم کرنے، ممالک اسلامیہ کی اصلاح اور مسلم معاشرہ سے فساد دور کرنے کے لئے اب ماضی کو بھول جانا چاہئے اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہئے، جس میں اسلام کے ماضی کی تابناک تصویر اور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (جن کے متعلق نصرت خداوندی تائید ربانی اور بے نظیر کامیابی کی کھلی ہوئی قرآنی شہادتیں ہیں) دعوت اور صحبت و تربیت کے اعجاز اور آدم گری، مردم سازی اور انقلاب آفرینی کی وہ درخشاں مثالیں سامنے آئیں جن کی مثال تاریخ انسانی کے کسی دور اور دعوت و اصلاح کی کسی تاریخ میں (اہل انصاف اور مؤرخین عالم کے اعلان و اعتراف کے مطابق) نہیں ملتی، اسی طرح قرآن مجید ایک ایک حرف اور نقطہ کے ساتھ

۱۔ ملاحظہ ہو اصول کافی، فصل الخطاب اور خود علامہ خمینی کی تصنیفات "کشف الاسرار وغیرہ"
 ۲۔ ملاحظہ ہوں، مغربی فضلاء کا ثنائی، ڈاکٹر لییان، ایڈورڈ گین، قلب ہنسی، سرویم میورا اور جسٹس سید امیر علی کے بیانات اور ان کی کتابوں کے اقتباسات مندرجہ کتاب "دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں" ص ۲۶-۳۴ (از راقم سطور)

محموظ و متواتر طریقہ پر چلا آ رہا ہے اور اس کے لئے (امت کے اجتماع و اتفاق سے قطع نظر) غیر مسلم فضلاء، مؤرخین و ناقدین کی کھلی ہوئی شہادتیں موجود ہیں۔
لیکن توقعات اور آثار و قرائن کے بالکل برعکس ان کے قلم کی خود وہ تحریریں و رسائل اور کتابیں سامنے آئیں جن میں انھوں نے پوری صفائی اور طافت کے ساتھ انھیں عقائد کا اظہار کیا ہے، ان کی کتاب "الحكومة الإسلامية" و "ولاية الفقيه" میں امامت و ائمتہ کے بارہ میں وہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، جو ان کو مقامِ ربوبیت تک پہنچاتے ہیں اور ان کو بہرہ نئی اور ملک سے افضل ثابت کرتے ہیں، اور یہ کہ کائنات تکوینی طور پر ان کے تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے، اسی طرح ان کی فارسی کی کتاب "کشف الاسرار" میں صحابہ رسولؐ کا مخصوص خلفائے ثلاثہ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں سب و شتم کے وہ الفاظ آئے ہیں، جو کسی بڑی سے بڑی ضال و مضل، فاسق و فاجر، دنیا پرست اور سازشی عجمت کے لئے آسکتے ہیں۔

ایک غیر متوقع ردِ عمل

اس صورت حال کے پیش نظر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس کھلے ہوئے اختلافِ امت کے بنیادی عقیدہ توحید میں رخنہ اندازی

۱۔ ملاحظہ ہو مہرولیم میروا و ہیری (WILRRY) لین پول، یا سورت اسمتھ پروفیسر آرنلڈ اور پروفیسر

فلپ ہی کی تصریحات قرآن مجید کے محفوظ ہونے کے بارہ میں "دو متضاد تصویریں" ص ۷۸-۷۹

۲۔ الحکومتہ الاسلامیہ ص ۵۳ ملاحظہ ہو "کشف الاسرار" (فارسی) ص ۱۱۳-۱۱۴

شاکت فی النبوة (جو امامت کی تعریف اور ائمہ کے شیعی اوصاف کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے) اور صحابہ کرام کی شخصیتوں پر (جو مسلمانوں کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور قابل محبت شخصیتیں ہیں) طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو شتی العقیدہ ہے ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار، حکومت اسلامی کا مؤسس و بانی اور مثالی رہنما اور قائد نہیں سمجھا جائیگا، لیکن یہ دیکھ کر صدمہ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ مسلمانوں کے ایک حلقہ میں ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا جا رہا ہے جو اس عصبیت کی حد تک پہنچ گئی ہے جو تنقید کا ایک لفظ سننے کی روادار نہیں ہوتی، مدح و ذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب و سنت، اسوۂ سلف اور عقائد و مسلک کی صحت نہیں بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کے قیام کا نعرہ، طاقت کا حصول، کسی مغربی طاقت کو ٹلکار دینا اور اس کے لئے (خواہ عارضی و ظاہری طور پر) مشکلات پیدا کر دینا، اس کو محبوب اور مثالی قائد بنا لینے کے لئے کافی ہے، آیتہ اللہ خمینی صاحب کی اس کامیابی سے (جس کی مدت عمر معلوم نہیں) اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، ایرانی نوجوانوں کے جذبہ قربانی اور اس کے ساتھ متعدد مسلم و عرب ممالک کی دینی و اخلاقی کمزوریوں و خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورت حال سے برصغیر کے

لہ جس پر راقم سطور اپنے مضامین اور خطبات میں برابر تنقید اور ان سربراہانِ مملکت سے جن سے ملاقات ہوئی صفائی سے اس کا اظہار کرتا رہا ہے، ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”حجاز مقدس و جزیرۃ العرب امیدوں اور اندیشوں کے درمیان“ نیز ”عالم عربی کا البیہ“۔

مسلمان نوجوانوں کے اس حلقے میں جو موجودہ حالات سے بیزار تھا، اور جو ہر اُس
حوصلہ مندی اور ہم جوئی سے سحر ہوتا ہے جس میں اسلامی حکومت کا نام شامل ہو جائے،
خمینی صاحب اس طرح بلکہ اس سے زیادہ مقبول ہو رہے ہیں جیسے کسی زمانہ میں ہندوستان
میں کمال انازک اور عرب قوم پرستوں کے حلقے میں جمال عبدالناصر تھے۔

سحر و دل کشتی کے اسباب

تاریخ کی شہادت اور انسانی نفسیات کا بار بار کا تجربہ ہے کہ جب بھی بڑے
سے بڑے فسادِ عقیدہ، ضلالت اور کج روی کے ساتھ حوصلہ مندی، اہم جوئی اور
نقشہ و جفا کشتی کے مظاہر جمع ہو جاتے ہیں تو اس تحریک و دعوت میں ایسی
دل کشتی اور ساحری پیدا ہو جاتی ہے کہ اچھے اچھے عاقل و ذکی، دین پسند اور
صاحبِ مطالعہ و نظر اشخاص کو اس کے اثر سے محفوظ رکھنا اور اس کی شناخت کرنی
اور مداحی سے روکنا مشکل ہو جاتا ہے، قرنِ اول کے خوارج کی تحریک،
چھٹی ساتویں صدی میں باطنیوں کی تحریک اور حسن بن صباح اور قلوۃ الموت
کے فدائیوں کے کارناموں اور خود ہندوستان کی بعض نیم عسکری تحریکوں
اور تنظیموں کے بارہ میں حوصلہ مند نوجوانوں اور اقتدار و سیاسی طاقت کی شمع
کے پروانوں کی واہانہ و خود فراموشانہ کیفیات (جن کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا)
اس کی گواہ ہیں، اور یہی مرحلہ حق و ہدایت کو معیار سمجھنے والوں اور عقیدہٴ صحیحہ
اور نصوصاتِ قرآنی کے بارہ میں حمیت و غیرت رکھنے والوں کے لئے امتحان کا
موقعہ ہوتا ہے، اور ان کو اس اعلانِ حق کی دعوت دیتا ہے جو سحر انگیزی کی

اس فضا میں "کلمۃ حق" عند سلطان جائز" کا ثواب و مقام دلانے کا ضامن ہوتی ہے۔

مولانا محمد منظور صاحب انعمانی کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شخصیت"

۱۹۸۲ء میں بڑے صغیر ہندو پاکستان میں خمینی صاحب کی دعوت اور ایرانی انقلاب کے سلسلہ میں جو صلہ مند طبیعتوں اور عالم اسلام کے جمود، متعدد مسلم ممالک میں دینی تحریکوں کی مخالفت اور دنیا کی دو عظیم طاقتوں (امریکہ اور روس) سے اپنی قسمت کو وابستہ کرنے اور ان کے سایہ میں زندگی گزارنے والے متعدد عرب و مسلم ممالک کے حالات سے بیزار مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت یہی ہو گئی تھی کہ انھوں نے علامہ خمینی کو اس افسردہ اور تاریک فضا میں روشنی اور امید کا ایک روشن ستارہ اور "امام منتظر" کی حیثیت دینی شروع کر دی اور بہت سے سنجیدہ اور اسلامی فکر اہل قلم اور داعیوں نے عقیدہ و مسلک اور ضلالت و ہدایت کے فرق و امتیاز اور اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے کہ خمینی صاحب کی اس دعوت و تحریک کا اثر اسلام کے پورے ذخیرہ نبوت محمدی کی مساعی اور نتائج اور اسلام کے پورے تاریخی کردار پر کیا پڑے گا، ان کی حمایت شروع کر دی اس صورت حال سے متاثر ہو کر رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب انعمانی

لے کبھی کبھی رجحان عام ایک بڑے طبقہ کی پسندیدگی اور طاقتور تاثر اور بہت سے اہل علم اور اہل قلم کی کسی تحریک کی تائید سلطان جائز" کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس سے اختلاف اور تنقید کسی سلطنت اور اقتدار سے اختلاف و تنقید سے کم خطرناک نہیں ہوتی۔

نے جو ادیان و فرق کے تقابلی مطالعہ کے پُرانے ماہر اور میدان مناظرہ کے ایک تجربہ کار سپاہی اور مجاہد تھے، اور عرصہ تک امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کی زندگی میں دارالمبلغین میں تدریس و تربیت کی خدمت انجام دے چکے تھے، اپنے امراض و پیرانہ سالی کے باوجود "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" کے عنوان سے ایک مدلل اور مفصل کتاب لکھی، جس میں صحابہ کرام، خلفائے راشدین، امامت اور ائمہ کے عقیدہ اور تحریف قرآن کے دعویٰ کے سلسلہ میں فرقہ اثنا عشریہ کی مستند اور متفق علیہ کتابوں کی شہادتیں پیش کیں، پھر ثابت کیا کہ آیت اللہ خمینی صاحب بھی انھیں عقائد کے قائل اور داعی ہیں، اور اس کے ثبوت میں ان کے رسائل و کتب کے (جن کا ان کی تصنیف ہونا ان کے حامیوں اور ان کتابوں کے مترجمین کو بھی تسلیم ہے) اقتباسات پیش کئے۔

مولانا نے اپنے قدیم تعلق و معمول کے مطابق راقم سطور سے اس پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، میں نے اواخر اکتوبر اوائل نومبر ۱۹۸۲ء میں اپنے بمبئی کے قیام میں یہ خدمت انجام دی، اور کتاب کا اجمالی تعارف کرایا۔
دو متضاد تصویریں

لیکن مجھے کتاب کے مطالعہ کے دوران شدت اس کا احساس ہوا کہ

۱۔ اس کتاب کے اردو میں ہندوستان اور پاکستان میں متعدد ایڈیشن نکلے، خاص طور پر پاکستان میں اس کی وسیع پیمانہ پر ایک تحریک و دعوت کی شکل میں اشاعت ہوئی، عربی اور بعض دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے۔

اس تقابلی اور مباحثانہ انداز سے ہٹ کر ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے جو خالی الذہن سلیم الفطرت اور عقل عام رکھنے والوں کے لئے رہنما اور فیصلہ کن ہو جس میں طبیعت اور آیت الشریعہ صلیبی صاحب کے ان عقائد کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ، عقل سلیم، فطرت انسانی، مذاہب اور ادیان کی تاریخ کے مطالعہ، اقوام و ملل اور افراد انسانی کی نفسیات سے واقفیت اور تاریخ انسانی کی انقلابی و اصلاحی کوششوں اور تحریکوں کے نتائج کے بے لاگ جائزہ پر منحصر ہو اور جو فیصلہ کر سکے کہ جو دین پوری نوع انسانی کو مخاطب کرتا، اس کو صحیح اعتقاد و عمل، اعلیٰ اخلاق و کردار کی دعوت دیتا، اور تمدن و معاشرہ انسانی کی نئی تنظیم و تشکیل کا داعی و مدعی ہو، اسی کے ساتھ وہ خدا کا آخری دین اور پیغام ہو جس کو قیامت تک باقی رہنا اور انسانوں کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دینا ہے، اس کی زندگی اور تاریخ کا عہد اول اور اس کے صاحب معجزات، نبی صادق اور مؤید من الشریعہ کی صحبت و تربیت کا پہلا نمونہ اور اس کے دامن عاطفت اور آغوش نبوت میں براہ راست تربیت پانے والوں کا کردار کیا ہونا چاہئے؟ اس کا اپنے اہل بیت کے ساتھ معاملہ اللّٰهُمَّ لَاعِيَشَ الْاٰعِيَشَ الْاٰخِرَةِ (اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے) کہنے والے اور اللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قَوْتًا (اے اللہ آل محمد کا رزق انہا ہی رکھ کہ جسم و جان کا رشتہ قائم رہے) کی دعا مانگنے والے کی طرح ہونا چاہئے؟ یا ان بابیان سلطنت، خاندان پرور اور نسل پرست فاتحین کا ساجن کی ساری کوششوں اور ہم جوئیوں کا حاصل اپنے خاندان کے لئے صدیوں تک کے لئے

سلطنت و اقتدار عیش و عشرت اور پشتوائی و سربراہی کے مستقبل کا تحفظ کر دینا ہوتا ہے جس کی روشن مثالیں ایران کے سامانی خاندان کے حکمرانوں اور مجوسیت کے دینی پشتواؤں کی تاریخ میں پائی جاتی ہیں؟ اس کے لئے قرآنی نصوص معتبر تاریخ کی شہادتیں اور مؤرخین و فضلاء مغرب کے بیانات سے کام لیا گیا، اور پھر سلیم الطبع ناظر کتاب سے پوچھا گیا کہ سید المرسلین خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علوئے شان، لغت عظمیٰ کے مقاصد و نتائج، انسان کی فطری صلاحیت اور اصلاح پذیری کی رُو سے اور غیر جانب دار تاریخ کی شہادت کی روشنی میں کون سی تصویر جو صلہ افزا اور بہت آفریں اور ایک صاحب انصاف کے لئے قابل قبول اور مطابق واقعہ ہے۔

خود تو منصف باش لے دل این کو بیا آن نکو!

اس کتاب کی اس طرز پر تصنیف کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ مصنف کو اپنے ذاتی مشاہدہ اور مطالعہ اور دعوتی کاموں کے سلسلہ میں اس کا عملی تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی جدید نسل کے تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک بڑی تعداد نے (جدید تعلیم اور ماحول کے اثر اور اردو کے بلند پایہ لٹریچر سے بیگانگی کے نتیجہ میں) سیرت نبوی، اسلام کے عہد اول اور سیر صحابہ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد نے نہ علامہ شبلی کی معرکہ الآرا کتاب "الفاروق" پڑھی ہے، نہ نواب صدر بار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی دل آویز تصنیف "سیرۃ الصدیق" نہ مولانا عبد السلام ندوی کی فاضلانہ کتاب "اسوۃ صحابہ" اور دار المصنفین کے "سیر الصحابہ" کا سلسلہ،

وہ جب فرقہ اثنا عشریہ کے ائمہ و مصنفین کی کتابوں کے صحابہ کرام کے بارہ میں طویل اقتباسات اور نقول پڑھیں گے تو اس میں سے بہت سی صحابہ کرام کے مرتبہ و مقام کے بارہ میں تشکک و متزلزل ہو جائیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ قطعی الثبوت اور متواتر اور مستفیض تاریخ سے نیز چند انصاف پسند شیعہ مصنفین اور اہل قلم اور بلند پایہ مستشرقین اور فضلاء مغرب کے صحابہ کرام اور اسلام کے عہد اول کے بارہ میں بیانات اور شہادتیں پیش کی جائیں ان دونوں مقاصد کے پیش نظر اس کتاب کی ترتیب عمل میں آئی، اور دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں کے نام سے ۱۹۵۷ء کے اوائل میں یہ کتاب اردو میں شائع ہوئی، عربی میں اس کا ترجمہ "صورتان متضادتان" کے نام سے

اور ISLAM AND THE EARLIEST MUSLIMS TWO CONFLICTING PORTRAITS

کے نام سے انگریزی میں "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ" کی طرف سے ان کے تراجم کی طباعت و اشاعت عمل میں آئی، پھر بہت جلد عمان اور قاہرہ سے اس کے عربی ایڈیشن اور متعدد مغربی زبانوں میں متعدد مقامات سے اس کے ترجمے شائع ہوئے، اور ایک ایسے علمی حلقہ کو اس کتاب نے متاثر و مطمئن کیا جو بحث و تردید کے متعارف اور قدیم طرز سے نامانوس بلکہ کسی حد تک متوجسّس تھا۔

بعض اہل تعلق کا استعجاب اور مصنف کا اطمینان

یہ کتاب اگرچہ منگمانہ اور مناظرانہ طرز پر نہیں لکھی گئی تھی، اور اس میں ادبی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں کے لئے دل چسپی اور دل آویزی کا سامان بھی تھا، لہذا چنانچہ اس سلسلہ میں مصنف کے پاس اس تاثر کے بعض خطوط بھی آئے۔

پھر بھی راقم کے ان چند دوستوں کو میرا اس موضوع پر قلم اٹھانا پسند نہیں آیا جو مجھے دین کا ایک مثبت و ایجابی داعی "تاریخ دعوت و عزیمت" کا مصنف اور مالک عربیہ اسلامیہ کو دعوت اصلاح و انقلاب دینے والا اہل قلم سمجھتے تھے، چنانچہ کئی دوستوں نے اس پر اظہار حیرت کیا، اور اپنی اس توقع کا اظہار کہ میں ایسے قدیم متنایع قیہ مسائل پر قلم اٹھانے کے بجائے جس پر سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، دعوتی و اصلاحی، تاریخی و ادبی اور اجتماعی و معاشرتی موضوعات کے دائرہ میں اپنی مساعی اور تخریری کاوشوں کو محدود رکھوں گا، میں نے اس پر نہ اس وقت جب بعض حلقوں کی طرف سے اس پر سوال کیا گیا، نہ امت کا اظہار کیا، اور نہ معذرت کا، اور نہ اس وقت نام اور معذرت خواہ ہوں، "کاروان زندگی" کی پہلی جلد کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی ساری ادبی و تاریخی مشغولیتوں اور دل چسپیوں و ردعوتی و تصنیفی مشغولیتوں کے باوجود ۱۹۵۷ء میں قادیانیت کے موضوع پر قلم اٹھایا، اور میری وہ کتاب اردو، عربی اور انگریزی میں شائع ہو کر مقبول و مشہور ہوئی، اور وہ اس موضوع کی مقبول و مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ شیعیت و قادیانیت دونوں میں ختم نبوت کے انکار کی روح مشترک ہے، پھر جب اسلام کے سرحدی خط (LINE OF DEMARCATION) کو کوئی دعوت و تحریک یا فرقہ و مسلک پھلانگ جائے تو پھر ایک داعی اور مصنف و اہل قلم کا رویہ اور

۱۔ ملاحظہ ہو "کاروان زندگی" حصہ اول باب شانزدہم ص ۲۴۷-۲۵۰

۲۔ ملاحظہ ہو امامت و ائمہ کے بارہ میں شیعہ عقیدہ اور نقطہ نظر، اور اس کا وحدت نبی اور

ختم نبوت کے منافی ہونا" دو متضاد تصویریں" ص ۸۳-۸۶-۸۸

طرز عمل (خواہ وہ کتنا ہی فراخ دل اور وسیع النظر ہو) سکوت اور غیر جانب داری
ہٹ کر بے لاگ اظہار حق اور آزادانہ احتساب کی طرف ہو جانا چاہئے، امام ابوحن
اشعری، امام غزالی، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ
اور شاہ عبدالعزیز صاحب تک سب کا طرز عمل یہی رہا ہے، بلتیشیا اور انگلستان کے
تازہ سفروں اور انڈونیشیا کے بعض علماء اور دین کے داعیوں کے خطوط نے اس کی
توثیق کر دی اور اس سلسلہ میں اطمینان پیدا کیا کہ یہ فتنہ اتنا ہی شدید اور یہ مغالطہ
(ان عناصر کے شامل ہو جانے کی وجہ سے جن کی طرف اوپر کی سطروں میں اشارہ
کیا گیا ہے) اتنا ہی عمیق تھا کہ اس کا ناقدانہ جائزہ لینے اور دینی و علمی احتساب
کرنے کی ضرورت تھی، اور الحمد للہ کہ یہ کام اپنے وقت پر ہوا، اور اب بھی اس کی افاد
واہمیت باقی ہے کہ ایران کے انقلاب کی نوعیت اور جس نوں ریزی اور تشدد
کے ساتھ وہ رونما ہوا، پھر ایران و عراق کی مسلسل جنگ جس کو سات سال کی مدت
ہو رہی ہے، خلیج کی پوری پٹی کے لئے خطرہ، پھر اس سے بڑھ کر ۱۴۰۶ھ (۱۹۸۶ء)
کے حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ایرانیوں کے جارحانہ مظاہرہ اور حرمین کے سلسلہ میں
ان کے خطرناک منصوبہ نے (جس کو فی الحال ناکام بنا دیا گیا) اس تنقید و احتساب
کے کام کو جاری رکھنے اور ایران اور اس کی ذمہ دار حکومت کے اس رویہ کی
تنقید کی ضرورت پیدا کر دی ہے، جو عالم اسلام کے لئے خطرہ بن گیا ہے، اور جو
اسلام کی تصویر غیر مسلموں کی نظر میں بگاڑنے اور اسلام اور تاریخ اسلام کے
بارہ میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

باب یازم

میرٹھ کا ہولناک فساد، انڈرون و بیرون ملک کے چند سفر

میرٹھ کا ہولناک فساد

یوں تو ۱۹۷۷ء کے بعد فرقہ وارانہ فسادات ملک کے لئے کوئی غیر معمولی واقعہ اور نادر الوقوع حادثہ نہیں رہے، ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں مختصر اور طویل وقفوں کے ساتھ فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوتے رہے ہیں، جن میں سے مراد آباد کے اس فساد کا تذکرہ جو ۱۳ اگست ۱۹۸۰ء کو عید کے روز عید گاہ میں عین عید کی نماز کے اختتام پر پیش آیا تھا، اور جس میں بڑی تعداد میں کم سن اور معصوم بچے جوئے کپڑے پہن کر اپنے بزرگوں اور عزیزوں کے ساتھ عید گاہ آئے تھے، فساد کا نشانہ بنے، "کاروانِ زندگی" کی دوسری جلد میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی مختلف مقامات پر محدود اور وسیع پیمانہ پر فسادات ہوتے رہے۔

لیکن میرٹھ کا فساد جو مئی ۱۹۸۷ء میں ہوا، وہ غالباً سب سے لرزہ خیز اور ہولناک فساد تھا، سوء اتفاق کہ یہ رمضان کا مبارک مہینہ بھی تھا اور بہت سے وہ مسلمان جو فساد کی زد میں آئے روزہ سے تھے، یہ فساد اس تخریب کے وقت تک (جبکہ اس پر چار مہینے گزر چکے ہیں) ابھی تک فریقین کی تنظیموں کے ذمہ داروں

۱۷ ملاحظہ ہو "مراد آباد کا المیہ" ص ۳۱۵-۳۱۹

اور ملک کے ہی خواہوں اور درد مندوں کا موضوع سخن اور مرکز فکر بنا ہوا ہے، فساد کے پس منظر، محرکات و اسباب اور اس میں پیش آنے والے لرزہ خیز مظالم اور ان کے اثرات کے بیان کرنے کے لئے مضمون کے بجائے ایک پوری کتاب درکار ہے، اور ممکن ہے وہ مختلف گوشوں میں وجود میں بھی آئی ہو، اس پر تفصیلی بحث اور ذمہ دارانہ تبصرہ اس کتاب کے حدود سے خارج ہے، لیکن اپنی ہی ریاست میں ایک ایسے شہر میں پیش آنے کی وجہ سے جو ایک اچھی علمی، دینی اور وطنی تاریخ رکھتا ہے، جہاں سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا پہلا شرارہ بلند ہوا، جس کے گرد و نواح میں بڑے بڑے شہر ہندو پاک کے عظیم ترین تعلیمی مرکز اور شہرہ آفاق روحانی و تربیتی مراکز (خانقاہیں) اور مردم خیز قضبات ہیں، اور پھر وہ دارالسلطنت دہلی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ہے، اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ ممتاز غیر مسلم اہل قلم اور صحافیوں کے تین بیانات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مسٹر نکھل چکرورتی نے جو ہندوستان کے ایک سینئر صحافی اور مصنف ہیں، اپنے ہفت روزہ اخبار (MAIN STREAM) میں جو بڑے لکھے طبقوں میں بہت مقبول ہے، لکھا کہ :-

۱۔ دارالعلوم دیوبند (جو از ہر ہند کی حیثیت رکھتا ہے) اور مظاہر علوم سہارن پور واقع ہے،
 ۲۔ مثلاً خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون، گلشن رحیمی قصبہ رائے پور (ضلع سہارن پور) خانقاہوں
 میں، قصبہ میں ناوتہ، تھانہ بھون، گنگوہ کیرانہ وغیرہ ہیں، جو ہم سب اور متصل اضلاع مظفرنگر
 اور سہارن پور میں واقع ہیں۔

• میرٹھ میں جو کچھ مٹی کے مہینے میں ہوا وہ فرقہ وارانہ فساد کے اس روایتی اور عام انداز سے بہت مختلف ہے، جب کہ قیوم ہوا اور علاقہ سے باہر والوں کے رابطہ ٹوٹ جانے کا خاتمہ ہوا تو وہاں سے ہیبت ناک کہانیاں باہر آنے لگیں اور میرٹھ کی ۱۹۸۷ء کی داستان آہستہ آہستہ ہمارے شعور کی تہوں میں پڑنے لگی، لیکن اب بھی یہ پوری داستان سامنے نہیں آئی، اور کم لوگ ایسے ہیں جن کو اس کے مضمرات کا پوری طرح احساس ہے، ایک خاص جگہ پر P.A.C کے دستے اچانک نازل ہوئے، غریب مسلمانوں کے دروازے کو کھٹکھٹا کر اندر گھس گئے، جن کو (خاص طور سے نوجوانوں کو) پکڑ سکے پکڑ لے گئے، ان کو P.A.C کی ٹرکوں میں بھرا، دور دراز جگہ پر لے گئے، ٹرکوں سے اتارا، لاشن میں کھڑا کیا، پھر ان کو گولی مار کر لاشیں دریا میں ڈال دیں“

(ٹائمز آف انڈیا ۱۴ جون ۱۹۸۷ء)

انگریزی اخبار (THE TELEGRAPH) میں شری شکر کرشن ٹھاکر کی ایک

رپورٹ کا اقتباس :-

• آج بلیانہ کی حالت قابل رحم ہے، یہاں کے وہ مرد عورتیں اور بچے پوناہ لینے کی غرض سے گاؤں کے اندرونی علاقوں میں بھاگے ان کی رگیدر گیا اور گولیوں سے بھون دیا گیا، پی، اے، سی کے جوان مسلمانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور صحنوں میں پناہ گزین نہتے مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا، بہت سے افراد کو زندہ جلا یا گیا، تین گھنٹوں کی

مارا پیٹا گیا، جس کی وجہ سے بارہ مسلمان جن میں عورتیں اور بچے شامل ہیں، شہید ہوئے غیر سرکاری رپورٹوں میں مرنے والوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ بتائی جاتی ہے، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بیان کے مطابق جو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا، نفیس احمد نے جو ایک بس پر دہلی سے بجنور کے لئے سفر کر رہے تھے، رپورٹ کی کہ رات کو ۱۰ بجکر ۲۵ منٹ پر تیس بائریوں نے ولید پور سے کچھ پہلے بس کو روکا، اور بس میں زبردستی داخل ہو گئے، ولید پور پہنچنے پر عید گاہ کے قریب ایک مشتعل مجمع نے بس کو روک کر حملہ کر دیا، ایک ہی فرقہ کے مسافروں کو تحقیق کر کے اتارا گیا، اور بری طرح سے پیٹا گیا، اس کے نتیجے میں آٹھ آدمی اسی جگہ شہید ہو گئے۔

اسی طرح کے (بس کے مسافروں پر حملہ کے) دو اور رازہ خیز واقعات پیش آئے، جن کا بعض سرکاری رپورٹوں میں حوالہ، اور اسپتال میں داخل ہونے والے بعض زخمیوں کے بیانات میں تذکرہ ہے۔

حکومت نے میرٹھ کے فساد کی تحقیق کے لئے ایک سہ رکنی سرکاری کمیٹی کا تقرر کیا، ہندوستان ٹائمز کے بیان کے بموجب کمیٹی کا اندازہ یہ ہے کہ فساد پوری طرح سے پہلے سے تیار کردہ منصوبہ کے تحت ہوئے اور ضلع انتظامیہ نے قطعاً پیش بینی اور منصوبہ بندی سے کام نہیں لیا، کہ وہ صورت حال سے نمٹ سکتی، چنانچہ اس نے سنگین رنج اختیار کر لیا، کمیٹی نے جو رپورٹ ۱۸ ستمبر کو حکومت کو پیش کی اس میں کہا گیا ہے کہ رام جنم بھومی اور بابر میا مسجد کے معاملہ کو فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے کے لئے استعمال کیا گیا، ۱۸ مئی سے قبل ہی فرقہ وارانہ

شدید اختلافات کا شکار ہو چکے تھے، کمیٹی نے اس بات کی تردید کی ہے کہ فساد میں کسی پاکستانی کا ہاتھ تھا، یا غیر ملکی ساخت کے اسلحہ استعمال کئے گئے، بہت سے مقامات پر بہت زیادہ طاقت گزریاں کرنے اور پوچھ گچھ کرنے کے درمیان استعمال کی گئی، ہاشم پورہ کے علاقہ میں کہا جاتا ہے کہ پولیس نے طاقت کا بہت زیادہ استعمال کیا، کمیٹی کا کہنا ہے کہ آئندہ فسادات کو روک رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ باہری سپر رام جم بھومی تنازعہ جلد سے جلد حل کیا جائے، اور اقلیتی فرقہ میں تحفظ کا احساس پیدا کرنے کے لئے مؤثر اقدام کئے جائیں، اینٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں بھی انٹرنیشنل پی، اے، سی کے کردار کو میرٹھ کے فسادات کے سلسلہ میں آڑے ہاتھوں لیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ اس درجنوں نہتے لوگوں کو دانستہ سازش کے تحت موت کے گھاٹ اتار دیا۔

علالت اور دہلی و بمبئی کا سفر

تقدیری بات تھی کہ رمضان مبارک کے دوسرے عشرہ کے اخیر دنوں میں (ٹھیک انھیں دنوں میں جب میرٹھ کا فساد شروع ہوا) میں شدید طور پر علیل ہو گیا، جس کی وجہ سے عشرہ اخیر کے روزے بھی چھوڑنے پڑے، اور قریب مکانی کے باوجود میں عید کی نماز میں بھی شریک نہیں ہو سکا، ڈاکٹروں نے جن میں سے کئی تجربہ کار ڈاکٹر اور مخلص دوست تھے، خون کی شدید کمی کی بنا پر جس نے خطرناک صورت حال اختیار کر لی تھی، خون چڑھانے کے لئے اصرار کیا، لیکن میں اس کے لئے تیار نہیں ہوا، اور خارجی علاج پر اکتفا کیا گیا۔

۱۷ منقول از "قومی آواز" لکھنؤ، ۲۱ ستمبر ۱۹۸۶ء۔ ۱۸ "قومی آواز" ۲۱ نومبر ۱۹۸۶ء باختصار۔
۱۹ مثلاً محترمی ڈاکٹر سید قمر الدین صاحب، سول سرجن نانڈپور (مہاراشٹر) اور کرنل محسن شمسی صاحب۔

عید کے بعد محبت گرامی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی نے اصرار کر کے علاج و آرام کے لئے اپنے مکان واقع اکبری گیٹ لکھنؤ میں ٹھہرایا، اور بڑی توجہ اور دل سوزی سے علاج و آرام کی فکر رکھی۔ ۱۰-۱۲ دن ان کے یہاں ٹھہر کر دارالعلوم کے یہاں خانہ میں منتقل ہو گیا۔

اسی دوران محترمی جناب حکیم عبدالحمید صاحب (بہادر دفاع و نڈیشن دہلی) نے دہلی آنے کی یہ اصرار دعوت دی، تاکہ وہ اپنی نگرانی میں طبی امتحانات اور جانچیں کرائیں اور ٹسٹ اور اکسرے کے ذریعہ مرض کی نوعیت معلوم کی جائے، حکیم صاحب اور محترمی سید حامد صاحب (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) دونوں دہلی ایرپورٹ پر تشریف لے آئے اور طے ہوا کہ اگلے ہی روز مجید بہ سٹیل تعلق آباد منتقل ہو جایا جائے، جہاں حکیم صاحب اپنی نگرانی میں ہر طرح کے طبی انتظامات فرمائیں گے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، اور اسپتال کالج اور اس اہم طبی مرکز کا پورا عملہ حکیم صاحب کی خصوصی توجہ کی وجہ سے سرگرم عمل ہو گیا اور اس نے زیادہ سے زیادہ راحت و طبی سہولت پہنچانے کی کوشش کی، جو کسی طبی ادارہ اور مرکز میں ممکن ہے، وہاں ضروری مدت تک قیام کر کے عزیز گرامی مولوی معین اللہ صاحب ندوی اور عزیز نبی عبدالرزاق اور عزیز نبی مولوی نثار الحق ندوی کی معیت میں بمبئی کا سفر اختیار کیا کہ دہلی میں شدید گرمی پڑ رہی تھی اور بالکل بائزنہ تھمی بمبئی میں معمول قدیم کے مطابق محبتی الحاج غلام محمد (محمد بھائی) مالک بمبئی آندھرا پراکھسپورٹ کی وسیع فرودگاہ سہاگ پلین واقع مدھپورہ کی نوں منزل میں دو ہفتے قیام رہا، صرف جمعہ کی نماز کے لئے دو مرتبہ

باہر نکلنا ہوا، ضعف اور ناطا قتی اتنی محسوس ہوتی تھی کہ اس منزل میں بھی چند قدم چلنا اور ٹہلنا باز معلوم ہوتا تھا، فرائض پنجگانہ کی ادائیگی، اور آرام و خورد و نوش کے علاوہ کاروان زندگی کی اس تیسری جلد کی تسوید کا کام صبح ۸ بجے سے ۱۲ بجے تک جاری رہتا جس میں عزیز می مولوی نثار الحق ندوی معاون اور شریک کار تھے، ۳۰ جولائی ۱۹۸۷ء کو عید الاضحیٰ کے قرب کی وجہ سے عزیز میزبان کے مزید قیام کے لئے اصرار کے باوجود لکھنؤ واپسی ہوئی۔

لندن اور کویت کا سفر

اگست کے دوسرے ہفتے میں اسلامک سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈائریکٹر عزیز گرامی ڈاکٹر فرحان احمد نظامی آکسفورڈ سے سفر کر کے لکھنؤ پہنچے اور انہوں نے اسلامک سنٹر کے ڈسٹریبیوٹر کی اس سالانہ میٹنگ میں شرکت کیے لئے اصرار کیا جو ۲۷ اگست ۱۹۸۷ء کو آکسفورڈ میں منعقد ہونے والی تھی، جس کا نوٹس تمام ارکان کو بھیج دیا گیا تھا، اور میں میرے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے قانونی کمزور پیدا ہو جاتی، اس لئے کہ اس مرحلہ پر صدر کا شریک ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے، میں نے اپنے ضعف و علالت کا عذر کیا، لیکن انہوں نے بھی اور اہل تعلق نے بھی اس سفر کی افادیت پر اس حیثیت سے بھی زور دیا کہ وہاں ماہرین فن اور اہل اختصاص (SPECIALISTS) سے مرض کی تشخیص بھی کرائی جاسکتی ہے، اور طبی مشورہ بھی لیا جاسکتا ہے، پھر موسم کے فرق کی وجہ سے وہاں پہنچ کر یہاں کی گرمی سے نجات بھی ملے گی اور آرام کا موقع بھی، اپنی طبعی کمزوری کی

بننا، پر بھی کہ میں اجاب کے خواہشات اور فرمائشوں کی زیادہ زور اور ثابت قدمی کے ساتھ تقاومت (RESIST) نہیں کر سکتا، پھر کچھ احساس ذمہ داری اور مخلصین کی تائید اور بہت افزائی سے سفر پر آمادہ ہو گیا، فرحان صاحب نے آکسفورڈ ہی سے میرے اور عزیز می مولوی محمد راج حسنی کے لئے (جو سنٹر کے رکن اور ایک ٹرسٹی بھی ہیں) B. O. A. C. کی پرواز ۲۶ اگست کی ڈو فرسٹ کلاس سیٹیں ریزرو کرالیں، اور برطانوی سفارت خانہ میں ویزا کے لئے ہدایت بھی آگئی۔ ڈاکٹر فرحان نظامی نے یہ فرمائش بھی کی کہ میں اسلام، مسلمانوں اور علم کے تعلق پر کوئی مقالہ بھی تیار کر کے لاؤں، جو یونیورسٹی میں پڑھا بھی جاسکے، میں نے مجلت میں ”صحیح علم کی اشاعت و ترقی اور اس کے ذریعہ سے انسانیت کی رہنمائی اور اصلاح میں اسلام کا تاریخی کردار“ کے عنوان سے ایک مضمون تیار کیا، جس کا ترجمہ بڑی مجلت اور نہایت خوبی کے ساتھ محب گرامی سید محی الدین صاحب نے تیار کر دیا۔

۲۶ اگست کو صبح ۷ بجے B. O. A. C. کے طیارہ سے براہِ دبئی و کویت لندن روانگی ہوئی، اس سفر میں (پچھلے سفر کی طرح) اللہ نے عزیز می محمد اسحاق سلمہ مالک اپر انڈیا ٹینری کا پیور کی شکل میں ایک رفیق بھی عطا فرما دیا، جن کو اصلاً چند روز بعد انگلینڈ و جرمنی کا اپنے تجارتی مقاصد کے لئے سفر کرنا تھا، لیکن انھوں نے میرے اشارہ پر اور میری راحت کے خیال سے سفر کو مقدم کر کے رفاقت اختیار کی، سفر جہاز کے دبئی و کویت لینڈ کرنے کی وجہ سے بہت طویل ہو گیا اور پورے چودہ گھنٹے جہاز میں بیٹھنے کے بعد انگلستان کے وقت کے لحاظ سے

۴ بجے شام کو اور ہندوستان کے حساب سے ۸ بجے رات لندن پہنچتا ہوا، ڈاکٹر فرحان احمد نظامی ڈاکٹر سرباؤ ننگ کے ساتھ (جو سنٹر کے ایک ممتاز کارکن و ذمہ دار ہیں) اور یونیورسٹی کے ایک اہم کلج کے سابق وائس پرنسپل رہے ہیں) ان کی کار میں جس کو خود ڈاکٹر سرباؤ ننگ ڈرائیو کر رہے تھے، کچھ وقفہ کے ساتھ ایرپورٹ پر لے اور ہم عصر کی نماز پڑھ کر ان کے ساتھ آکسفورڈ روانہ ہو گئے، جو لندن سے تقریباً ۷۰-۷۵ کلومیٹر ہے (تقریباً وہی فاصلہ جو لکھنؤ، کانپور یا لکھنؤ راءے بریلی کے درمیان ہے) آکسفورڈ پہنچا تو حسین نکان سے چورچور تھا، علالت کے قرب اور اس کے بقیہ اثرات اور ہم گھنٹے کی مسلسل نشست کی وجہ سے (جس میں فرسٹ کلاس ہونے کی وجہ سے تھوڑی دیر لیٹنے کا ضرور موقعہ ملا تھا) غیر معمولی زنگان محسوس ہوا، لیکن عزیز فرحان نظامی کے گھروالوں کی محبت و مہمان نوازی جو بالکل اہل خاندان جیسی تھی، اور خاص طور پر فاضل گرامی محترمی پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کی موجودگی، بزرگانہ شفقت اور مفید و معلومات افزا صحبتوں اور مجلسوں نے سفر کی طوالت کے احساس اور زنگان کو بہت کم کر دیا۔

آکسفورڈ اور لندن میں

۲۷ اگست کو ٹرسٹیز کی میٹنگ ہوئی، اور معلوم ہوا کہ میرا آنا اس حیثیت سے وصول ہو گیا کہ متعدد بلند مرتبہ ارکان (جن میں رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور جامعۃ الامام محمد بن سعود کے

وائس چانسلر شیخ عبداللہ عبدالرحمن ترکی خاص طور پر قابل ذکر ہیں) اپنی اہم مصروفیتوں کے باوجود اس موقع پر آئے کہ میں (اپنی علالت و مصروفیت کے باوجود) جلسہ میں شریک ہو رہا ہوں، یونیورسٹی کے نمائندوں کے علاوہ ڈاکٹر کامل الباقر سابق وائس چانسلر آرم دربان اسلامک یونیورسٹی اور کویت کے ممتاز ذی علم اور محترم تاجر شیخ عبدالعزیز العلی المطوع بھی موجود تھے، جلسہ میں ساری اہم باتیں بڑی سہولت اور اعتماد و تعاون کی فضا میں طے ہو گئیں، میں نے اپنی صحت، عمر اور موانع کو پیش نظر رکھ کر مناسب سمجھا کہ ایک نائب صدر کا انتخاب ہو جائے جو میرے نہ پہنچ سکنے پر مجلس کی صدارت کے فرائض انجام دے سکے، میں نے اس منصب کے لئے ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب کو موزوں سمجھا اور رفقاء سے مشورہ کر کے نیابت صدارت کے لئے ان کا نام پیش کیا، جو بالاتفاق منظور ہوا۔

۲۹ اگست ۱۹۸۶ء کو سینٹ کراس کالج

OXFORD UNIVERSITY آکسفورڈ میں شیخ عبدالعزیز المطوع لیکچر سیریز کا

افتتاح میرے اس مقالہ سے ہوا، میں نے ابتدا میں عربی میں ایک تمہیدی تقریر کی اس لئے کہ جلسہ میں متعدد عرب فضلاء موجود تھے، اس کے بعد ڈاکٹر فرحان نظامی سے درخواست کی کہ وہ میرا مقالہ پڑھ کر سنائیں، انھوں نے بڑی جستجلی کے ساتھ مقالہ پڑھا، اور لوگوں نے بڑی دل چسپی کے ساتھ سنا، مقالہ کے ذیلی عنوانات سے اس کے مندرجات کا اندازہ ہو جائیگا، پھر آخری ٹکڑا اپنی خاص اہمیت کی وجہ سے ناظرین کے سامنے پیش کیا جائیگا۔

نبوت محمدی کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ، غیر متوقع آغاز، انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت اور اس کے فائدے، علمی منتشر اکائیوں میں وحدت و ربط، مغرب کی بیداری اور علم و تہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ، قدیم دنیا میں مسلمانوں کا عملی تفوق اور مفید اور تخریبی علوم میں ان کی قیادت، مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم۔

آخر کے ٹکڑہ کا ایک مختصر اقتباس پیش ہے :-

”اس مقالہ کے اختتام سے پہلے میں آپ کی توجیہ اس بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، انسان اپنی ذات سے علم کا ذویع ہے اور نہ غنہی، وہ صرف اللہ کی مرضی کو پورا کرنے والا نائب یا نمائندہ ہے، قرآن مجید نے حضرت آدم کو ”تعلیم اسماء“ (جو علم کی بنیاد ہے) کا ذکر ان کے زمین میں خلافت الہی کے منصب پر فراز ہونے کے تذکرہ کے بعد اور اس سیاق و سباق (CONTEXT) میں کیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال ”خلیفۃ اللہ“ کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے، علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ انسان نے یہ فراموش کر دیا کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے، اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی، مالک اور آقا بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے

خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لئے، یا سیاسی برتری حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔

انسانیت کی تاریخ اور علم دونوں کے لئے وہ منحوس ترین دن تھا، جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا، صرف یہ احساس کہ انسان اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے، خدا کا خلیفہ یا نائب ہے، اسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے، کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اسے من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہو سکتا ہے۔

آکسفورڈ میں فرحان نظامی صاحب کے مکان پر تین روز قیام رہا، جس کا سب سے بڑا فائدہ اور سب سے بڑی لذت پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کی علمی صحبتیں تھیں، اس لئے کہ ان دو نشستوں کے بعد وہاں کوئی اور کام نہ تھا، ہنرستان کی اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے عہد پر عیسوی وسیع اور عمیق خلیق صاحب کی نظر ہے، بڑے غیر کم لوگوں کی ہوگی، چونکہ راقم کا بھی یہ محبوب موضوع ہے، اس لئے ان مجلسوں کا لطف دو بالا ہو جاتا تھا۔

لندن میں عرصہ دراز سے عزیز مسرور احمد لکھنؤوی کے مکان پر قیام رہتا ہے، وہ ادھر کچھ عرصہ سے بیمار چل رہے تھے، اس لئے ان کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، لیکن وہ خود گاڑی لے کر آئے اور ہم تینوں (راقم، محمد راج، اور محمد قاسم) کو ساتھ لے گئے، اور باوجود اپنی طویل بیماری، ضعف اور تنہائی کے انھوں نے میزبانی اور آرام پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

ڈاکٹر فرحان نظامی نے لندن کے مشہور اسپتال کرامول ہاسپٹل

CRONWELL HOSPITAL کے ایک مشہور اسپتالیسٹ (DR. BRIAN G. GAZZARD)

سے طبی معائنے اور مشورہ کے لئے وقت مقرر کر رکھا تھا، انھوں نے دو مرتبہ کی
حاضری میں طبی جانچیں کیں اور موجودہ صورت حال پر کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا
کچھ طبی مشورہ دینے اور رپورٹ بعد میں بھیجے کا وعدہ کیا، جو ہندوستان پہنچ کر
لی، اور جو اطمینان بخش تھی، والغیب عند اللہ تعالیٰ۔

ہندوستان واپسی

علامت کے اثرات اور عام صنعت کی وجہ سے میں نے اپنے میزبانوں
اور احباب کو تاکید کر دی تھی کہ لندن میں کوئی پروگرام نہ رکھا جائے، انھوں نے
اس پر عمل کیا، عزیز بی اسحاق نے تو لندن پہنچ کر اپنی تجارتی ضرورتوں سے
اجازت لی، ان کو یہاں کام ختم کر کے جو منی جانا تھا، میل و محمد صالح یوم یکشنبہ
۶ ستمبر کو بیت ابروہ سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، اور سفر کے تسلسل
اور طوالت سے بچنے کے لئے دو روز کے لئے کویت ٹھہر گئے، وہاں بھی کوشش
کی گئی کہ پروگرام نہ ہوں، لیکن محبت قدیم کویت کی سربراہ اور وہاں جاہلت
دینی شخصیت اور نا جو شیخ عبدالشراعی المطوع کی دعوت میں شرکت
کرنی پڑی، جو انھوں نے بڑے شاندار اور وسیع پیمانہ پر اپنی کوششوں میں کی اور
کویت کے متعارف و واقف احباب کو مدعو کیا، دوسرے اسی دن جمعیت
الاصلاح الاجتماعی میں رسالہ "المجتمع" کی طرف سے منعقد کئے ہوئے مکالمہ
اور مجلس میں شرکت کرنی پڑی جس میں اس وقت مختلف مسلم ممالک میں

اسلامی بیداری اس کو زیادہ مؤثر اور کامیاب بنانے کے سلسلہ میں مدیر المجمع کی طرف سے سوالات کئے گئے، جن کا زیادہ تر روئے سخن راقم کی طرف تھا، دو دوسرے عرب فاضل اور اہل فکر بہانوں نے بھی حصہ لیا، اس کی روئیداً "المجمع" میں شائع ہوئی۔

کویت میں دو دن عزیزی بیدار، ایم حسنی ندوی، اور عزیزی بیدار منظر عالم ندوی کے یہاں لا کر ہم لوگ ۸ ستمبر کو برٹش ایرویز سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے، اور پتھریو براحت تمام ۹ ستمبر بجے دہلی پہنچ گئے، وہاں چند گھنٹے قیام کر کے لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔

والحمد لله اولاً و آخراً۔



باب دوازدہم

حجاز کا سفر، رابطہ کے مؤتمرا سلامی عام سوم میں
شرکت، حجاز کی مصروفیتا و محاضرات

رابطہ کی تیسری عمومی اسلامی کانفرنس

رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ (جس کی مجلس تاسیسی کارا تم سطور شروع سے
بنیادی ممبر ہے) کے سکریٹریٹ (امانت عامہ) نے طے کیا تھا کہ وسط اکتوبر ۱۹۸۶ء
میں (۱۱-۱۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء - ۱۸-۲۲ صفر ۱۴۰۸ھ) میں اپنی تیسری عمومی
اسلامی کانفرنس منعقد کرے، جس میں عالم اسلام کے موجودہ حالات و مسائل
اور مشکلات و ضروریات کا جائزہ لیا جائے اور ان تدابیر و مساعی پر غور
کیا جائے، جو ان کے حل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں، اس مؤتمرا (جو ایک
طویل وقفہ کے بعد اس پیمانہ پر ہو رہی تھی) خاص موضوع زمانہ حال اور مستقبل
کے حقائق کی روشنی میں دعوت اسلامی کے کام کو مؤتمرا اور نتیجہ خیز بنانا بھی تھا،
مختلف ممالک اسلامیہ کے مسائل و ضروریات اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کی
صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے، اس سلسلہ میں رابطہ کی مساعی اور
اس کے تعاون و رہنمائی کی روئیداد پیش کرنے کی ضرورت کے علاوہ غالباً ہم کے

نامبارک حادثہ نے (جو ایرانیوں کی ہنگامہ آرائی کے نتیجے میں عین ایام حج میں ۶ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں پیش آیا تھا) اس عمومی کانفرنس کے منعقد کرنے کے خیال کو تقویت پہنچانی تھی جس میں بڑی سے بڑی تعداد میں عالم اسلام کے علماء و فضلاء، مالک اسلامیہ کے مؤثر نمائندے اور اسلامی تحریکوں اور مسلم تنظیموں کے ذمہ دار شریک ہوں اور وہ اس سلسلہ میں اپنے تاثرات کا اظہار اور جرین شریفین کے تقدس و حرمت اور وہاں فریضہ حج ادا کرنے کے لئے بے خطر اور پرسکون ماحول اور بے نظیر امن و امان کی فضا قائم رکھنے کی جو ذمہ داری نہ تھا حکومت سعودیہ بلکہ پورے عالم اسلام پر عائد ہوتی ہے، اس کا اظہار کر سکیں۔

مجھے کچھ تو اپنی صحت کی کمزوری اور کچھ عظیم و وسیع کانفرنسوں کے تجربہ کی بنا پر (جن کا عملی اور مفید نتیجہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے) اس مؤتمر میں اپنی شرکت کے بارہ میں خاصہ تردد تھا، لیکن اخیر وقت میں اس بنا پر اس طویل سفر کے گوارا کرنے اور کانفرنس میں شرکت کا فیصلہ کیا کہ اس اہم موقعہ پر حیب ممالک عربیہ یا خصوص سعودی عرب کی اہم علمی و فکری شخصیتیں، قائدین و رہنما اور خصوصیت کے ساتھ حکومت سعودیہ کے متعدد ذمہ دار حضرات شریک ہوں گے، اس نازک اور پچیدہ صورت حال میں جو ایرانی انقلاب اور خلیجی جنگ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، اور ان خطرات کے پیش نظر جو ان عرب ممالک اور سعودی عرب کو درپیش ہیں، جہاں دولت کی فراوانی ہے، مہیا زندگی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے، اور تنہا بڑی طاقتوں کی امداد و حفاظت پر تکیہ اور انحصار ہے، کوئی دینی و ایمانی تحریک و دعوت بھی موجود نہیں جس میں

خطر پسندی، اہم جوئی، جاں بازی، اور اثنیارد قربانی کا جذبہ ہو، اس وقت ان ممالک یا مخصوص سعودی عرب کو چند حقیقت پسندانہ و مجرب و مندرجہ مشورے دینے اور صفائی کے ساتھ حقائق و خطرات سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، جس کی توقع مسلسل تجزیوں کی بنا پر دوسرے شرکائے مؤتمر سے بہت کم تھی) اخیر وقت میں اس سفر اور مؤتمر میں شرکت کا فیصلہ کیا گیا اور نہایت عجلت و مصروفیت کی حالت میں "عصر حاضر میں دعوت اسلامی کے فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدان" کے عنوان سے ایک مضمون تیار کر لیا گیا۔ رابطہ کے سکرٹریٹ (امانت عامہ) نے اپنی اور مدعوین کی سہولت کے پیش نظر رابطہ کی مجلس تاسیسی اور المجلس العالمی للمساجد کے جلسے مؤتمر سے متصل ابتداء میں اور الجمع الفقہی کا اجلاس مؤتمر کے موعا بعد رکھا تھا، تاکہ وہ ارکان اور مدعو حضرات جو تینوں مجلسوں کے رکن ہیں، ایک ہی سفر میں تینوں میں شرکت کر سکیں، اور جو کسی ایک مجلس کے رکن ہیں وہ اس مؤتمر اور مجلس میں شرکت کر سکیں، میں اتفاقاً تینوں مجلسوں کا رکن ہوں، لیکن تاخیر سے پہنچنے کی بنا پر صرف مؤتمر میں جو اراکتوں سے شروع ہو رہی تھی شرکت کر سکا، اور وقت کی کمی کی وجہ سے "الجمع الفقہی" کی صرف ایک نشست میں شریک ہوا۔

مکہ معظمہ کا سفر اور مؤتمر کی مصروفیت

میں ۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو عربی مولوی محمد رابع ندوی کی معیت میں

(جو رابطہ کے اکثر جلسوں اور سعودی عرب و حجاز کے مجالس و تقریبات میں زیادہ ترمیرے ہم سفر اور معاون رہے ہیں) اور وہاں کی شخصیتوں اور حالات سے سب سے زیادہ واقف ہیں) جمعہ کے دن لکھنؤ سے صبح کی پرواز سے دہلی روانہ ہوا، چونکہ قریبی تاریخوں میں دہلی سے سعودی عرب کے لئے کوئی ایسی پرواز نہ تھی جس سے میں الوداعی اکتوبر کے ابتدائی و تہیدی جہ میں شریک ہو سکتا جس سے مؤخر کا افتتاح ہونے والا تھا، اس لئے دہلی سے بمبئی کا راستہ اختیار کیا اور ہفتہ ۱۱ اکتوبر کو وہاں چند گھنٹے گزار کر شام کی پرواز سے جو بعد مغرب متصلاً وہاں سے چلتی ہے، جتدہ کے لئے روانہ ہوا، بڑی فکر تھی کہ ریاض کے ہوائی اڈہ پر اتنا ہوگا، اور کاغذات کی جانچ کے لئے بڑی مسافت طے کرنی ہوگی، جو صحت کی موجودہ صورت حال اور پیدل چلنے کی دقت کی صورت میں میرے لئے بہت دشوار تھا، لیکن اللہ عزوجل نے میرے محمد عثمان صاحب جتدہ آبادی کو (جو جتدہ کے ہوائی اڈہ پر انجینئر کی حیثیت سے ایک ذمہ دارانہ عہدہ پر مامور ہیں) کہ وہ خاص طور پر اسی غرض کے لئے دن ہی میں جتدہ سے ریاض پہنچ گئے تھے، اور انھوں نے WHEEL CHAIR کا انتظام کر رکھا تھا، خود ہی سب کاغذات لے کر رابطہ کی خانہ پری کروادی اور مجھے ہر طرح کی دقت سے بچالیا، بمبئی سے محترمی محمد یونس سلیم صاحب اور سید شہاب الدین صاحب ایم پی بھی ہم سفر ہو گئے تھے۔

ریاض سے چل کر تقریباً دو بجے شب کو جتدہ پہنچنا ہوا، جہاں ہمارے میزبان عبدالغنی نورولی خان صاحب افراد اکادمی صاحب کی سربراہی میں اور

جدہ، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے اجاب و اعزہ موجود تھے، ہم لوگوں نے احرام بھینٹی سے باندھ لیا تھا، لیکن صبح ۹ بجے ہی مکہ معظمہ کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے قاعة التضامن الاسلامی میں ہونے والے افتتاحی جلسہ میں شرکت کرنی تھی جس میں سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اپنی رپورٹ پیش کرنے والے تھے، اس لئے عمرہ کی ادائیگی کو شام تک کے لئے ملتوی رکھا گیا اور بعد نماز فجر کچھ دیر جدہ میں آرام اور ناشتہ کر کے مکہ معظمہ کے لئے روانگی ہو گئی، ہوٹل جس کے ہال میں جلسہ ہونے والے تھے، مکہ معظمہ کے راستہ ہی میں پڑتا ہے اس لئے پہلے وہیں جانا ہوا، وہاں نماز ظہر تک شرکت کر کے اپنی قدیم قیام گاہ عزیز گرامی ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی کے مکان واقع شارع منصور پر آگئے مؤتمر کے تمام مہمان انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل اور فندق ایجاد میں قیام پذیر تھے، ان کے لئے رابطہ کی طرف سے سواریوں کا بھی انتظام تھا۔

عصر و مغرب کے درمیان ہم نے عزیز گرامی سید حسن طارق کی رہنمائی اور رفاقت میں عمرہ ادا کیا۔

مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی حرمت پر تقریر

اگلے دن دو شنبہ ۱۹ صفر ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء صبح سے مؤتمر کی دوسری نشست شروع ہوئی، اندازہ ہوا کہ عالم اسلام میں رباط و مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور بیرونی دنیا میں یورپ اور امریکہ سے لے کر مشرق اقصیٰ تک کے مسلمان فضلاء، مسلم تنظیموں کے ذمہ دار، اور دینی دعوت کے قائدین کا رکن

اور بہت سے مدعو حضرات بڑی تعداد میں آئے ہوئے ہیں، جو سات سو تک پہنچتی ہے۔

مجھے مگر معظمہ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دوسرے دن (آج کے) اجلاس میں مگر معظمہ اور مدینہ طیبہ کی محرمت پر میری تقریر چھپے ہوئے پروگرام میں شامل ہے، مجھے اس عنوان کی اہمیت و موزونیت کی وجہ سے اطمینان و خوشی ہوئی کہ میں اس عنوان سے کچھ کام کی باتیں عرض کر سکوں گا، مختلف موضوعات پر دوسرے فضلاء کی تقریروں کے بعد اس موضوع پر میری تقریر شروع ہوئی، اس تقریر میں مجھے صاف محسوس ہوا کہ اس میں مقام کی برکت، حرم کے جاں نواز، روح پرورد اور خیال افروز جھونکوں کی کار فرمائی بھی شامل تھی، میں نے قرآن مجید کی سورہ حج کی اس آیت سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔

وَمَنْ يُؤْذِ فِيهِ بِاِحْتِاجٍ يُظْلَمِ
 نَذَابُهُ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ
 اور جو کوئی بھی (حرم کے اندر) کسی
 بے دینی کا ارادہ ظلم سے کریگا، ہم سے
 عذاب دردناک چکھائیں گے۔
 (سورہ حج - ۲۵)

میں نے عرض کیا کہ یہ آیت قرآن مجید کا مستقل معجزہ اور خدا کے علم محیط و ازلہ کی ایک نشانی ہے، چھٹی، ساتویں صدی عیسوی تک متمدن دنیا باخصوص جزیرۃ العرب کو صرف ایک ہی خطرہ اور ایک ہی طرح کے حملہ کا تجربہ تھا، اور وہ میدانی جنگ کا خطرہ اور کھلے ہوئے فوجی حملہ کا تجربہ تھا، اس کا ایک نمونہ اسی مقدس سرزمین نے ابرہہ کی لشکر کشی اور اصحاب فیل کی فوجی پیش قدمی کی صورت میں دیکھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے بری طرح سے سپا اور ناکام بنا دیا، او

اس کے بارہ میں ایک پوری سورہ (سورۃ الفیل) نازل فرمائی، لیکن اس بلدا میں بیت اللہ اور مرکز عالم کے خلاف گہری سازشوں، معنوی تحریقات اور ملحدانہ منصوبہ بندیوں کا کوئی تجربہ نہ تھا، لیکن اس علیم و خیر خد نے جس نے یہ آخری کتاب نازل کی اس کی طرف سے بھی آگاہی دے دی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہئے، اور اس کی سزا اور انجام بھی بتا دیا کہ:

”نَذِقُهُ مِنْ عَذَابِ الْيَمِينِ“

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی تعریف میں ”قِيَامًا لِلنَّاسِ“ فرمایا ہے جو ایک بہت عمیق اور وسیع المعنی لفظ ہے اس کی وسعت و معنویت کی (جیسا کہ میں نے امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ الشبلی اور رابطہ کے امین عام ڈاکٹر عبداللہ نصیب کی موجودگی میں لکھنؤ کے عظیم (ستقبالیہ جلسہ میں کہا تھا) تشریح و ترجمانی مشکل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل انسانیت اور امن عالم کے بہت سے انتظامات اور اس کی ضمانتیں اس بیت عتیق سے وابستہ ہیں اور جب تک یہ اس عظمت و حرمت اور تحفظ و تقدس کے ساتھ قائم ہے انسانیت کے روحانی و معنوی مفادات محفوظ ہیں، جو اس تقدس و تحفظ پر دست اندازی کرے گا، اور اس مرکز توحید و عبادت و حفاظت انسانیت کو اپنے سیاسی اغراض اور اپنے اقتدار و قیادت کی بازی گاہ اور

لے اس موقع پر بے اختیار فارسی کا وہ شعر یاد آتا ہے جس کا مفہوم عربی میں سمجھنا مشکل اور

نازک تھا، لیکن باذوق قارئین کے لئے اس کا نقل کرنا نامناسب نہ ہو گا۔

از صد سخن پریم کی گتہ را یاد است عالم نشود و بیان نامیکلا آباد است

میدان بنائیگا، اس کو اللہ تعالیٰ خائب و خاسر بنا دے گا۔

حضرات ایہیں سے (پرانی محاورہ کے مطابق) (ایک پرتاب تیر کے فاصلہ پر) سردار قریش اور جد رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حملہ آور ابرہہ سے کہا تھا کہ "إِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا جَمِيهًا" (اس گھر کا بھی ایک مالک پابن ہے جو اس کی حفاظت کرے گا) یہ اس وقت بھی ایک حقیقت اور امر واقعہ تھا جس کا ظہور ہوا، اس وقت بھی ہے اور قیامت تک بھی رہے گا۔

میں نے یہ بھی کہا کہ یہ بھی اس موضوع کے عالمگیر ہونے اور پوری اُمت مسلمہ سے تعلق کی دلیل ہے کہ اس موضوع پر تقریر کرنے کی خدمت و سعادت ایک ہندی نژاد کے سپرد ہوئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ بیت اللہ کا احترام اور مدنیہ طیبہ سے عقیدت و محبت اسلامی شعور، ایمان اور اسلام سے وابستگی کا ایک نشان اور اس کی ترقی و نقص کو معلوم کرنے کے لئے مقیاس اُکھارت (BAROMETER) کا کام دیتا ہے، جب تک ان دونوں مقامات سے مسلمانوں کا والہانہ تعلق اور قلبی و جذباتی لگاؤ ہے، اور وہ ان دونوں محبوب و محترم مقامات پر کسی کی غلط نگاہ پڑنے کے روادار نہیں، اس وقت تک ان کا رشتہ اسلام سے مستحکم اور ان کا دین محفوظ ہے، میں آپ کو بتانا ہوں کہ اسی جاں نثارانہ جذبہ اور قلبی ربط و شفقتگی کی بدلت جو ملت اسلامیہ ہند کی پوری تاریخ میں کارفرما نظر آتی ہے، نعت کا بہترین کلام اسی بڑے صغیر میں فارسی اور اردو میں وجود میں آیا، جس کی مثال (میرے علم و مطالعہ میں) کسی دوسری اسلامی زبان میں نہیں پائی جاتی، اور جرمن کی زیارت کے شوق میں، اور

وہاں آنکھوں اور ہلکوں کے بل پہنچنے کے ارمان میں بہترین اور موثر ترین اشعار کہے گئے، اسی نے ملت اسلامیہ ہندیہ کو اپنے تشخص و ایمان سے دستبردار اور لادینی، قومی تحریکوں کا نشانہ ہونے سے بچایا اور اس کی حفاظت کی حقیقت حرمین ہی کی حفاظت کا جذبہ تھا، جس نے ہندوستان کی تحریک خلافت میں وہ جوش پیدا کر دیا تھا، جس کی مثال کسی دوسری تحریک میں دیکھنے میں نہیں آئی، یہی جذبہ ترکوں میں بھی کار فرما تھا، جب سلطان ترکی وحید الدین سے کہا گیا کہ اتنے کی فوجی قیادت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب سے صرف نظر کر لیا جائے کہ ترکی فوجیں اب اتنے وسیع رقبہ اور ملکیت کے اپنے دور دراز حصوں کی حفاظت نہیں کر سکتیں تو سلطان ترکی نے رقت آمیز لہجہ میں کہا کہ پھر ہمارا ترک سپاہی کس شوق اور جوش میں میدان جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے گا، اور اپنی جان پر کھیل جائے گا؟

میں نے اس موقع پر علامہ اقبال کا ایک اردو شعر یہ کہتے ہوئے پڑھا کہ میں اس موقع پر نساء اسلام ڈاکٹر محمد اقبال کا ایک شعر پڑھنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ یہاں پاکستان و ہندوستان کے متعدد سربراہ اور وہ اردو داں حضرات موجود ہیں، اقبال نے اسی جذبہ سے سرشار ہو کر کہا ہے۔

ایک مہم مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ماحل سے لے کر تابخاک کا شرف
پھر میں نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔

احمد اللہ اس تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا، اور بعض بلند پایہ حضرات نے راقم سے اپنے گہرے تاثر کا اظہار کیا۔

دوسری نشستیں، مقالہ اور آخری تقریر

کالفرنس میں بہت بڑی تعداد میں مندوبین آئے تھے، جن میں سے (خاص طور پر) مالک عربیہ کے بہت سے فضلاء اور نوجوان راقم کی عربی تصنیفات کے ذریعہ متعارف تھے، وہ بڑی محبت اور گرم جوشی سے ملتے تھے، اپنے ملکوں میں آنے کی دعوت دیتے تھے، اور ان میں سے بہت سے سوال و جواب کرتے اور ریکارڈ بھی کرتے جاتے، ہر نشست کے بعد (بعد نماز ظہر) کسی معزز میزبان کی طرف سے بہت بڑے پیمانہ پر ایک دعوت ہوتی، جس میں شرکت سے انھیں تاثرات کا اظہار ہوتا جن کا تمہید میں اظہار کیا گیا ہے، اور اندازہ ہوتا کہ معیار زندگی اور دعوتوں کا پیمانہ یہاں کس نقطہء عروج تک پہنچ گیا ہے، عصر کے بعد کمیٹیاں اپنا کام کرتیں، جن میں میں شریک نہیں ہوسکا، رات کو جدہ میں کسی معزز عہددار مملکت اور باوجاہت شخصیت کی طرف سے دعوت ہوتی جس سے واپسی قدر ویرات میں ہوتی، میں اسی دشواری کی وجہ سے جدہ کی کسی دعوت میں شریک نہیں ہوسکا۔

مؤتمر کے چوتھے دن چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ ۱۴ اکتوبر کو بعد نماز مغرب مجھے اپنا مضمون پڑھنے کا موقع ملا، جس میں شروع میں عوام و خواص کے مختلف میدانوں میں اسلامی شعور اور دینی بیداری پیدا کرنے اور پھر اس کی تربیت اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے نمبر وار کچھ نقاط (POINTS) پیش کئے گئے تھے، جو تقریباً میری پرانی تقریر "القرن الخامس عشر الهجری الحدیث"

فی ضوء التاريخ والواقع^۱ سے ماخوذ تھے، لیکن اس مضمون کا سب سے اہم حصہ جس کے لئے درحقیقت اس سفر کی صعوبت گوارا کی گئی تھی، اس کا آخری حصہ تھا جس کو مالک عربیہ یا مخصوص مرکز اسلام کی موجودہ صورت حال حقائق اور پیش نظر خطرات کی روشنی میں لکھا گیا تھا، اس ٹکڑے کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اسلام کی فطرت اس کی تابناک تاریخ فطرت سلیم کا تقاضا، اور بنی نوع انسان کی طبعی خصوصیت کا یہ مطالبہ ہے کہ ایک دعوتی، ایمانی حرکت مسلمانوں میں ضرور قائم رہے جو ایجابی انداز کی ہو اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو، داعیوں میں مردانہ صفات ہوں، بلند جوصلگی ہو، ان کی نگاہیں بلند اور حقیقت رس ہوں، اور وہ دنیا کی عظیم طاقتوں سے آنکھیں ملا سکیں، وہ طاقتیں جو دوزخ و جہنم وغیر مسلم قوموں اور ملکوں کی تقدیر کی بنائے والی اور ان کے مسائل کا فیصلہ کرنے والی بن گئی ہیں، لیکن یہ بات کہ داعی الی الشرائع صفات کا حامل ہو یا ان کے اندر یہ صفات پیدا ہو جائیں اس وقت ممکن ہے جب کہ وہ پورے یقین اور اطمینان قلب کے ساتھ ایک طاقتور دعوتی تحریک میں شریک ہوں، ان کے اندر اسلام کی برتری کا عقیدہ ہو، اور اس بات پر ان کو یقین ہو کہ انسانیت اس دین کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔ دعوت اسلام کی سرگرمی میں قربانی کا جذبہ، سرفروشی کی دھن کو گنتی کی

۱ اردو میں اس کا ترجمہ ”پندرہویں صدی ہجری ماضی و حال کے آئینہ میں“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۲ اس پورے مضمون کا ترجمہ مکہ معظمہ ہی میں عزیز گرامی ڈاکٹر مولوی عبد شعیب اس ندوی نے کیا تھا، جو رسالہ ”ذکر و فکر“ نومبر ۱۹۸۶ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔

ہمت، تکلفات سے بری زندگی گزارنے کی عادت اور اگر ضروری ہو تو خطرات میں کودنے کی جرأت (مغامرہ - RISK) بھی مطلوب ہے، کیونکہ فطرت انسانی یہ ہے کہ وہ اسی ایمان کی عزت کرتی ہے جس میں قوت ہو، اس فرد کے احترام پر مجبور ہوتی ہے، جس کو اپنے اصول و عقائد پر اعتماد ہو، اور ان کو قابلِ فخر سمجھتا ہو، جس کے یہاں لذت اندوزی اور مال و جاہ کی بے وقعتی ہو، اور جس کے اندر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کی ہمت ہو، انسانی فطرت ہمیشہ اس کے سامنے ٹھکتی ہے جو شے نایاب اور اس کی دسترس میں نہ ہو، مگر زور انسان قوی انسان کے احترام پر فطرتاً مجبور ہے، غریب آدمی امیر کی عزت کرتا ہے، ناخواندہ پڑھے لکھے آدمیوں پر رشک کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک کمزور انسان بالاتر انسان کی عزت اپنے دل میں رکھتا ہے، اسلامی تاریخ جاہلی کے کارناموں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے واقعات سے پُر ہے، وہ اصحابِ علم و بصیرت جو اقوام و ملل کی تاریخ سے واقف ہیں، اور وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں وہ مشرقی و مغربی قیادتوں (بلاکوں) سے اکتا چکے ہیں، اور ان کے اندر ان سے نفرت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

ایک خلا کا پایا جانا، یعنی ایسی تحریک ایمانی اور دعوتِ دینی کا نہ پایا جانا جو اپنی جگہ پر قوی بھی ہو، اور ایجابی بھی، اور ایک ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور مادی تمدنوں کی پیدا کردہ خرابیوں سے پاک ہو، اور جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی قدروں کی محافظ ہو، ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا، اور دعوتِ خلا اسلامی وجود کے لئے بڑا خطرہ ہے

صحیح عقائد اور اسلامی زندگی کے لئے خطرہ ہے، کیونکہ کسی ضروری چیز میں جو بشریت کی نفع بخشگی کے لئے ضروری ہو، خلا کا زیادہ مدت تک باقی رہنا غیر طبعی امر ہے، ایسے خلا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی دوسری تحریک سامنے آئے گی جو بے راہ روی کی دعوت دے گی، وہ عقائد کے لحاظ سے فاسد و گمراہ، سلبی و تخریبی مقاصد کی حامل ہوگی، جن لوگوں نے مذاہب، تحریکات اور مختلف قسم کی دعوتوں کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی صحیح اور طاقت ور اسلامی تحریک سامنے نہیں ہوتی تو ایک غلط قسم کی تحریک اس کی جگہ لے لیتی ہے، اور اگر کہیں اس غلط قسم کی تحریک نے کسی درجہ میں خطرات کا مقابلہ کر لیا اور کچھ قربانیاں دکھادیں اور مادی مظاہر سے اپنے آپ کو ذرا بلند دکھا دیا، اور مسلم ممالک میں اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے جو فساد ہے، اس کی نشان دہی کر دی، اور بڑی طاقتوں کو ذرا لٹکا کر دیا، نعرہ بازوں سے فضا کو اپنے حق میں استوار کر لیا، اور پروپیگنڈوں سے اپنے تھوڑے کام کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا تو پھر کیا ہے، لوگوں پر اس کا سحر چل جاتا ہے، اور سب اندھا دھند اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ یا نیم تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی دھوم مچ جاتی ہے، اور وہ لوگ جو بعض مسلم ممالک کی بے راہ روی جمود و راحت پسندی اور بے عملی سے نالاں ہیں، ان پر اس طرح کی تحریکوں کا ایسا جادو چل جاتا ہے، جس کو نہ کسی واعظ کا وعظ دور کر سکتا ہے، اور نہ کسی صاحب ضمیر و قلم کا قلم، اور نہ کوئی منطقی استدلال کام دیتا ہے، اور نہ کوئی علمی جائزہ اور تحقیق، پہلی صدی ہجری میں

خوارج کی تاریخ، چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں باطنیوں اور فدائیوں کی تحریک کی تاریخ، حسن بن الصباح کے افسانے اور جو اس کے مرکز عمل "قلعۃ الموت" میں ہوا کرنا تھا، اور بہتیری فوجی اور انقلابی تحریکوں کی تاریخ جو اسلام کے نام پر بگڑی ہوئی صورت حال کو از سر نو اکٹ کر درست کرنے کا دعویٰ کرتی رہی ہیں، اور محض جھوٹ اور بکروفریب کا لبادہ اوڑھ کر سلبک کے سامنے آئیں، اسی طرح بعض معاصر انقلابی و عسکری تحریکیں جنہوں نے اپنے ذاتی سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہزاروں نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کر لیا جو ہر قربانی کے لئے تیار نظر آتے تھے، یہاں تک کہ بعض دین پسند حلقے، اور باشعور جماعتیں بھی اس زد میں خس و خاشاک کی طرح بہ گئیں، اور قرآنی نصوص اور اسلامی عقائد کی روشنی میں کسی کو جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی، اور نہ انہوں نے اسلام کی طرف نسبت کرنے والے فرقوں کا عملی و تنقیدی مطالعہ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا احتساب کرنے کی ضرورت سمجھی۔

مسلم زعماء و مفکرین کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ سیلاب کی رو کو ایک سیلاب ہی روک سکتا ہے، طوفان کا مقابلہ اس زیادہ قوت کا طوفان ہی کر سکتا ہے، عالم اسلام کی موجودہ جو حالت ہے، اس کو معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ وہ جمود کی حالت میں ہے، اس پر راحت طلبی اور گراں خوابی طاری ہے، اس کے اندر کوئی ایسا مضبوط دعوت نہیں ہے، اور نہ صحیح عقائد اور بلند و پاک مقاصد کے لئے قربانی اور فدائیت کا جذبہ ہے، فکری اور عسکری لحاظ سے بھی وہ خود کفیل نہیں ہیں، اور یہ بات ہمیشہ ایک خطرناک صورت حال

کے پیدا ہوجانے کی آگاہی دیتی ہے اور ہر طور پر غلط قسم کی کھوکھلی تحریکوں کے جال میں نوجوانوں کو ڈال دینے کے لئے زمین ہموار کرتی ہے کیونکہ نوجوان جو موجودہ صورت حال سے نالاں ہیں ان کو صحیح میدان عمل نہیں مل رہا ہے ان تحریکات کا باآسانی شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے اندر ان کو اپنے جذبات کی تسکین کا سامان نظر آتا ہے اگرچہ ان تحریکات کی حیثیت اس سراب کی ہے جس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

کَسْرَابٍ بِقَيْعَةٍ تَحْسَبُهُ	مثل سراب کے چٹیل میدان میں کہ
الظَّمَانُ مَاءٌ حَسْبِي	پیا سا اس کو پانی خیال کرتا ہے
إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا	یہاں تک کہ جب اس کے پاس
وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ قَوْفَهُ	آیا تو اس نے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے
حِسَابَهُ. (سورۃ نور - ۳۹)	پاس (قضائے) الہی کو پایا سو اللہ
	نے اس کا پورا حساب چکادیا۔

لیکن یہ انسانی فطرت اور اقوام و ملل کا تجربہ ہے اور جو لوگ بھی ”عصر جدید“ میں اسلام اور اسلام کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں اور جن کو عقیدہ کی صحت، خدا و رسول پر ایمان کی اہمیت و ضرورت اور تعلیمات دین عزیز ہیں ان کو اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہئے۔

میں اپنا یہ مختصر مقالہ ایک قرآنی آیت پر ختم کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اولین مختصر جماعت کو مخاطب فرمایا ہے اور ان میں رشتہ موافقات کے قیام سے ساری دنیا اور انسانیت کے مقدر کو مربوط کیا ہے۔

إِلَّا تَفْعَلُوا لَآتِكُمْ فِي الْأَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (سورہ انفال ۷۳) اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

۲۲ صفر ۱۸ اکتوبر پچھنبہ کے دن مؤتمر کا اختتامی جلسہ ہوا جس میں کمیٹیوں کی مرتب کردہ قراردادیں پڑھی گئیں، شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن ابی باز کی ایک رہنما اختتامی تقریر، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کی طرف سے شکریہ بھی ادا کیا گیا، آخر میں مؤتمر کے شرکاء اور مختلف ملکوں اور تنظیموں کے نمائندوں اور مندوبین کی طرف سے کلمۃ الوفود کے عنوان سے جو تقریر ہوئی ہے، وہ راقم کے سپرد کی گئی، میں نے اس تقریر میں شرکاء مؤتمر کی ان ذمہ داریوں کو یاد دلایا جو حرمین کے سلسلہ میں اور اس کے مقام و پیغام کے تسلسل و دوام کے تعلق سے ان پر عائد ہوتی ہیں، نیز خود ان کے ملکوں میں ان پر خدمت اسلام اور حفاظت ملت کی جو ذمہ داریاں عائد ہیں، ان کو یاد دلایا اور عرض کیا کہ ہر مؤتمر اور مسلمانوں کے ہر اجتماع کا ایک و داعی پیغام ہونا چاہئے، جس کو شرکاء لے کر اپنے اپنے ملک (جہاں سے وہ دور دراز کا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں) واپس جائیں، اور جس کو الکلمۃ الراءۃ (ایک رہنما و نگران عہد و وصیت اور ایک رہبر اصول کہنا چاہئے) میرے نزدیک اس کے لئے سب سے موزوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وادائیگی و ایمانی جملہ ہے، جو انھوں نے متعدد قبائل عرب کے ازداد اور بیت المال کو زکوٰۃ سپرد کرنے سے انکار کے موقع پر کہا تھا، اور جس نے تاریخ کا رخ اور واقعات کا دھارا بدل دیا اور شریعت و ملت کو اس آزمائشی مرحلہ پر کہ وفات نبوی کو ابھی تھوڑا عرصہ گذرا تھا، ہزاروں برس کے لئے محفوظ کر دیا، انھوں نے فرمایا تھا

عرب سامعین کا اچھا خاصہ مجمع ہے اور ہندوستانی بھی اچھی تعداد میں ہیں، میری دو کتابیں "ماذا خسرا للعالم" اور "صورتان متضادتان" جو حکومت قطر کے ادارۃ احياء التراث الاسلامی سے اعلیٰ پیمانہ پر شائع ہوئی ہیں، وہاں بڑی تعداد میں موجود ہیں، اور لوگوں کو دی جا رہی ہیں، میں نے سورہ ابراہیم کا شروع کیا :-

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ
هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي
وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۗ
(سورہ ابراہیم - ۳۵)

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے
پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے
لئے) امن کی جگہ بنا دے اور مجھے
اور میری اولاد کو اس بات سے
کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں
بچائے رکھ۔

پڑھا، پھر ان آیات کی روشنی میں عرض کیا کہ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
مکہ معظمہ کا دائمی پیغام نشان اور شعار اور اس کی دعوت چار اجزاء پر مشتمل ہے۔
۱۔ توحیدخالص کی دعوت ہو "وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ"
(الی قولہ تعالیٰ "وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ") سے عیاں ہے،
مشک و بت پرستی کے اس عالمگیر دورِ ظلمت میں جس میں توحید کی جھلک بھی
نظر نہیں آتی تھی، صدیوں کے بعد یہ پہلی انقلاب انگیز اور زلزلہ خیز صدا تھی جو

۱۔ اس میں ہمارے فاضل و مت اور اس ادارہ کے ناظم و نگراں شیخ عبدالشکر بن ابراہیم الانصاری
کا بڑا حصہ ہے جو اس طرح کی مفید کتابیں حکومت کی اعانت سے شائع کرتے رہتے ہیں یہ سورہ ابراہیم ۳۶:۳۵

اس مقام اور بانی بیت الحرام کی زبان مبارک سے بلند ہوئی۔
دوسرے عبادت دائمی اور اقامت صلوة کی وہ لافانی وصیت جو
حضرت ابراہیمؑ نے یہ کہہ کر ساکنانِ حرم اور اپنی اولاد کو دی :-

رَبَّنَا إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ ذُرِّيَّتِي
بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ
الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
پاس لابسائی ہے اے پروردگار
(سورہ ابراہیم - ۳۷)

تاکہ یہ نماز پڑھیں۔

خود اس مقام کا انتخاب جو زراعت و تجارت اور تمدن و ترقی کے بنیاد
ولابدی اسباب سے خالی ہے، "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" اس شعور و عزم کو تازہ
کرنے والا ہے کہ دنیا کے سرسبز و شاداب اور تمدن و ترقی یافتہ شہروں اور
تجارت و زراعت کے مرکزوں کو چھوڑ کر (جہاں سے حضرت ابراہیمؑ کا سفر
ہدایت میں گزرنا ہوا تھا) اس جگہ کا انتخاب کیوں کیا گیا، اور اس کو بیت اللہ
کی تعمیر اور آل ابراہیمؑ (معنوی و جسمانی دونوں طور پر) کی سکونت و قیام
کے لئے کیوں ترجیح دی گئی؟

تیسرے اسباب کے بجائے خالق اسباب اور رب الارباب پر توکل کی تلقین
و ہدایت ہے جو ان کی اس دعا سے مفہوم ہوتی ہے :-

فَأَجْعَلْ آفِيَّةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ
تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ
ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو

مَنْ الشَّمْرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ميووں سے روزی دتے تاکہ (تیرا)

(سورہ ابراہیم - ۳۷) شکر کریں۔

اور جو انھوں نے خود آتش نمرود میں مومنانہ و متوکلانہ طریقہ پر حاصل ہو جانے کے عمل سے ثابت کر دیا کہ آگ عناصر اربعہ اور فطری و تکوینی طاقتیں ماورہیں امر نہیں ان کو خود اپنا خاصہ ظاہر کرنے اور اپنا عمل کرنے کا اختیار نہیں چنانچہ وہ آگ ان کے حق میں برد و سلام بن گئی۔

قُلْنَا يَا كُوفِي بَرِّدًا وَسَلَامًا ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا

عَلَىٰ اِبْدَائِهِمْ اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی

(سورہ الانبیاء - ۶۹) (بن جا)۔

اہل مکہ اور ساکنان حرم کو ان تینوں خصوصیتوں کو اپنے سینہ سے لگائے رکھنا اور اپنا دائمی شعار بنانا ضروری اور مطلوب ہے اس لئے کہ اس شہر کو البلد الامین کہا گیا ہے اس کی خصوصیات اس کا مزاج اور اس کی فطرت زمانہ کے ہزاروں انقلابات، حکومتوں کے عروج و زوال، تمدن و ترقی کے تنوعاً و اختلافات کے ساتھ یہی رہنی چاہئے، اور اس پر انقلابِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑنا چاہئے، پھر میں نے تاریخ کی روشنی میں اور محققین و مستشرقین کے حوالوں سے بتایا، نیز حدیث صحیح کی سند سے بھی جس میں کہا گیا ہے کہ اس شہر و ملک میں بُت پرستی لانے والا عرب بن گئی تھا، جو عرب کے باہر سے بُت پرستی لے کر آیا، اور اس نے اس کو رواج دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھیٹتا ہوا چل رہا ہے، محققین اور فضلاء مغرب کی بھی تحقیق

یہی ہے کہ مکہ اور طائف کے مشہور بُت، مہبل، الات، منات، و عزیٰ اردن کے شہر پتزا (PETRA) اور عراق و اردن سے درآمد (IMPORT) کئے گئے، یہ اس سرزمین بلدا میں کی چیز نہیں تھی، اور فتح مکہ میں بیت اللہ اور حرم کے ان بتوں کو خالی کر دیئے جانے اور مکہ و طائف کو بتوں سے پاک کر دیئے جانے کے بعد پھر سرزمین اس اس ابراہیمی پراگمئی اور حدیث میں بشارت دی گئی ہے کہ آئندہ بھی یہ سرزمین عرب کھلی ہوئی بُت پرستی سے محفوظ اور پاک رہے گی، "الْاِثْمَانِ الشَّيْطَانِ قَدْ اَبَسَ اَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَدِكُمْ هَذَا الْاَبْدَانِ" اس سرزمین کے بلدا میں ہونے کی صفت اور دعوت ابراہیمی کے علمبردار اور داعی و مبلغ ہونے کی خصوصیت ہمیشہ باقی رکھتی چلائے کہ یہی اس سرزمین کا شرف اور یہاں کے رہنے والوں کا امتیاز اور فخر ہے۔

مکہ معظمہ و حرم کے تاثرات

عصر حاضر کی ترقیات، بیرونی دنیا کے اثرات، دولت و تجارت کی گرم بازاری کے باوجود جو حرم شریف کے چاروں طرف اپنے پورے مظاہر کے ساتھ موجود ہے، حرم شریف اور بیت اللہ کا ماحول اسی طرح نور بار ضیاء پاش، اور ہیبت برکات و تجلیات ہے، جیسے صدیوں پہلے تھا، بقول شاعر

ہنوز آں ابر رحمت در قشاں است

خم و خمخانہ بانام و نشاں است

اور بقول عارف رومی

انہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "نبی رحمت" کا عنوان "مکہ میں بُت پرستی اور اس کا اصل سرچشمہ اور تاریخ" ص ۸۰۰۔ ۸۰۱ سنن ابن ماجہ ابواب التائب

کعبہ راہروم تجلی می فرود

ابن ز اخلاصات ابراہیم بود

ایک دن حرم سے واپسی پر کچھ ہندوستانی احباب قیام گاہ پر جمع ہو گئے اور فرمائش کی کہ کچھ تذکیر کے طور پر کہا جائے، میں نے ان کو حرم شریف میں حاضری، دعا و طواف اور بیت اللہ کے قرب و موجودگی سے (جس کی دولت ان کو خوش قسمتی سے بیٹھ رہی) زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی، میں نے کہا کہ ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ یہ حنیفہ فیض اسی طرح جاری ہے جیسے صدیوں اور ہزاروں برس پہلے تھا، اور اُمت کا بڑے سے بڑا آدمی (خواہ روحانی و علمی اعتبار سے) خواہ مادی و بیسی بخاطے) اس دربار کا سائل ہے اور وہ اپنا جیب و دامن یہاں کی برکتوں اور نعمتوں سے بھر سکتا ہے، میں نے کہا کہ اُمت محمدیہ کے اولیاء و اصفیاء میں جو شہرت و مقبولیت بیدار و بقا و جلالی کو حاصل ہوئی وہ سب کو معلوم ہے، لیکن آپ بھی اگر دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں اور یہاں داخل ہوں تو بیت اللہ کا طواف و جد و الہانہ کیفیت میں فرمائیں گے، اور حسب ذیل اشعار و رد زبان ہوں گے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو نسیئاً للشر از جمال روئے تو

دست بکشاجانب ز نبیل ما آفریں بردست تو بازوئے تو

جب آپ کا یہ حال ہوگا تو ہمارا کیا حال ہونا چاہیے؟

ہفتہ ۲۴ صفر، اراکتوبر کو سعودی عرب کی جلیل القدر شخصیت

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الباز صدر رابطہ عالم اسلامی و صدر ادارۃ البحوث

والافتاء ریاض کی طرف سے بعد نماز جمعہ اپنے دولت خانہ پر کھانے کی مخصوص دعوت تھی، حسن اتفاق سے محترمی بید حاد صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور محبتِ مکرم ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی بھی مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے، دوسرے رفقاء کے ساتھ وہ بھی اس میں شریک ہوئے اور شیخ عبدالعزیز صاحب کے تعارف و گفتگو کا موقع ملا۔

مدینہ طیبہ کی حاضری

۲۵ صفر - ۱۸ اکتوبر یکشنبہ کو مدینہ طیبہ کے لئے روانگی ہوئی، عزیز می عبداللطیف ساعالی جو پوری نے جو مکہ معظمہ کے قیام میں پہلے دن سے اپنی قیمتی کار کے ساتھ ہر وقت موجود رہتے تھے، اور وہی موٹر اور حرم شریف اور جہاں جہاں جانا ہوتا تھا لے جاتے تھے، اس عرصہ میں کسی سرکاری گاڑی کی نوبت نہیں آئی، انھوں نے مدینہ طیبہ لے جانے اور وہاں کی مدت قیام میں رہنے اور واپس لانے کی پیش کش کی، جس کو شکر یہ کے ساتھ قبول کیا گیا، صبح اربعہ کے قریب مکہ معظمہ سے روانگی ہوئی، اور مدینہ طیبہ کے نئے راستہ طریق الحجۃ سے سفر کیا گیا، جو مختصر ترین راستہ ہے، سڑک اس اعلیٰ پیمانہ کی ہے، جس کی بڑے سے بڑے متمدن ملک اور شہر سے توقع کی جاسکتی ہے، فاصلہ کے نشانات اور جگہوں کے نام کی تختیاں پوری سڑک پر لگی ہوئی ہیں ONE WAY TRAFFIC کا انتظام ہے، ایک راستہ جانے کا اور ایک راستہ آنے کا جس کی وجہ سے حوادث کا امکان کم سے کم رہ گیا ہے، دونوں طرف اس خطرہ سے کہ جانور

(خاص طور پر اونٹ جو موٹر کے لئے بہت خطرناک سمجھا جاتا ہے) اچانک سڑک پر نہ آجائے، تار لگے ہوئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک حجاج وزائرین کے لئے تسہیل و راحت کے انتظامات کا تعلق ہے، سڑکوں کی تیاری، پانی کی فراوانی اور امن و امان اور جان و مال کے تحفظ کا تعلق ہے، حکومت سعودیہ نے اس سلسلہ میں جو انتظامات کئے ہیں، اور جس دریا دلی اور فراخ و وصلگی سے اس پر صرف کیا ہے، اس کی مثال تاریخ میں اوپر صدیوں تک نظر نہیں آتی۔

راقم سطور کو اپنا پہلا حج یاد آتا ہے جو ۱۹۲۶ء سے ۱۳۶۶ھ میں ہوا تھا، جدہ سے مدینہ طیبہ کے درمیان سرے سے کوئی سڑک نہ تھی، بسوں کے ڈرائیور اندازہ سے چلتے تھے، گرمیوں میں دوپہر میں ان کو کہیں ٹھہرنا پڑتا تھا، پانی کے پیے (تنک) جدہ اور مکہ میں بھی، قیمتاً خریدنے پڑتے تھے، جن سے پیاس بجھائی جاتی اور وضو اور غسل کیا جاتا، اس سے پہلے راستوں کی دشواری اور ناہمواری، پانی کی قلت اور اس کی وجہ سے عرفات و منیٰ میں بکثرت موتیں، راستہ کی بد امنی، اور بدوؤں کی غارت گری اور سفاکی کی ہوش رُبا داستانیں (جو ایک خبر متواتر کی حیثیت رکھتی ہیں) سعودی حکومت کے قیام سے پہلے کے عربی، اردو سفر ناموں میں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہیں، اس انقلاب عظیم اور

لے ذاب حاجی احمد حسین صاحب رئیس حسن پور مراد آباد نے ۱۹۰۴ء میں حجاز کا سفر کیا تھا، انھوں نے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ایک منزل پر قیام کیا وہاں اچانک بدوؤں نے حملہ کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:-

”تمام بدو مسلح بندوقیں نے کرا دھر اُدھر بھاگنا شروع ہوئے، تمام قافلہ میں
(باقی صفحہ ۳۰۲ پر)

سعودی حکومت کے کارنامہ کا اعتراف نہ کرنا (سارے مخلصانہ مشوروں، داعیانہ و ناصحانہ تنقیدوں اور نیک تمناؤں اور امیدوں کے ساتھ) ایک بڑی ناپاسی اور حق پوشی کے مرادف ہے۔

ہم تقریباً چار گھنٹے میں (ایسی حالت میں کہ راستہ میں تیل لینے اور قدرے تغلک کے لئے ٹھہرنا پڑا تھا) مدینہ طیبہ پہنچ گئے، یہی سفر ہم نے ۱۹۲۶ء (۱۳۶۶ھ) کے حج میں ایک دن اور دو راتوں میں بس پر طے کیا تھا، اور اس سے پہلے خود برا در معظّم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم نے جنھوں نے ۱۹۲۶ء (۱۳۴۴ھ) میں حج کی سعادت حاصل کی تھی، اونٹوں پر ۱۳ دن میں طے کیا تھا۔ ع

بسیں تفاوت رہا از کجاست تا یہ کجاہ

(باقی ص ۳۰۱ کا)

شور اور کھلبلی مچ گئی، اور برابر بندو قوں کے فیروں کی کھینٹ سے آواز بڑھتی گئی، دو گھنٹے کا دل یہی کیفیت رہی اس کے بعد قلعہ سے ترکا فوج پلٹن مسلح روانہ ہوئی اور سامنے کی چھاڑیوں میں جاکر مورچہ بند ہو گئی، تھوڑی دیر کے بعد ترکوں نے چند بار دیا بدوؤں کے مابین اس وقت کے انتشار قافلہ کا حال لکھنا مشکل ہے بالکل غدر ۱۹۲۶ء کی کیفیت تھی، تمام قافلے میں سب سے پہلے قوم جاوہ میں بھاگ پڑی کہ ان کے جو اس صبح نہیں تھے، اور اسباب کی گھڑیاں باندھ کر کسی نے بیگی بنائی، کسی نے نمر پیا کر کیا، کسی نے سر پر رکھا اور بھاگنا شروع کیا، سب لوگ اسباب اور شغوفوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے، (سفر نامہ حجاز ص ۱۵ مطبوعہ کرن ایٹم پریس دہلی)

مدینہ طیبہ کا چند روزہ قیام

مدینہ طیبہ میں قیام اپنی قدیم قیام گاہ بستان نورولی میں ہوا جو عبد الغنی محمد نورولی کے فرم کے مالکان آل نورولی کی ملکیت ہے پہلے سے طے کر لیا گیا تھا کہ اس سفر کا مقصد محض حاضری اور سلام ہے تقریروں اور جلسوں کے پروگرام نہیں ہوں گے اور اس سلسلہ میں دعوت دینے والوں سے معذرت کر دی جائیگی، صرف رابطہ الادب الاسلامی کی مجلس اثناء (بورڈ آف ٹرستینز) کی نشستوں میں شرکت ہوگی جس کے جلسے بعض مجبور یوں اور مصالح کی بناء پر اس سال قاہرہ یا دوسرے مقام کے بجائے مدینہ طیبہ میں رکھے گئے ہیں، وہ محدود اور مختصر نشستیں ہوں گی جن میں ارکان شریک ہوں گے جن کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہیں، اس مجلس میں شرکت کے لئے لکھنؤ سے عزیزان مولوی سعید الرحمن ندوی اتنا دارالعلوم و مدیر البعث الاسلامی اور مولوی محمد واضح (واضح رشید ندوی) اتنا دارالعلوم و مدیر "الرائد" چہار شنبہ کو براہ راست مدینہ طیبہ پہنچ لے جائیں نیز پاکستان سے رفیق قدیم اور صدیق مکرم ادیب کبیر مولانا محمد ناظم صاحب ندوی سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء و شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاول پور کراچی سے آرہے تھے ان کے جدہ پہنچنے کی اطلاع مل گئی تھی۔

مسجد نبوی حاضر ہونے کے لئے عزیز بی عبد اللطیف کی کار اور عزیز گرامی سید حسن طارق (ٹیلیفون انجینیر مدینہ طیبہ) کی رفاقت کی وجہ سے (جو مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام کے حضرت شیخ الحدیث کی وفات کے بعد منتقل میزبان ہوتے ہیں)

سہولت تھی، عصر کی نماز کے علاوہ جو اپنے ضعف و ماندگی اور مسجد شریف میں بہت سویرے ہونے کی بنا پر مجھے قیام گاہ پر پڑھنی ہوتی تھی، چاروں وقت حاضری کی توفیق ہوتی، کارباب السلام کے عین دروازہ تک پہنچ جاتی، اس مرتبہ ڈیوٹی پر متعین سپاہیوں نے جو کاروں کو دور روک دیتے ہیں، بہت رعایت سے کام لیا اور دروازہ تک پہنچنے کی اجازت دی، مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت حسب معمول مسجد شریف ہی میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی، جو مختصر لیکن بڑا قیمتی اور مبارک وقت ہوتا ہے۔

اس مرتبہ اکثر حاضری کے موقعہ پر اقبال مرحوم کے دو شعر بے اختیار زبان پر آجاتے اور حسب حال ہونے کی وجہ سے خاص لطف دیتے ہ

آہوئے زار و زبوں و ناتواں ، کس بہ فتر اکم نہ بست اندر چہاں
 اے پناہ ماہریم کوئے تو من بہ امیدے ریم سوئے تو

چونکہ مؤتمر کے مندوبین اور باہر کے مہمان جمعہ کو سرکاری انتظام کے ساتھ آکر واپس جا چکے تھے، مدینہ طیبہ کے بہت سے احباب نے قیاس کیا ہوگا کہ یہ ناچیز بھی اسی گروہ میں آکر واپس جا چکا ہے، مدینہ طیبہ میں عام طور پر میری حاضری کا دو سنتوں کو علم نہیں ہوا، پھر بھی شدہ شدہ کچھ احباب کو اس کی خبر ہو گئی، اور وہ قدیم معمول کے مطابق عصر اور مغرب کے درمیان آتے رہے، ان میں علماء بھی تھے، ادباء بھی، جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ بھی اور ہندوستانی احباب بھی، بعض ادبی مجلسوں سے تعلق رکھنے والے احباب نے کسی ادبی اسلامی موضوع پر (حسب سابق) ایک محاضرہ (تقریر) پراصر کیا،

لیکن ان سے معذرت کر دی گئی۔

رابطہ ادب اسلامی کی نشستیں

چهار شنبہ اور پنجشنبہ (۲۸، ۲۹ صفر - ۲۱، ۲۲ اکتوبر) ڈاکٹر عبد الباقی صاحب
 اتاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مکان پر جو حوالی مدینہ میں ہے، رابطہ ادب
 اسلامی کے ٹرسٹیوں کی نشستیں شروع ہوئیں، چہار شنبہ کو صبح اور بعد عشاء
 نشستیں رہیں، پنجشنبہ کو بعد عشاء ایک ادبی اور شعری نشست ہوئی جس میں
 مدینہ طیبہ کے متعدد ادباء و شعراء اور شاعر کبیر بہاء الامیری (جو رابطہ کے
 اعزازی رکن ہیں اور خاص طور پر اس کی مجالس میں شرکت کے لئے مکہ معظمہ
 سے آئے تھے) شریک ہوئے، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی بھی جو موصلات کی
 دقت کی وجہ سے جدہ سے تاخیر میں پہنچے تھے، اس میں شریک ہوئے، اور
 اپنا کچھ عربی کلام بھی سنایا، عمر بہاء الامیری صاحب نے اسلامی ادب پر ایک بڑی
 بلیغ اور خطیبانہ تقریر کی۔

جمعہ کی نماز مسجد نبوی شریف میں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی،
 اور اسی روز بعد نماز عصر ذرا تاخیر سے سلام و وداع پڑھ کر جدہ کو روانگی
 ہوئی اور تقریباً ساڑھے تین گھنٹے بعد ۱۹ بجے شب میں جدہ پہنچ گئے۔

جدہ کا ایک روزہ قیام اور ایک تقریر

جدہ میں صرف ایک روز شنبہ ۲۲ اکتوبر کو قیام کرنا تھا، اس لئے

یہ دن بہت مصروف گذرا اسی عرصہ میں خواہر زادہ عزیزید مصباح النبی
 حسنی سلمہ کے مکان پر بھی جانا تھا، اور دوپہر کو اپنے قدیم فاضل و باوقاد دوست
 شیخ محسن احمد باروم مالک دار الشروق کے یہاں کھانا تھا، اس میں قدیم
 احباب سے ملنے کی بھی توقع تھی، جتدہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں میرے ایک
 محاضرہ کا بڑا اعلان ہوا ہے، اور شہر میں اس کا بڑا چرچہ ہے، میرے ذہن
 سے یہ بات نکل گئی تھی کہ مجھ سے اس کا سرسری طور پر تذکرہ ہوا تھا، اور میں نے
 زیادہ غور کئے بغیر اس کی حامی بھرنی تھی، اسی روز ۹ بجے ریاض کے لئے اور
 ریاض سے دوسرے بھارت پر دہلی کے لئے پرواز تھی، جس کے لئے دو گھنٹے پہلے
 ہوائی اڈہ پہنچ جانا ضروری سمجھا جاتا ہے، ذہن پر سخت بار ہوا کہ مغرب کے
 بعد جو ۶ بجے ہو رہی ہے، تقریر کیسے ہو سکے گی؟ لیکن ”سنگ آمد و سخت آمد“
 لوگوں نے کہا کہ اب کسی معذرت یا انکار کی گنجائش نہیں، اس تقریر کی عام شہرت
 ہو گئی ہے، اور تفصیل کے ساتھ اعلان اور مقرر کا تعارف کرایا گیا ہے، میں یہ بھی
 تحقیق نہیں کر سکا کہ اصل داعی و منتظم کون سی جماعت ہے، کسی نے کہا کہ
 ندوۃ الشباب العالمی جس کو انگریزی میں W.A.M.Y کہتے ہیں، کسی نے کسی اور
 جماعت کا حوالہ دیا، میزبانوں اور دوستوں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں سامان
 اور ضروری کاغذات پہلے سے ہوائی اڈہ چلے جائیں گے، آپ ایک گھنٹہ پہلے
 بھی پہنچئے تو حرج نہیں ہے۔

حسن اتفاق کہ مسجد منصور شعبی جس میں تقریر کا اعلان ہوا تھا،
 ہوائی اڈہ کے راستے میں تھی، اور وہاں سے ہوائی اڈہ کار سے ۱۔۲ منٹ کی

مسافت پر رہ جاتا تھا، تو کلاً علی اللہ مغرب سے پہلے مسجد کے لئے روانگی ہوئی یہ جگہ کی عظیم اور وسیع ترین مسجدوں میں ہے، مغرب کی اذان کے وقت وہاں پہنچنا ہوا، دیکھا تو مسجد کچھ کچھ بھری ہوئی تھی، اور لوگ سراپا شوق تھے، امام اور خطیب مسجد شیخ عبداللہ علی بصرہ نے مقرر کا تعارف اس طرح کرایا کہ معلوم ہوا کہ وہ شخصی طور پر واقف ہیں، یا "فی مسیرة الحیاة" (کاروانِ زندگی کا ترجمہ) پڑھ چکے ہیں، میں نے سورہ مائدہ کی آیت :-

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین
وَأَنشَأْتُ لَكُم مِّنْ بَيْنِي کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا پوری کر دیں، اور تمہارے لئے

(سورہ المائدہ - ۳) اسلام کو دین پسند کیا۔

پڑھ کر تقریر شروع کی، محسوس ہوا کہ خدا کی مدد اور مضامین کا ورود ہے، میں نے پہلے بتایا کہ دین کا پایہ تکمیل کو پہنچ جانا، اور ختم نبوت کتنی بڑی نعمت اور شریعت کی حفاظت اور ملت کی شیرازہ بندی کی کیسی بڑی ضمانت ہے، اور یہ اعلان کسی سابق دین و امت کو نصیب نہیں ہوا، جس کا اظہار بڑی حسرت سے اس یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کیا، اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے سابقہ شرائع آسمانی اور دینی ملتیں دور ابتلاء سے گذرتی رہیں، ان میں نبوت کے دعویدار وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے، اور ان ادیان و ملل کے علماء کی توانائیاں، ذہانتیں اور اوقات و توجہات ان کی تردید و ابطال میں صرف ہوتے رہے، جس کا اظہار و اعتراض یہودی عیسائی مذہب کی

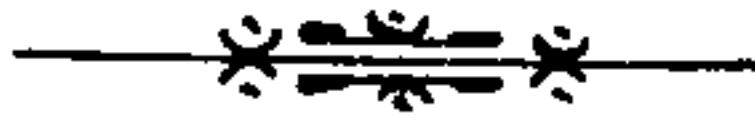
تاریخوں اور مذاہب و اخلاق کے دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) میں موجود ہے۔

پھر میں نے کہا کہ جس شان اور آن بان اور احسان و امتنان کے انداز میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ”میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی“ اس کی روح اور مزاج اور اس کے تقاضے اور ذہنی و نفسیاتی اثر کے یہ بالکل منافی ہے کہ جن لوگوں کو یہ بشارت دی گئی اور ان کو اس انعام سے سرفراز اور اس تمغہ امتیاز سے مشرف کیا گیا، وہ اس حجۃ الوداع اور وقوف عرفات کے چند مہینے بعد (جس میں یہ بشارت سنائی گئی تھی اور اعلان کیا گیا تھا) اپنے نبی کے دنیا سے تشریف لے جانے کے متصلاً بعد اس دین کو خیر باد کہہ دیں گے اور معاذ اللہ از تداد اور کفر و کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کریں گے، عالم الغیب خدا جو بعد کے پیش آنے والے واقعات سے بھی اسی طرح باخبر ہوتا ہے، جس طرح ماضی کے واقعات سے، ایسے حال میں کبھی ایسا اعلان نہ فرماتا، اور یہ خوشخبری نہ دیتا، اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ النصر میں ”يَدُّ خَلْقُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا“ کہا گیا ہے، لیکن کہیں ان نفوس قدسیہ کے فوج بہ فوج اس دین سے نکلنے کا ذکر تو الگ ”یخرجون من دین الله افراداً“ کا بھی ذکر نہیں آیا ہے، اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معاذ اللہ عمومی ردت اور اصراف لہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تقریر کے بعد خمینی تحریک اور ایرانی انقلاب کے بارہ میں مجھ سے سوالات کئے جائیں گے، جن کا اس جلسہ میں موقع اور وقت نہیں تھا۔

وتحرلیت کا افسانہ محض طبع زاد اور تسویل شیطانی ہے۔

پھر میں نے کہا کہ ”اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“
 کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ ہم عقائد و عبادات کے علاوہ اخلاق و معاشرت
 تہذیب و تمدن میں بھی خود کفیل اور خالص اسلامی تعلیمات، قرآنی رہنمائی
 اور اس کے دیئے ہوئے رہنما اصولوں اور حدود کے پابند ہوں اور معاشرتی
 و تمدنی و تہذیبی طور پر مغرب کی تقالی کے ترکیب اور اس کا سایہ بن کر
 نہ رہ جائیں ہم کو اللہ تعالیٰ نے اصول و عقائد کے ساتھ ایک مستقل نظام
 معاشرت اور میز تہذیب و تمدن بھی عطا فرمایا ہے اور ہم کو اسی کا نمونہ
 اس مرکز اسلام میں پیش کرنا چاہیے۔

الحمد للہ تقریباً طینان سے ہوئی، امام صاحب نے اعلان کیا کہ شیخ کو
 اسی وقت روانہ ہونا ہے، مصافحہ اور معانقہ کی کوشش نہ کی جائے، انھوں نے
 ایک دوسرے دروازہ سے بھی نکلنے کا انتظام کیا لیکن پرجوش نوجوانوں کی
 ایک تعداد ٹوٹ پڑی اور بڑی مشکل سے ان کے گھیرے سے نکل کر ہوائی اڈہ
 کے لئے روانگی ہوئی، محبتی محمد عثمان صاحب ریاض تک رخصت کرنے آئے
 اور وہاں سے دوسرے جہاز پر بٹھا کر روانہ کیا، اور ہم لوگ اطمینان و راحت
 کے ساتھ اگلے دن صبح یکشنبہ ۸ بجے دہلی پہنچ گئے۔



باب سیزدہم

دو سیمینار ایک عظیم حادثہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رابطہ ادب اسلامی کا ایک سیمینار

راقم سطور کو نومبر ۱۹۸۷ء کے پہلے ہفتے میں عزیز گرامی مولوی قاضی محمد معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کے بچوں کی تقریب شادی میں شرکت کے لئے اندور کا سفر کرنا تھا، رفقاء و اہل تعلق کی ایک جماعت کے ساتھ بھوپال کے راستہ سے ۲ نومبر کو شب میں وہاں پہنچنا ہوا، دو دن کے مصروف و خوشگوار قیام کے بعد براہ بھوپال واپسی ہوئی، رفیق قدیم مولانا حافظ محمد عمران خان صاحب ندوی مرحوم کی وفات پر تیسرے ہی دن جو سفر اکتوبر ۱۹۸۶ء میں کیا گیا تھا، اس کے بعد سے بھوپال جانا نہیں ہوا تھا، اس لئے وہاں ایک روز ایک شب (۷ نومبر ۱۹۸۷ء کو) قیام ضروری سمجھا گیا، مولانا مرحوم کے فرزندوں اسپانڈگان اور رفقاءے کار سے ملنا ہوا اور تاج المساجد میں بعد مغرب ایک عمومی اجتماع کو بھی خطاب کیا گیا، (جو مولانا سعید مجددی صدر وقت بورڈ مدھیہ پردیش کی صدارت میں ہو رہا تھا) جس میں موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو اپنے دعوتی و اصلاحی مقام پر مضبوطی سے قائم رہنے اور ان ملی و وطنی ذمہ داریوں کو

پورا کرنے اور خیرامۃ کے معیار پر پورا اترنے کی تلقین کی گئی جس کے لئے وہ
 امور اور منتخب کئے گئے ہیں، اور جس کو متزلزل کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں
 اور واقعات و حالات کا (جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں) رد عمل بھی ہوتا ہے۔
 اس سفر میں یا اس سے ایک دو روز پیشتر معلوم ہوا تھا کہ رابطہ ادب
 اسلامی کے ہندوستانی مرکز و دفتر نے (جو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہے)
 ۱۲ نومبر کو ایک سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس کا عنوان ہوگا "اردو
 ادب پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا اثر" اور اس کے لئے اس موضوع سے
 مناسبت اور تعلق رکھنے والے فضلاء و ادباء اور یونیورسٹیوں کے ذہنی و ادبی رجحان
 رکھنے والے ممتاز اساتذہ کو دعوت نامے بھیج دیئے گئے ہیں، اور اچھی تعداد میں
 ان کی شرکت کی توقع ہے، یہ رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری مولوی سید
 محمد رابع ندوی اور دفتر کے انچارج مولوی عبد النور (نور عظیم) ندوی کا انتخاب
 کیا ہوا موضوع اور منصوبہ تھا، اور اس سلسلہ میں مولوی نور عظیم صاحب کی بنیادی
 حصہ اور ان کی محنت و جدوجہد تھی۔

سیمینار کے انعقاد کی تاریخ سے صرف ایک دو روز پہلے لکھنؤ پہنچنا ہوا،
 ۱۱ نومبر کو کتب خانہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاندار عمارت کے وسیع
 زیریں ہال میں سیمینار کا آغاز ہوا، سکریٹری رابطہ مولوی محمد رابع حسینی ندوی نے
 اپنی رپورٹ پڑھی جس میں رابطہ ادب اسلامی کے قیام کی ضرورت اور اس کے
 دائرہ کار پر روشنی ڈالی گئی تھی، اور اس سلسلہ میں اس وقت تک جو کچھ پیش رفت
 ہوئی ہے اس کو بیان کیا گیا، پھر مختصر اید صاحب کی تحریک سے اردو زبان ادب

جو اثر پڑا اور اس کو اس سے جو فائدہ پہونچا اس کی نشاندہی کی گئی۔

اس رپورٹ کے بعد میں نے بحیثیت صدر جلسہ افتتاحی تقریر کی جس میں تحریک اور زبان کے درمیان جو دائمی اور طاقتور رشتہ ہے، اس کو واضح کیا گیا، اور بتایا گیا کہ کوئی عوامی اصلاحی، تعمیری یا سیاسی و انقلابی تحریک، زبان سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، یہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار اور عوام کے دل و دماغ تک پہونچنے کا آسان راستہ ہے، اسی طرح زبان بھی کسی طاقتور تحریک کے ذریعہ ہی وسعت، تاثیر اور طاقت میں صدیوں کی منزل بعض اوقات برسوں اور مہینوں میں طے کر لیتی ہے، اور اس کو وہ فائدہ پہونچتا ہے، جو کسی حکومت کی سرپرستی اور تعلیمی اداروں سے نہیں پہونچ سکتا، دنیا کا کوئی انقلاب زبان کے بغیر نہیں ہوا، اور اسلام نے جو صالح عالمگیر انقلاب برپا کیا، اس کی دعوت اور سرگرمی نے تو زبان سے اتنا بڑا کام لیا جتنا کسی مذہب یا دعوت نے نہیں لیا ہوگا، اسلام کے بہترین ترجمان اور داعی، اس زبان کے بہترین خطیب اور اہل قلم تھے، دراصل زبان کسی منصوبہ یا سمجھوتہ کے ماتحت نہ بنتی ہے، نہ ترقی کرتی ہے، اس کے لئے نین بڑے تخلیقی عناصر ہیں، ضرورت، جذبہ، اور اقدار بیت، اردو زبان کے وجود میں آنے، اس کے عوامی بننے اور نشوونما میں صوفیاء کرام کا بنیادی حصہ رہا ہے، مصنف گل رعنا نے تصوف، صوفیائے کرام کی تاریخ، بزرگان دین کے ملفوظات سے (جن کو برکت کے خیال اور احترام و عقیدت کے ماتحت ناقلمین و مورخین نے جوں کاتوں انھیں کے لفظوں میں نقل کر دیا ہے، جس کی مثال دوسرے طبقہ کی اہم شخصیتوں کے معاملہ میں

نہیں ملے گی) متعدد مثالیں دی ہیں، اس لئے کہ صوفیائے کرام اور داعیانِ اسلام کا مقصد بات کو دل میں انازنا تھا، اپنی عربی اور فارسی کی دھاک بٹھانے اور اپنی علمیت بچانے کی کوشش نہیں تھی، اس لئے ان کو ایک ایسی زبان کی ضرورت پڑی جو عام فہم، مشترک، روزمرہ کی بولی اور عربی، فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ سے پاک ہو تاکہ ناخواندہ لوگ بھی ان کی بات سمجھ لیں، اس کے نتیجے میں وہ زبان وجود میں آئی جو ترقی اور وسعت اختیار کرنے کے بعد اردو کہلائی، اس کا سراغ ہمیں نویں صدی ہجری ہی کی ابتدا میں اور گجرات جیسے مرکزی سلطنت سے دور علاقہ میں ملتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا نمبر تحریک کا ہے جس کو ایسی زبان کی ضرورت ہوتی ہے جو جذبہ کو عام کر سکے اور عوام کو تحریک کا نہ صرف ہم نوا، بلکہ اس کا سپاہی اور سرفروش مجاہد بنا سکے، ورنہ وہ تحریک علمی و فکری دائرہ میں محدود، اور ایک طبقے میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے، اسی بناء پر حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے عام فہم اردو زبان میں دینی و اصلاحی خطاب کرنے اور

لے ملاحظہ ہو تذکرہ شعرائے اردو گل رعنا (مولانا جلیل سید عبدالحی صاحب سابق ناظم

ندوۃ العلماء، مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ) ص ۱۲-۱۳

۱۲ مولانا نے ایک جگہ پر حضرت قطب عالم گجراتی کی زبان سے نکلا ہوا فقرہ ”لو ہے یا لکرہ یا پھر کیا ہے“ اور اسی طرح محمود شاہ اول فرماں روا کے گجرات کا جملہ ”نیچی سیری ہر کئی جھورے“ نقل کیا ہے، (گل رعنا ص ۱۵-۱۶) نیز اس عہد میں زبان سے نکلے ہوئے دوسرے رجسٹر جملے جو آج بھی اچھی خاصی اردو کے معلوم ہوتے ہیں، نقل کئے ہیں (ص ۱۵-۱۹)

سہل اور روزمرہ زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعہ اصلاح عقائد و رسوم اور اصلاح معاشرہ کا وہ زبردست انقلاب انگیز اور عہد آفریں کام کیا جس کی مثال اس سے پیشتر کی اصلاحی تحریکوں میں ملنی مشکل ہے، انھوں نے عین میدانِ جنگ میں بھی شاعری کی ضرورت اور جوش آفریں کلام کے ذریعہ جذبہ جہاد کو فروزاں کرنے کی صلاحیت کو نظر انداز نہیں کیا، مولانا اسماعیل شہیدؒ کی "تقویت الایمان" مولانا محمد علی بلہوری کی "نصیحت المسلمین" اور ان کا قصیدہ جہاد یہ (جو فوجی صف آرائی کے موقع پر پڑھا جاتا تھا) اور مولانا کریمت علی صاحب جوپوری کی عقائد۔

— دینی مسائل کی اردو کتابیں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں، جن سے لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں نے مجموعی طور پر فائدہ اٹھایا اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

اسی حقیقت پسندی اور فطرت انسانی کے رمز سے آگاہی اور اصلاح مسلمین کے جذبہ نے اس تحریک سے پہلے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دو بلند پایہ فرزندوں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ ریح الدین صاحب کو قرآن مجید کے اردو ترجمہ پر آمادہ کیا، اور میں اپنے تقابلی مطالعہ اور جن زبانوں سے واقفیت رکھتا ہوں، ان کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید کا کسی زبان میں بھی ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے بہتر کامیاب اور مؤثر نہیں ہوا، شاہ صاحب کا یہ ترجمہ بھی سید صفا کی

لے اس موقع پر پھر نے شاہ صفا کے ترجمہ کی ایسی مثالیں دیں، جن میں قرآنی الفاظ (باقی ص ۳۱۵ پر)

جماعت کے بعض نامتربین اور اہل مطالع ہی کی توجہ اور کوشش سے پہلی مرتبہ شائع ہوا اور گھر گھر عام ہو گیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی نے بھی ہر طرح کے مذہبی، لسانی، تہذیبی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر اردو کے عام فہم اور اثر انگیز جملوں سے کام لیا چنانچہ ”انقلاب زندہ باد“ کے نعرہ کا اب بھی کوئی بدل نہیں، اسی طرح لفظ ”شہید“ میں جو دل کشی اور اثر انگیزی ہے، وہ کسی اور لفظ میں نہیں ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر تحقیقی کام کیا جائے اور سید صاحب کی دعوت و تحریک اور ان کے رفقاء کی اردو تصنیفات و رسائل کے فنی و لسانی پہلوؤں اور زبان و ادب پر ان کے گہرے اور دیرپا اثرات کو نمایاں کیا جائے۔

وقت کی تنگی اور داعیوں و منتظمین کی گونا گوں مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے باوجود خاصی تعداد میں جامعات و مدارس کے فضلاء، عربی، فارسی اور اسلامیات کے شعبوں کے ذمہ دار اور سربراہ اور تحقیقی و علمی کام کرنے والے حضرات شرکت کے لئے آگئے تھے، ہند گیشہر ت رکھنے والوں میں جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم، اے، ناظم دارالمصنفین اور خواجہ احمد صاحب فاروقی (سابق صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی) جن کا اس موضوع پر

(باقی صفحہ ۳۱۴ کا) ان کی روح، طاقت اور درجہ حرات کی ایسی نمود تھی جو خود عربی کی بہت سی تفسیریں اور دوسری زبانوں کے ترجموں میں نہیں ملتی۔

اے تقریر قلم بند کرنے میں اصل تقریر کے انفاک کی پابندی نہیں کی گئی اور لکھانے وقت اس میں کہیں کہیں تشریحی و تمثیلی اضافے کر دیئے گئے ہیں۔

ایک مستقل تحقیقی مقالہ اور خطبہ "اردو میں وہابی ادب" کے عنوان سے ہے جو انھوں نے ۱۹۶۷ء میں مستشرقین کی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں امریکہ میں پڑھا تھا، موجود تھے، ہندوستان کی آٹھ نامور یونیورسٹیوں (لکھنؤ، الہ آباد، علی گڑھ، بنارس، دہلی یونیورسٹی، نہرو یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، اور کشمیر یونیورسٹی) کے ممتاز اساتذہ اور متعدد اپنے شعبوں کے صدور اور پروفیسر و ریڈر شریک ہوئے، جن میں اکثر ندوی فضلاء تھے، کشمیر یونیورسٹی کی نمائندگی خود وہاں کے وائس چانسلر ڈاکٹر مشیر الحق ندوی نے کی، ان میں سے اکثر اس موضوع پر مقالات تیار کر کے لائے تھے، ان میں سے اکثر کا موضوع اور مرکز بحث حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی "تقویت الایمان" تھی، ڈاکٹر عبداللہ شہا س ندوی سابق پروفیسر جامعہ "ام القریٰ" مکہ معظمہ و حال معتمد تعلیمات دارالعلوم نے بھی بحث میں حصہ لیا، متعدد نمائندوں کا تاثر اور مشورہ یہ تھا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے بارہ میں اس سے زیادہ اہتمام اور تیاری کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر ایک مجلس مذاکرہ و سیمینار منعقد ہونا چاہئے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں سید صاحب کی تحریک پر تحقیق کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم ہونا چاہئے۔

اس مجلس مذاکرہ (سیمینار) کے ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک سے متعلق کتابوں اور مخطوطات کی ایک نمائش (DISPLAY) بھی کتب خانہ کی عمارت کے دوسری منزل میں تھی، جس کا غالباً سب سے بڑا ذخیرہ پروفیسر میں (رائے بریلی اور ٹونک کے تعلق کی وجہ سے، نیز پنجاب یونیورسٹی لاہور کے تعاون

لے، اس مقالہ کا اردو ترجمہ خواجہ صاحب کے مجموعہ مضامین "چراغِ رہ گزر" میں شامل ہے (۱۰۹-۱۱۲)

سے) کتب خانہ ندوۃ العلماء ہی میں ہے، خاندانی خطوط، دستاویزوں اور حضرت سید رضا کے دستخط سے مزین مکاتیب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کے کتب خانہ سے (چودارا العلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں امانت ہے) لے کر یہاں رکھے گئے تھے، جن کا اس تعداد میں کہیں فراہم ہونا، بعید از امکان ہے، اہل ذوق نے ان سب نوادروں و مخطوطات کی بڑے ذوق و شوق سے زیارت کی اور ان کی اہمیت کا اعتراف کیا، اور اس علمی نمائش سے سید صاحب اور ان کی تحریک پر ایک وسیع اور وسیع سیمینار کے منعقد کرنے کے خیال کو مزید تحریک و تقویت حاصل ہوئی۔

مقالات اور برجستہ تقریروں میں چونکہ بعض ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا جن میں سے بعض سے یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ سید صاحب کی یہ تحریک محض جنگ آزادی کی ایک تحریک تھی اور بعض سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی تھی کہ وہ محض نجات سنگھ کی سیکھ حکومت (جس سے پنجاب کے مسلمانوں پر عرصہ عیاشیات تنگ ہو رہا تھا) کے خلاف ایک محدود اور مقامی جدوجہد تھی، اس تاثر کو دور کرنے کے لئے مولوی محمد عارف ندوی نے ایک مؤثر تقریر کی جس میں سید صاحب کی تحریک کی ہمہ گیری اور اس کے حقیقی مقاصد پر روشنی ڈالی گئی تھی، سیمینار کی آخری نشست میں راقم سطور نے ضرورت سمجھی کہ خود سید صاحب کے مکاتیب کے اقتباسات کی مدد سے اور ان کی روشنی میں اس کی وضاحت کی جائے کہ ان کا مقصد محض رضائے الہی کا حصول، فریضہ جہاد کا اہتمام، قانون شریعت اور احکام الہی کا اجراء اور ان کی بنیاد پر ایک آزاد دینی اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اعلیٰ منہلج الاخلاق

الراشدہ) حکومت اسلامی کا قیام تھا، انھوں نے اپنے متعدد خطوط میں اس کی صاف صاف تشریح کی ہے کہ مقصد اصلی ہندوستان ہے اور اس کو ان کے الفاظ میں "بیگانگان بعید الوطن، اور تاجران متلع فروش" (انگریزوں سے) جو لوگ زمین و زمین بن گئے ہیں آزاد کرانا اور پھر یہاں سے لے کر افغانستان اور ترکستان تک ایک آزاد اسلامی سلطنت قائم کرنا تھا، راقم نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ میں نے ہندو بیرون ہند کی کثیر التعداد مجالس مذاکرہ (سیمیناروں) میں شرکت کی ہے اور بحث و مذاکرہ میں حصہ لیا ہے، لیکن مجھے اس سیمینار میں جو اور انیت یا واضح لفظوں میں روحانیت محسوس ہوئی وہ اس سے پیشتر کسی سیمینار میں محسوس نہیں ہوئی، اور یہ اس سیمینار کی اُس مخلص اور مقبول گروہ اور اس کے ربانی و حقانی قائد سے نسبت کی برکت ہے جس کے نام پر یہ سیمینار منعقد ہوا ہے۔

ایک عظیم حادثہ، بید صباح الدین عبد الرحمن صفا کی وفات

محترمی بید صباح الدین صفا ایم، اے، ناظم دار المصنفین اعظم گڑھ جن کا ۱۹ نومبر کو منعقد ہونے والی دار المصنفین کی مجلس انتظامی میں شرکت اور

لے یہ تاثر راقم سطور کا ذاتی تاثر ہی نہیں تھا، کئی شرکائے مجالس نے جو دینی شعور و صلاح رکھتے ہیں اس کا اظہار کیا، ان دونوں کے اندر جن میں یہ سیمینار منعقد ہو رہا تھا، راقم سطور کو اپنی نازوں اور دعاؤں میں بھی فرق محسوس ہوا، اور یہ حضرت بید صاحب کے تذکرہ و حالاً کی ایک خصوصیت ہے جس کا راقم کو بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور متعدد اہل قلوب اور اہل باطن نے خود اپنے بارہ میں اس کی شہادت دی ہے۔

اس کے انتظام کے لئے آنا تھا، بعض ضروری مشوروں اور اس سیمینار میں شرکت کے خیال سے جو ان کے ذوق، مسلک تاریخی مطالعہ اور دینی رجحان کے عین مطابق تھا، ۱۰ نومبر ہی کو لکھنؤ پہنچ گئے تھے، وہ اس کی مجلسوں اور کارروائی میں پورے طور پر شریک رہے، ایک نشست کی صدارت بھی کی اور ایک مؤثر اور معلومات افزا تقریر بھی فرمائی، اس مرتبہ خلافت معمول اکھنوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ۸ دن قیام کیا، جس کا اتفاق غالباً اس سے پہلے پیش نہیں آیا تھا، وہ دارالمصنفین کے قضیہ میں بعض پریشان کن اور انتشار انگیز مقامی مخالفتوں اور کوششوں کے باوجود جن کے نتیجے میں سستی وقت بورڈ اور مقامی عدالت تک قضیہ پہنچ گیا تھا، غیر معمولی طریقہ پر ہشاش بشاش اور اچھے موڈ میں تھے، عصر اور بعد عشا کی مجلسوں میں جو بہان خانہ میں ہوتی تھیں، وہ رونق محفل ہوتے تھے، اور اپنے وسیع تاریخی مطالعہ، متنوع معلومات اور لطائف و ظرائف سے مجلس کو باغ و بہار بنا دیتے تھے۔

اسی زمانہ قیام کے آخری دنوں میں سید شہاب الدین دینوی صاحب جو ان کے عزیز قریب اور معاون و مشیر بھی تھے، پٹنہ سے تشریف لے آئے، اس سے ان کو اور بھی مسرت و تقویت حاصل ہوئی، محترمی افتخار فریدی صاحب بھی جو ان کے بڑے قدر دانوں میں ہیں، مراد آباد سے آئے ہوئے تھے، ان سے بھی خوب مجلسیں رہیں۔

۱۷ نومبر کو مجھے بعض ضرورتوں کی بنا پر رائے بریلی جانا پڑا، ۱۸ نومبر کو دوپہر کے کھانے کے بعد ۲-۲ بجے کے درمیان جب میں قبیلوہ کے لئے بستر پر

لیٹ گیا تھا، عزیز عزی عبد الرزاق نے آکر کہا کہ ایک بڑی خبر دہلی سے ٹیلیفون پر نیاز صاحب نے دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کا ایک حادثہ میں اچانک انتقال ہو گیا، سید شہاب الدین دینوی صاحب جو ان کے ساتھ ہی رکشائیں بیٹھے ہوئے تھے، بال بال بچ گئے، یہ خبر بکلی بن کر دل و دماغ پر گری اور اعصاب بڑی طرح سے متاثر ہوئے، میں ان کو اچھا خاصہ تندرست اور ہشاش بشاش چھوڑ کر آیا تھا، اگر ذریعہ اطلاع معتبر نہ ہوتا تو اس پر یقین کرنا مشکل تھا، پھر بھی فرط تعلق سے دل کو یہ سمجھانا رہا کہ یہ واقعہ لکھنؤ میں پیش آیا اور اطلاع دہلی سے آئی ہے، اس میں کچھ غلط فہمی کا دخل بھی ہو سکتا ہے، مجھے اسی دن شام کو لکھنؤ واپس ہونا تھا، اس لئے کہ اگلے روز ۱۹ نومبر کو دارالمصنفین کی مجلس انتظامی کا جلسہ تھا، اور رات ہی سے باہر کے ارکان کے آنے کا سلسلہ شروع ہونے کی توقع تھی، لکھنؤ، رائے بریلی کے درمیان کا راستہ جس طرح کٹا وہ اللہ ہی جانتا ہے، عین مغرب کی نماز کے وقت ہماری گاڑی دارالعلوم کے احاطہ میں داخل ہوئی تو وہ مسجد کی طرف آرہی تھی اور غسل تکفین کے بعد صوم کا جنازہ نماز جنازہ کے لئے مسجد کے میدان میں آرہا تھا، نماز مغرب کے بعد راقم ہی کو یہ خدمت انجام دینی پڑی۔

حادثہ کی تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ سید صباح الدین صاحب صوم کو اچانک

اے عزیز نیاز احمد رائے بریلی، ابو محترمی ضیاء الرحمن انصاری صاحب وزیر مملکت

کے P.A ہیں، اور عام طور پر میرے سفروں اور قیام کے زمانہ میں رابطہ کا کام دیتے ہیں، اور

ان کے ذریعہ سے ضروری امور کی اطلاع ملتی رہتی ہے۔

مولانا مفتی رضا انصاری صاحب سے ملاقات کے لئے (جو اردو اکیڈمی کے جس کے سید صاحب قدیم رکن تھے، سابق صدر) فرنگی محل جانے کا تقاضہ پیدا ہوا، سید شہاب الدین صاحب دسینوی نے بھی کہا کہ میں نے ابھی تک فرنگی محل کی زیارت نہیں کی ہے، مجھے بھی شوق ہے، دونوں دارالعلوم سے ایک رکتہ پر روانہ ہوئے، ڈالی گنج کے پل پر (جو راستہ میں پڑتا ہے اور تنگ ہونے کی وجہ سے اس پر بڑی بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے) تھوڑی دور چلے تھے کہ رکتہ کے سامنے اچانک ایک آوارہ گائے آگئی، رکتہ والے نے رکتہ کو روکا جس سے ایک جھٹکا لگا، سید صاحب الدین صاحب جو غالباً گفتگو میں محو تھے، اس جھٹکے سے نیچے گر گئے اور غالباً سر کے بل جس سے سر پر چوٹ آئی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک ٹرک آ رہا تھا، اس نے برک لگایا لیکن اس کا ایک پہیہ ان کے سر سے لگ گیا جس سے صدر میں مزید اضافہ ہوا، سید صاحب مرحوم کو اسی وقت ٹرک پر رکھ کر شہاب الدین صاحب کی معیت میں میڈیکل کالج پہنچا دیا گیا، جہاں ڈاکٹروں نے دیکھ کر ان کے انتقال کی خبر دے دی، کسی طرح دوا دوش کر کے پوسٹ مارٹم کے قانونی مرحلہ سے ان کو بچایا گیا، جس میں گورنر صاحب یو پی جناب محمد عثمان عارف صاحب نقشبندی کی سفارش اور توجہ کو بھی دخل تھا۔

عشا کے وقت نعش کی گاڑی پر اساتذہ اور طلبہ کی ایک جماعت اور سید شہاب الدین صاحب دسینوی کی معیت میں علم و شرافت کے اس گنج گراں بایہ کو

نہ مولانا مفتی رضا انصاری صاحب کے تعزیتی خط سے معلوم ہوا کہ وہ اس حادثہ سے ایک ہی دو روز پہلے لکھنؤ سے دہلی روانہ ہو چکے تھے، اور انہوں نے سید صاحب کو اپنے ایک خط سے اطلاع بھی دی تھی، جو ان کو سفر کی وجہ سے نہیں ملا تھا۔

اعظم گڑھ کے لئے رخصت کیا گیا، جس کا ان کا آخری آرام گاہ بننا مقدر تھا اور اس کا حق تھا۔

اس اچانک حادثہ نے دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالا جو عرصہ تک فراموش نہ ہوگا خاص طور پر جب ان کے بڑے فرزند ڈاکٹر اختتام الرحمن صاحب کانپور سے اعظم گڑھ جانے کے لئے یہاں آئے تو اپنے کوقابو میں نہیں رکھ سکا، ۱۹ نومبر کو ۱۰ بجے کے قریب (جس دن اوجڑیں وقت دارالمصنفین کی مجلس انتظامی کا ہونا طے تھا) مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو ان کی خواہش اور وصیت کے مطابق علامہ شبلیؒ کی بچد کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔

آسماں اس کی محد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اگلے روز ۱۹ نومبر کو (جب دارالمصنفین کی مجلس کا جلسہ ہونا تھا) ٹھیک اسی وقت دارالعلوم کی وسیع مسجد میں ان کے سلسلہ میں پروفیسر ضیاء الحسن صاحب فاروقی کی صدارت میں تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں مولوی ڈاکٹر عبدالشعباس ندوی، مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی، مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی اور راقم نے تقریریں کیں اور صدر جلسہ نے آخری خطاب کیا۔

۲۲ نومبر کو مجھے جامعہ سلفیہ بنارس میں ہونے والے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے سیمینار میں شرکت کرنی تھی (جس کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ آئندہ سطور میں آ رہا ہے) اس سے فارغ ہو کر ۲۳ نومبر کو اپنے وعدہ کی تکمیل کے سلسلہ میں

جامع مسجد منو کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے عزیزی مولوی سعید الرحمن ندوی کی رفاقت اور داعی و منظم تقریب مولانا حبیب الرحمن صاحب نعمانی کی قیادت میں منو جانا پڑا جہاں اس تقریب سے فراغت اور بعض دوسرے پروگراموں کی تکمیل کے بعد ۲۳ نومبر کی شام کو شبلی منزل اعظم گڑھ پہنچنا ہوا، وہاں بعد مغرب اعلان شدہ پروگرام کے مطابق میری صدارت میں ایک نمائندہ تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مختلف دینی جامعات و مدارس مسلم تنظیموں کے رہنما، ضلع کے علماء اور حکام میں سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور کپتان پولیس بھی شریک تھے، تمام مقررین نے اپنے گہرے تاثرات پیش کئے اور مرحوم کی خصوصیات و خدمات کا بلند الفاظ میں اظہار کیا، دارالمصنفین کی ایک شبانہ اور اگلے دن کے چند گھنٹوں کے قیام نے اور پھر ان چیزوں کے علم نے جو ملت کے تمام اداروں تعمیری اور خاموش خدمات کے خطرہ میں پڑ جانے کی پیشین گوئی کرتی ہیں اور ملت کے مستقبل کی طرف سے (ایغیار کی مخالفت کو ششوں کی زیادہ) لرزاں اور ترساں بناتی ہیں پھر اس بزم علمی کو اس کے ایک طویل المدت اور قدیم خادم و محافظ کے وجود سے خالی دیکھ کر دل و دماغ پر جو اثر پڑا، اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں "والی اللہ المثلکی" اس موقع پر اس کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بید صاحب مرحوم عرصہ سے اس بات کے خواہشمند تھے کہ کسی حج یا عمرہ زیارت کے موقع پر میرا ان کا ساتھ ہو جائے لیکن اس کی نوبت نہیں آتی تھی، غالباً ۱۹۸۶ء کے اوائل میں ان کو ایک — اور ڈ میں ایک گرانقدر رقم ملی، انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس سے عمرہ زیارت کا فائدہ اٹھائیں گے اور یہ مبارک سفر کریں گے، تقدیری بات کہ مجھے بھی انھیں دنوں رابطہ عالم اسلامی کی مؤتمر المجمع الفقہی میں شرکت

کے لئے وہاں حاضری دینی تھی، اس طرح اس رفاقت کا ایک غلیبی انتظام ہو گیا
 اوائل رجب ۱۴۰۱ھ میں اس مبارک سفر کا پروگرام طے ہوا، اور ۶ مارچ ۱۹۸۱ء
 کو دہلی سے عزیزان مولوی معین اللہ صاحب ندوی، محمد رابع ندوی اور سید
 صباح الدین صاحب کی معیت میں دہلی سے جدہ کے لئے روانگی ہوئی، انھوں نے
 اس سفر سے پورا فائدہ اٹھایا، بڑے ذوق و شوق اور عقیدت و اہتمام کے ساتھ
 عمرہ کیا اور حرم شریف کی حاضری اور طوافوں کی سعادت حاصل کی۔

مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں امام حرم شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل نے کھانے
 پر مدعو کیا، اور دوسری مجالس و تقریبات میں شرکت کی نوبت آئی پھر بڑے
 ذوق و شوق کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضری ہوئی، اور وہاں میرے ساتھ بتان
 نورولی میں قیام رہا، جہاں مدینہ طیبہ کے علماء ادباء اور احباب بہ کثرت آتے
 رہے اور ان سے تعارف ہوا، اسی زمانہ قیام میں ہمارے قدیم کرم فرما شیخ
 محمود الحافظ نے (جو ہندوستان اور وہاں کی شخصیتوں اور اداروں سے
 بہت واقف ہیں) اور ان کے صاحبزادہ استاد محمد الحافظ جو رابطہ کے ایک اہم
 عہدہ پر فائز ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل ہیں) اپنی شاندار قیام گاہ پر
 بڑی پرتکلف دعوت کی جس میں اہل علم و اہل ذوق کا اچھا اجتماع تھا، اور
 وہاں مدینہ طیبہ کی مناسبت سے ایک اچھی دینی و ادبی نشست رہی، وہاں
 مجھے ابو ظبی جانا تھا، جہاں امام مالک پر ایک اہم سیمینار ہو رہا تھا، اور خیال تھا کہ
 سید صاحب بھی ساتھ ہوں گے، اور وہاں کی علمی و دینی مجلسوں میں شرکت
 کا موقع ملے گا، لیکن ہندوستان سے بعض علالتوں کی اطلاع ملنے پر میں نے

وہ سفر ملتوی کیا اور اپنے مقالہ کے ساتھ عزیز گرامی مولوی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو بھیج دیا، اور ہم لوگ ۶ اپریل ۱۹۸۶ء کو جدہ سے براہ راست ہندوستان میں لوگئے۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سید صباح الدین صاحب نے چونکہ یہ سفر اپنے دینی ذوق اور عقیدت کی بناء پر کیا تھا، واپس آکر "معارف" میں اس کے متعلق ایک لفظ نہیں لکھا، جبکہ اہل قلم و مدیرین رسائل مختلف عنوانوں اور بہانوں سے بڑی آب و تاب سے ایسے سفروں کے تاثرات و مشاہدات کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو اپنی ذات کی تشہیر اور رسالہ کی ترویج کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، مجھے ان کے اس جذبہ اور طرز عمل کی بڑی قدر آئی۔

شیخ الاسلام امام حافظ ابن تیمیہ پر جامعہ سلفیہ بنارس کا سیمینار

۲۲، ۲۳، ۲۴ نومبر ۱۹۸۶ء کو جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ پر ایک علمی سیمینار کے انعقاد کا اعلان ہوا تھا، اس موضوع سے خصوصی تعلق رکھنے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر راقم کو اس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی تھی، جامعہ کا ایک وفد بھی آکر ملا تھا، اور جامعہ کے ایک موقر عالم و استاد مولانا مفتی محمد حسن صاحب ازہری یاد دہانی اور تاکید کے لئے خود تشریف لائے تھے، اور سید صاحب والے سیمینار میں خود شرکت بھی کی تھی،

لے شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر میری ایک مستقل کتاب شائع ہو چکی ہے، جو سلسلہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کا دوسرا حصہ ہے، انگریزی و عربی میں بھی اس کے ترجمے ہوئے ہیں، عربی ایڈیشن حال میں دارالعلم کویت سے ایک لاکھ کی تعداد میں شائع ہوا ہے۔

میں نے بڑی عجلت کے ساتھ شدید مصروفیت میں عربی میں مقالہ تیار کر لیا تھا، جس کا عنوان تھا "شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا عظیم ترین کارنامہ اس حقیقت کا اثبات اور اس پر زور ہے کہ نبوت ہی صحیح معرفت اور کامل ہدایت کا واحد اور قابل اعتماد ذریعہ ہے" اس سیمینار میں عرب فضلاء بعض قانونی مجبوروں اور دشواروں کی بے بسا پر بڑی تعداد میں نہیں آسکے تھے، جن کا خیال کر کے میں نے یہ مقالہ اصلاً عربی میں لکھا تھا، لیکن جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض کے فاضل و مؤقر والس چانسلمعالی الشیخ عبداللہ عبداللہ الحسن التزکی اور ان کے رفیق سفر و معاون محبئی ڈاکٹر عبداللہ حکیم عولیس مصری کی شرکت نے (جو جامعہ کے کلیۃ العلوم الاجتماعیہ کے ایک اہم استاد ہیں) اس کی بہت حد تک تلافی کر دی، ان دونوں سے راقم کے قریبی تعلقات اور مناسبت ہے، ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ الحسن التزکی رابطہ اور آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کے بھی رکن ہیں، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کے ایک ساتھ بیٹھنے اور تبادلہ خیال کی نوبت بار بار آتی رہتی ہے اور میں نے ان کی دعوت پر ریاض کے مستقل سفر بھی کئے ہیں۔

میں نے اس مقالہ میں جو سیمینار کی افتتاحی نشست ہی میں پڑھا گیا سب سے پہلے اس کا اظہار کیا کہ امام ابن تیمیہ کی شخصیت اور ان کی خدمات اس لائق تھیں کہ اس موضوع پر عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں سیمینار اور علمی مجلسیں منعقد کی جائیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اس عہد کو امام ابن تیمیہ کا دور کہہ سکتے ہیں، مختلف خصوصیات اور اسباب کی بنا پر (جن کی تشریح موجب طوالت ہے)

اس عہد میں ان کی دعوت اور ان کی علمی تحقیقات کی طرف علمی و اصلاحی حلقوں میں توجہ اور قدر شناسی کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی ہے اور ان کی اہمیت و اقداریت کا احساس نازہ ہو گیا ہے، خود ہندوستان میں ان کے سلسلہ میں اس سے پہلے متعدد مقامات پر مینار منعقد ہونے چاہئے تھے، اس لئے کہ ہمیں کے ایک ممتاز ترین اور نامور داعی و مصلح اور محققانہ و مجتہدانہ فکر و نظر رکھنے والے عالم حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (متوفی ۱۷۷۱ھ) نے اپنے زمانہ میں ان کی طرف سے واضح اور طاقتور مدافعت فرمائی، اور ان کی توثیق کی تھی، پھر شاہ صاحب کے خلفاء اور تلامذہ اور ان کے خلفاء و تلامذہ نے دو صدیوں تک مسلسل اس بڑے صیغہ کے حالات و ضروریات کی رعایت کے ساتھ اور جہاد فی سبیل اللہ، تزکیہ نفوس، قیام مدارس، کتب حدیث کے درس و تدریس اور شرح و ترجمہ اور اصلاح معاشرہ کے بیش قیمت اضافہ کے ساتھ دعوت و اصلاح کے اس عظیم الشان کام کو ایسا جاری رکھا جس کی مثال دوسرے اسلامی ملکوں میں ملنی مشکل ہے۔

پھر میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اصلاحی، تجدیدی و تحقیقی کام کے اہم اور مرکزی شعبوں کا ذکر کرتے ہوئے، جن میں عقیدہ توحید کی تجدید اور مشرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال، کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح اور فلسفہ و منطق اور علم کلام کی تنقید، غیر اسلامی باطل و فرق کی تردید اور ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ، علوم شریعت کی تجدید اور فکر اسلامی کے اجیاء اور اس میں ایک نئی حرکت و وسعت پیدا کرنا، ان کی کتاب زندگی کے روشن ترین

عنوانات اور ان کے کار تحقیق و تجرید کے اہم ترین شعبے ہیں، عرض کیا کہ میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا قابل قدر واجب الاعتراف کارنامہ اور ان کی تصنیف و تحریرات کا مرکزی نقطہ جس کو ان کے کمالات و خدمات کے خزانہ کی شاہ کلید MASTER KEY کہا جاسکتا ہے، وہ اس بات کو علمی و عقلی و عملی دلائل سے ثابت کرنا ہے کہ نبوت ہی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی صحیح معرفت اور ہدایت کامل کا واحد اور قابل اعتماد ذریعہ ہے، پھر میں نے قرآن مجید سے اس حقیقت کے اثبات میں آیات و اسناد اور نصوص صریحہ نقل کرنے کے بعد اس تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی جو بعثت محمدی، نزول قرآن اور ظہور اسلام سے پہلے دنیا کے علمی و فکری اور دینی و اعتقادی حلقوں میں پایا جاتا تھا، اور جس کی قیادت عہد قدیم اور قرون وسطیٰ میں یونان نے اپنے ذمہ لی تھی، اور بتایا کہ اس میدان میں یونانی فلسفہ اور اس کے عظیم ترین قائدین اور علمبرداروں نے (جن کو دنیا کے بہت سے علمی حلقوں نے تقدس اور معصومیت کا مقام اور مافوق البشر انسانوں کا درجہ دیا) اس میدان میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور خدا کی ذات و صفات اور مخلوق و کائنات کے اس کے ربط و تعلق کے سلسلہ میں کس اہلی و ابلہ قریبی کا ثبوت دیا ہے، اور کیسی کیسی بوجہیاں ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں، پھر امام ابن تیمیہ نے جس طرح اس جہل مرگ کا پردہ چاک کیا، اور جس یقین و اعتماد اور قوت و قابلیت کے ساتھ فلاسفہ یونان اور ان کے معتقدین و تافلین ابن سینا وغیرہ پر تنقید کی اس کے نمونے پیش کیے۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ جو اس سیمینار میں پیش کیا گیا، یا اس کی تصنیف تاریخ

دعوت و عزیمت" حصہ دوم ص ۲۱۹-۲۲۲

اس سلسلہ میں امام ابن تیمیہ کے اس اہم ترین عارفانہ و محققانہ نکتہ کو یاد دلایا جو ایک مستقل کتاب پر بھاری ہے جو انھوں نے قرآن اور فلسفہ یونان کے درمیان اصولی و اساسی فرق کے سلسلہ میں بیان کیا ہے، وہ یہ کہ قرآن نے صفاتِ خداوندی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہر طرح کی تمثیل کی نفی کی ہے اور یہی انبیاء کے کرام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثباتِ مفصل ہوتا ہے اور نفیِ مجمل اس کے برخلاف ناآشنایانِ حقیقت اور فلاسفہ یونان کے یہاں نفی تو مفصل ملتی ہے اور اثبات مجمل ان کا سارا زور اس پر ہوتا ہے کہ خدا یہ نہیں ہے یہ نہیں ہے، لیکن خدا کیا ہے اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کے بارہ میں ان کے یہاں انتہائی اختصار سے کام لیا جاتا ہے اور وہ سرسری طور پر گذر جاتے ہیں، اس لئے کہ معرفتِ الہی سے محروم ہوتے ہیں پھر میں نے کہا کہ نفسیات انسانی، فطرتِ بشری، علم الاخلاق اور علم الاجتماع سب کا فیصلہ ہے کہ ہزار نفی NEGATIVES ایک اثبات POSITIVE کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، کسی وجود کا کسی وجود سے تعلق، عقیدت و محبت امید و رجا، اور سوال و طلب کا تعلق اس کے کمالات اور صفات حمیدہ کی بنا پر ہوتا ہے اور اسی کے نہ ہونے کی وجہ سے فلسفہ یونان کے حلقوں اور اس کے عہدِ قیادت میں اس کے ماننے والوں اور ان ملکوں کے معاشرہ کا ذات باری سے تعلق نہ عمیق تھا، نہ قوی، نہ دائمی۔

امام ابن تیمیہ کے پُر زور اور پُر اثر اقتباسات نقل کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ علم کلام اور دینی فکر و نظر کی تاریخ میں طویل سفر جاری رکھنے کے بعد

۱۶ ملاحظہ فرمائیے کہ اس کتاب (جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کی مصداق ہے) النبوات ص ۱۶

ی عجیب و غریب انکشاف ہوتا ہے کہ پوری دو صدیوں کے بعد ہندوستان کے ایک جلیل القدر عالم و صلح اور مجدد وقت (شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی ۱۰۳۲ھ) جن کے متعلق عام اندازہ ہے کہ ان تک شیخ الاسلام کی تصنیفات اور شاید ان کی شہرت بھی نہ پہنچی ہو ٹھیک اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں یہ علمی توارذ کی ایک ایسی مثال ہے جس کی توجیہ توفیق الہی کتاب سنت کے عمیق مطالعہ اور اخلاص کے سوا نہیں کی جاسکتی اور جو قرآن مجید کی آیت :-

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ
لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝
(العنکبوت - ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے
کوشش کی ہم ان کو ضرور
اپنے رستے دکھا دیں گے اور خدا تو
نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

کی تفسیر اور اس کا ایک نمونہ ہے۔

انہوں نے اسی زور و طاقت اور وضاحت و صراحت کے ساتھ اپنے متعدد مکتوبات میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ نہ عقل محض کا وجود ہے نہ کشف خالص کا عقل صالح عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں قطعاً عاجز و قاصر ہے، وہ خالق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے، پھر انہوں نے لکھا ہے کہ جس طرح عقل طور جس سے ماوراء ایک چیز ہے، نبوت طور عقل سے اسی طرح ماوراء اور ما فوق ہے، انہوں نے پوری صفائی سے ثابت کیا ہے کہ عقل کا خالص اور بے آمیز ہونا ممکن ہی نہیں اور وہ خالق الہیہ کی دریافت کے لئے مفید نہیں عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں اور کشف میں بھی

ایسی ہی آمیزش ہوتی ہے، جیسی عقل میں بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن ہی نہیں
وہی اللہ کی ذات و صفات و احکام معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

پھر اس مقالہ میں حاشیہ میں بطور تائید اشارہ کیا گیا کہ حضرت مجدد حساب
کے دوستوں کے بعد جو منی کے مایہ ناز اور اس کے سربراہ فخر فلسفی امانوئل کانت
EMANUEL KANT—(1724-1804) نے عقل خالص کے امکان و وجود پر اپنی کتاب

CRITIQUE OF PURE REASON میں آزادانہ اور ناقدانہ بحث کی، اور

ایسی عقل خالص کے وجود میں بڑا شبہ ظاہر کیا جو موروثی عقائد، ماحول کی
روایات و اثرات اور لاشعور میں بیٹھے ہوئے مسلمات کے اثر سے آزاد ہو،
علامہ اقبال نے اپنے مدراس کے ایک لکچر میں صحیح کہا ہے کہ کانت اور اس کی
کتاب نے روشن خیالوں اور عقل پرستوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر بنا دیا،
میں نے یہ مقالہ صبح کے افتتاحی جلسہ میں اردو کے ایک مختصر تمہید و تعارف

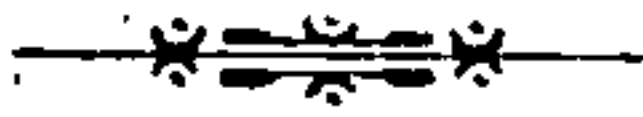
کے بعد کسی قدر اختصار کے ساتھ عربی میں سنایا جو توجہ سے سنا گیا، اس کا ترجمہ جو
عزیزی مولوی نذرا حفیظ ندوی تیار کر کے لے گئے تھے، شام کو مقالات کی
نشست میں سنایا گیا، داعیان اور تنظیمین جلسہ کی خواہش اور اہل شہر کے
شوق و تقاضہ کی بنا پر شب میں نے وہیں ایک جلسہ عام کو خطاب کیا اس میں
بڑی تعداد میں شہر کے شائقین بھی شریک تھے، اور اس پر زور دیا کہ ملت اسلامیہ کو

لے مکتوبات کے اقتباسات اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" (مخصوص

حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندی) حصہ چہارم ۱۹۵-۲۲۶

اس ملک میں باعزت طریقہ پر اور اپنے تشخص کے ساتھ باقی رہنے اور خود ملک کی حفاظت و خدمت کا موقعہ پانے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی ریشہ و اخلاق اور زندگی کے انبیاز کا ثبوت دیں اور اس سے اس ملک کی اکثریت کو اسلام قرآن اور سیرت کے مطالعہ پر آمادہ اور ملت کے احترام اور اس کی افادیت کے قائل ہونے پر مجبور کریں، نیز وہ ملک میں معتدل معمول کے مطابق NORMAL فضا اور ماحول قائم رکھنے کی کوشش کریں، منافرت اور اشتعال و تصادم اور جذباتیت سے پرہیز کریں، تاکہ ملت کے نہ صرف تعلیمی و تصنیفی ادارے بلکہ مساجد و معابد بھی محفوظ رہ سکیں، اور ایک پرسکون اور باوقار فضا میں ایسے سینار اور مجالس علم و مذاکرہ منعقد ہو سکیں، جن کا ایک نمونہ ہم صبح سے دیکھ رہے ہیں، اگر یہ معتدل فضا اور باہمی احترام و اعتماد کا ماحول باقی نہ رہا اور لقمائے باہم COEXISTENCE کا اصول تسلیم نہ کیا گیا تو پھر کسی چیز کے باقی رہنے کی ضمانت نہیں، اور کسی ادارہ، تخریک اصلاحی و اخلاقی دعوت، اور کسی علمی سرمایہ کے تحفظ کا بھی کوئی بھروسہ نہیں، خدا کا شکر ہے، جہاں تک معلوم ہوا، یہ تقریر توجہ سے سنی گئی اور لوگوں نے پسند کی۔

والحمد لله اولاً و آخراً



INDEX

اشٹریک
 ”کاروان زندگی حصہ سوم“

ترتیب

محمد عیاض الدین ندوی

شخصیات

(الف)

- | | | | |
|------------------------------|---|-----------------------------|----------------------------------|
| ۲۲۹، ۲۲ | (علامہ) ابوالریحان البیرونی | ۱۹۱ | (سیدنا حضرت) ابراہیم علیہ السلام |
| ۵۶ | (مولانا) ابوالعرفان خاں ندوی | ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۲۴ | |
| ۳۲۲، ۱۸۸، ۶۳ | | ۲۹۳ | (حضرت) ابوبکر صدیق رضی |
| ۲۲۹ | (شیخ رئیس) ابوعلی ابن سینا | ۳۹ | (حضرت) انس بن النضر رضی |
| ۶۴، ۵۷ | ابوالفائد محمد یحییٰ | ۲۷۷، ۱۳ | (سید) ابراہیم حسنی ندوی |
| ۸۲ | (مولانا) ابوالکلام آزاد | ۱۳۳، ۱۲۵ | (احماج) ابراہیم سلیمان سیٹھ |
| ۲۰ | (سید) ابو محمد | ۲۲۸ | (علامہ) ابراہیم شاطبی |
| ۳۲۲ | (ڈاکٹر) احتشام الرحمن | محمد | ابراہیم شقرہ دیکھے |
| ۲۶ | (امام) احمد ابن حنبل رضی | ۲۲۱ | (ڈاکٹر سید) ابراہیم ندوی |
| | (مجتد الف ثانی شیخ) احمد بن عبدالاحد سرہندی | | (شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ |
| ۳۳۱، ۳۳۰، ۱۷۷، ۷۵، ۳۳ | | ۳۲۵، ۳۲۲، ۲۶۲، ۲۲۸، ۲۲۴، ۷۵ | |
| ۲۵ | (شیخ) احمد بن عبدالعزیز المبارک | ۳۲۶-۳۰ | |
| ۳۰۱ | (نواب حاجی) احمد حسین مراد آبادی | ۲۲۹ | (علامہ) ابن حجر عسقلانی |
| ۱۹۹ | احمد رشید شروانی | ۲۲۸ | (علامہ) ابن حزم اندلسی |
| ۲۰۰ | احمد شاہ ابدالی | ۲۲۹ | (علامہ) ابن خلدون |
| | (حضرت سید) احمد شہید رائے بریلوی | ۲۲۸ | (شیخ) ابواسحاق اسفرائینی |
| ۲۴۱، ۱۰۵، ۹۳، ۵۵، ۵۴، ۴۴، ۴۰ | | ۱۲۱، ۴۵ | (مولانا سید) ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۳ | | ۲۲۸ | (قاضی) ابوبکر باقلانی |
| ۳۲، ۳۱ | (شیخ) احمد عبدہ ناشر | ۲۲۹ | (علامہ) ابوبکر رازی |
| ۱۳ | (سید) احمد علی حسنی ندوی | ۲۶۲، ۲۲۸ | (امام) ابوالحسن اشعری |
| ۳۱۵ | (خواجہ) احمد فاروقی | ۹-۱۱ | (مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی |
| ۲۳۷ | (مولوی) احمد فہمی زمزم انڈوشی | | |

۱۹۹	اندرکار گجراں	۱۰۵	پروفیسر اختر حسین نظامی
۹۱۸۸۱۸۳۱۷۹	(مسنز) اندرا گاندھی	۱۲۱	آرتھر جے آربری
۶۸	(ڈاکٹر) انعام اللہ خاں	۱۰۵	ارجن سنگھ
۲۳۷	انور ابراہیم (وزیر تعلیم بلوچستان)	۶۰	(جنرل) ارشاد
۲۰۵	انیس حسینی	۲۵۳	پروفیسر آرنلڈ
۲۰۶	(مسٹر) اوجول تاوڑے	۱۰۵	(مولوی سید) اسحاق حسین ندوی
۵۰	(شیخ) اہدل یمنی	۲۴	(ڈاکٹر) اسحاق فرحان
۱۳۵	(جسٹس) آئر	۲۱۹	(مولانا) اسلم جیرا چوری
۱۰۷	(ڈاکٹر) اے، سی بورڈ	۴۸	(قاضی) اسماعیل الاکوع
۱۲۴	ایڈورڈ فلیرو	۳۱۶، ۳۱۷	(مولانا شاہ محمد) اسماعیل شہید
۲۵۲	ایڈورڈ گببن	۱۱۰	(ڈاکٹر) اسماعیل راجی فاروقی
۱۱۷	ایڈورڈ ولیم لین	۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۲	(مسٹر) اشوک سین
	(ب) (پ)	۱۲۶، ۱۲۳، ۱۲۲	
۸۱، ۵۰	(سلطان) بابر	۱۲۲	آغا محمد جعفر
۲۵۳	باسور تھہ اسٹھ	۳۱۹	(مولانا) افتخار فریدی
۱۲۲	باقر علی خاں	۳۶، ۳۲، ۲۴، ۱۸	(ڈاکٹر محمد) اقبال
۲۰۰	بالا صاحب دیورس	۱۶۳، ۱۹۷، ۱۹۵، ۷۲، ۱۶۲، ۱۵۵، ۱۵۰	
۱۹۹	بدر الدین طیب جی	۲۰۴، ۲۸۶، ۲۳۲، ۲۱۷، ۲۱۶، ۱۶۹	
۲۳۲	(ڈاکٹر) براؤن	۳۳۱	
	(ڈاکٹر) براؤننگ دیکھے ڈیویڈ	۳۳۱	اماویل کانت (فلسفی)
۱۲۰	(مولانا محمد) برہان الدین سنہلی	۲۵۲، ۲۳۲	(جسٹس سید) امیر علی
۳۲۲		۱۶۲	(شیخ) امین سراج
۲۷۶	(ڈاکٹر) برین جی گیزرڈ	۲۲۷، ۱۵۹	(خواجہ) الطاف حسین حالی
۱۳۵	(مسٹر) بردواج	۱۲۶	(پرنس) انجم قدر
۱۸۱	(شیخ) بشیر الابرہیمی	۱۲۲	انجمن آراء بیگم

۲۲۰	(علامہ) جلال الدین سیوطی	۶۴	(حاجی) بشیر الدین
۱۰۹، ۱۰۶	(ڈاکٹر) جمال الدین عطیہ	۱۴۲	بلرام جھاکھڑ
۲۵۵	(صدر) جمال عبدالناصر	۵۴	(نواب) بہادر یار جنگ
۷۰	(ڈاکٹر) جمیل جالبی		(استاد) بہاء الامیری دیکھیے عمر
۱۹۸، ۱۸۴	(پنڈت) جواہر لال نہرو	۲۲۲	(مولوی) بہاء الدین ندوی
۲۰۱	(مسٹر) چانسرکر		البیرونی دیکھیے ابوالرحمان
۱۴۳	ایچ، اے، ڈورا	۱۲۷	بگم اقتدار علی خاں انجینیر
۱۴۰	چورانہ سوامی	۱۲۸	بگم خورشید عالم خاں
۲۰۲	چوٹن لائی	۱۲۸	بگم ڈاکٹر افتیاق حسین قریشی
۸۲	چیدانند داس گپتا	۱۲۷	بگم ساغر نظامی
	(۳)	۱۲۷	بگم ضیاء الرحمن انصاری
۲۰۶، ۲۰۱، ۱۹۷، ۱۹۶	(سید) حامد	۱۷۲	بے نظیر بھٹو
۳۰۰، ۲۶۹		۱۴۴	(مسٹر) پنت
	(نواب صدر یار جنگ مولانا) حبیب الرحمن خاں		(ت) (ط)
۲۵۹	شروانی	۱۴۴	(پروفیسر) تیواری
۳۲۳	(مولانا) حبیب الرحمن نعمانی	۲۴۴	ٹنگو عبدالرحمن
۲۱۵	(مولانا) حسرت موہانی	۷۰	ٹیمپو سلطان
۲۵۵	حسن بن صباح		(ج) (ج)
۱۵، ۱۴، ۱۲	(امیر) حسن بن طلال	۳۹	(حضرت) جعفر طیار
۲۵، ۱۷			(شیخ) جادا الحق علی جادا الحق (شیخ الازہر)
۹۴، ۲۶	(سید) حسن عسکری طارق	۱۷۹	
۳۰۳، ۲۸۲		۱۲۱	جارج سیل
۱۴	(ملک) حسین		(مولوی سید) جعفر مسعود حسنی ندوی
	(شیخ) حسین بن حسن انصاری یمانی	۲۲۲، ۹۴	
۲۸، ۳۱		۲۳، ۱۱۶۳	(مولانا) جلال الدین رومی

۱۲۱ رچرڈیل

۱۳۸، ۱۳۵ رحیم قریشی

(مولانا قاری سید) رشید الحسن ۱۷۵، ۱۷۱

۳۲۱ (مولانا مفتی) رضا انصاری

۲۵، ۲۳ (اتاد) رضوان دعبول

۳۱۴ (مولانا شاہ) رفیع الدین دہلوی

۲۲، ۲۱ (ڈاکٹر) رفیق وصال الدجانی

۳۱۷، ۱۹۳ (ہزاراجہ) رنجیت سنگھ

۱۳۰ روپ کنور

۲۵۲، ۲۵۱ (آیتہ اللہ) روح اللہ خمینی

۲۵۵-۵۸

(مولانا) روم دیکھے جلال الدین

۸۲ (ڈاکٹر) آرا ایل، شکلا

۲۴۱ (امام) زہری

(س)

۳۹ (حضرت) سعد بن ربیع

۲۳۰ (شیخ) سعدی

۶۴ (مولوی) سعود الحق ندوی

(مولانا) سعید الرحمن اعظمی ندوی

۳۲۳، ۳۰۳، ۲۲۱

۱۱۰ (ڈاکٹر) سعید رمضان

۳۱۰ (مولانا) سعید مجتہدی

۱۴۷ سلامت اللہ دہلوی

۶۴، ۵۵ (مولوی) سلطان ذوق

۶۳، ۵۶، ۱۹ (مولوی سید) سلمان حسینی ندوی

۱۶۵، ۱۷۷

۲۵ (مفتی) حمد الخلیلی

۲۷ (اتاد) حیدر غدیر

(شیخ الحدیث مولانا) حیدر حسن خاں لٹوی

۳۱

(خ)

۳۹ (حضرت) خلیفہ

۱۱۸ (ڈاکٹر) خادم رحمانی لوری

۳۱۴ (مولانا) خرم علی بلہوری

۲۳۰ (امیر) خسرو

(شیخ) خلیل بن محمد حسین بانی (عرب حقا)

۵۱، ۴۷، ۴۳

پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۲۵، ۲۲

خمینی دیکھے روح اللہ

(د)

۱۲۶ دانیال لطیفی

۱۲۶ (حمید) دلوائی

۱۴۴ دیش گو سوامی

۲۷۲، ۱۰۷ (ڈاکٹر) ڈیوید براؤننگ

(س)

۶۲ رابندر ناتھ ٹیگور

۱۰۵ (ڈاکٹر) راکھور

(مسٹر) راجیو گاندھی (وزیر اعظم ہند)

۱۴۸، ۱۴۶، ۱۴۴، ۱۴۱، ۱۳۱-۳۹

۱۶۰، ۱۵۷، ۱۴۹

۸۱ رام

(ص)	۵۰	(علامہ) سلیمان یحییٰ الابدل
(سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام ۲۳۸	۲۳۲، ۱۸۷	(علامہ سید) سلیمان ندوی
۱۲۲	۲۳۰	(حکیم) سناٹ
صادق علی خاں	۱۰۵	(ڈاکٹر) سون سنگھ
صادق نواد مفتی (سفیر خودی) ۱۸۹	۱۶۲، ۴۵	(اتحاد) سید قطب
(مولانا سید) صباح الدین عبدالرحمن	۲۱۱، ۲۰۶	(مسٹر) ایس، ڈی، واگھ
۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۸، ۳۱۵، ۸۲	۲۱۲	
۳۲۵		
(شیخ) صلیحی (وزیر خارجہ برصغیر) ۲۲		(ش)
(مولانا قاری سید) صدیق احمد باندوی	۲۳۳	(ڈاکٹر) شاخت
۱۰۵	۱۲۷، ۱۱۶	شاہ بانو بیگم
(امیر الملک نواب سید) صدیق حسن خاں	۳۳۲، ۲۱۷، ۱۵۹	(علامہ) شبلی نعمانی
۶۵	۳۲۲، ۲۵۹	
(اتحاد) صدیق فاضل ۲۲۶	۱۳۸، ۱۲۶	شبیر جہاٹی نور الدین
(سلطان) صلاح الدین ابوبی ۲۳، ۱۸	۱۴	شرف الدین بابا خانوٹ
(ص)	۲۳	(شیخ) شعیب ارناؤوٹ
(علامہ) ضیاء ابن بیطار ۲۲۹	۲۳۶	(مولانا) شمس الحق ندوی
(پروفیسر) ضیاء احسن فاروقی ۳۲۲	۲۲۹	(علامہ) شمس الدین سخاوی
(مولانا) ضیاء الدین اصلاحی ۳۲۲	۲۲۹	(شیخ) شمس الدین ملیشی
(شیخ) ضیاء الدین بابا خانوٹ ۱۴	۲۶۵	(شری) شکر کرشن ٹھاکر
ضیاء الرحمن انصاری (وزیر ہند) ۱۲۷	۲۲۲	(صاحبزادہ) شوکت علی خاں
۳۲۰، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۴۷، ۱۳۲	۲۸۱، ۱۹۹	(سید) شہاب الدین ایم، پی
(ظ)	۳۱۹-۲۱	(سید) شہاب الدین دیستوی
(وکیل) ظفر احمد صدیقی ۱۱۰	۲۳۰	(حافظ) شیرازی
(ڈاکٹر) ظفر احمد صدیقی ندوی ۲۲۱	۵۶	شیر شاہ سوری
(مولانا) ظفر علی خاں ۷۲	۲۰۸	شیطان

(ڈاکٹر) عبدالرؤف مصری ۲۳۸

۲۵۰

(مسٹر) عبدالستار افغانی ۱۷۲

(مولانا) عبدالسلام ندوی ۲۵۹

(امام اہلسنت مولانا) عبدالشکور فاروقی

۲۵۷

(شیخ) عبدالعزیز بن عبدالشہین باز

۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۴، ۲۹۳

(مولانا شاہ) عبدالعزیز دہلوی ۲۶۲

(شیخ) عبدالعزیز الرقاعی ۱۰۳

(سلطان) عبدالعزیز ۱۶۶

عبدالعزیز عبدالغنی (وزیر اعظم مین) ۴۴

(شیخ) عبدالعزیز العلی المطوع ۲۷۳

۲۷۶

(علامہ) عبدالعزیز مبینی ۵۲

(ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی ۳۰۲

(مولانا میر) عبدالعلی ۱۰۴

(احماج) عبدالغفور پارکھیہ ۲۰۱

(شیخ) عبدالغنی شمس الدین ۲۴۴

(شیخ) عبدالغنی نورولی ۲۸۱

(شیخ) عبدالقادر جبیلانی ۲۹۹

(مولانا شاہ) عبدالقادر دہلوی ۳۱۴

(ڈاکٹر) عبدالقدوس البوصالح ۲۱۶، ۲۷

۲۲۱، ۲۱۹

(مولانا) عبدالکریم پارکھیہ ۱۳۸، ۶۳، ۱۵۶

۲۰۴، ۲۰۰

(ع)

(حضرت) عمر بن الخطابؓ ۳۰۷

(حضرت) علی بن طالبؓ ۱۷۳، ۱۷۷

(حضرت) عمرو بن العاصؓ ۱۵۶، ۷۴

(بیگم) عابدہ احمد ۱۲۷، ۱۲۷، ۱۲۶

عارف محمد خاں ۱۲۵

(ڈاکٹر) عبدالباری ۲۲۱

(ڈاکٹر) عبدالباسط بدر ۳۰۵، ۱۲۷

(مولانا) عبدالحق ۶۴

(ڈاکٹر) عبدالحکیم ندوی ۲۲۱

(ڈاکٹر) عبدالحکیم عولیس مصری ۳۲۶

(حکیم) عبدالحجید ۲۶۹، ۱۹۹

(قاضی) عبدالحجید اندوری ۱۹۷، ۱۰۵

(سلطان) عبدالحجید خاں ۱۶۶

(مولانا حکیم سید) عبدالحق حسنی ۱۶

۳۱۷، ۳۱۳، ۲۳۳، ۱۵۱

(شیخ) عبدالرحمن خلیفہ ۲۳

(ڈاکٹر) عبدالرحمن رافت الباشا ۲۸

(قاضی) عبدالرحمن محبوب ۱۰۴، ۴۴

(مولوی) عبدالرحمن بٹ ندوی ۹۱

(مولانا شاہ) عبدالرحیم بٹ ندوی ۲۱۸

۲۲۰

(محدث) عبدالرزاق بن بہام ۴۶

(حاجی) عبدالرزاق رائے بریلوی ۵۶

۳۲۰، ۲۶۹، ۱۸۹

۱۶۵	(شیخ) عزت ازود ترکی	۹۸	(شیخ) عبدالشرف قادری
۹۷	(شیخ) عطیہ سالم	۱۲	(ملک) عبدالشرف شریف حسین
۹۸	(سید) علی حسن فدعنق	۹۸	(شیخ) عبدالشرف بلخیر
۲۱۶	(ڈاکٹر) علی رضا عدنان نحوی		(شیخ) عبدالشرف ابراہیم الانصاری
	(صدر جمہوریہ یمن) علی عبدالشرف الصالح	۲۹۵، ۲۱۶	
۲۳		۲۷	(استاد) عبدالشرف قادری
۳۴	(امیر) علی یمنی	۲۲۱	(ڈاکٹر) عبدالشرف عباس ندوی
۲۵۰	عماد الدین خطیب مدراسی	۳۲۵، ۳۲۲، ۳۱۶، ۲۸۸، ۲۸۲	
۴۰	(حضرت) عمر بن عبدالعزیز	۱۰۳	(ڈاکٹر) عبدالشرف عبدالمحسن التزکی
۲۵، ۲۴	(استاد) عمر بہاء الامیری	۳۲۶، ۲۷۳	
۳۰۵، ۲۱۶		۳۰۷	(شیخ) عبدالشرف علی بصر
۲۹۷	عمر بن لُحی	۱۸۹، ۱۰۷	(ڈاکٹر) عبدالشرف عمر نصیف
	(ع)	۲۹۳، ۲۸۴، ۲۸۲، ۲۷۳، ۲۷۲	
۲۶۸، ۲۲۸	(امام) عزالی		(شیخ) عبداللطیف ساعاتی جونپوری
۲۶۹	(احماج) غلام محمد (محمد بھائی)	۳۰۳، ۳۰۰	
۲۳۸	(سید) غلام محمد انجینیر حیدر آبادی	۱۲۱	(مولانا) عبدالماجد دریا آبادی
	(ف) (ق)	۹۸	(شیخ) عبدالمقصود نوجہ
۱۲	(شیخ) فاروق جرّار	۲۴۰	(شیخ) عبدالہادی احماج اوانخ
	فخر الدین علی احمد (سابق صدر جمہوریہ ہند)	۲۹، ۱۸	(مولانا مفتی) عتیق الرحمن عثمانی
۱۲۶		۱۷۰	(سلطان) عثمان خاں اول
۲۲۸	(امام) فخر الدین رازی		عثمان عارف نقشبندی (گورنریوپی)
۱۰۷	(ڈاکٹر) فرحان احمد نظامی		دیکھئے
۲۷۵، ۲۷۰ - ۷۳		۱۶۹، ۱۶۲	عثمان نوری آفندی
۲۲۲	(مولوی) فرید احمد ندوی	۲۱۳، ۱۱۰	(قاضی محمد) عدیل عباسی
۲۵۳، ۲۵۲، ۲۳۲	فلپ، بیٹی		عرب صاحب دیکھئے
			تخلیل

۲۵۲	(ڈاکٹر) لیبان	۱۳۹	فوندار
۲۵۳	بین پول	۳۴	انقاضی الارشی
	(۴)	۳۱۳	(شیخ) قطب عالم گجراتی
	(سیدنا و نبینا حضرت) محمد رسول اللہ	۲۶۸	(ڈاکٹر سید) قمر الدین
	صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹، ۱۳۵، ۶۰، ۹۶		(ک)
	۱۰۰، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۰۸	۲۷۳	(ڈاکٹر) کامل الباقر
	۲۰۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۳۳، ۲۳۷	۲۴	(اتحاد) کامل الشریف
	۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۸۵، ۲۹۷	۲۵۲	کائناتی (مغربی فاضل)
	(سیدنا حضرت) موسیٰ علیہ السلام ۱۷۴	۱۳۷، ۱۲۹	(حافظ) کرامت اللہ دہلوی
۱۲۱	ماراڈ پوک پکتھال	۱۸۷، ۱۴۷	
۱۰۸	مارکس	۳۱۴، ۱۵۴	(مولانا) کرامت علی جونپوری
۳۲۴	(امام) مالک	۸۲	کرشن جی
۱۹۹	مالک رام	۱۲۳	کرشنا سنگھ
۱۰۸	ماؤ	۱۳۸، ۱۲۶	(مولانا سید) کلب عابد مجتہد
۱۲۳	مختار امیر	۱۲۲	کلثوم بی بی
	(علامہ) مجدد الدین فیروز آبادی ۵۲، ۱۵۰	۲۶۶، ۱۹۹	کلید پتیر
	(مولانا) مجاہد الاسلام قاسمی ۱۲۵	۲۴	(اتحاد) کمال ابوالمجد
	مجدد الفثنانی دیکھئے احمد سریندی	۲۵۵	کمال اتاترک
	(مولانا) محبوب الرحمن ازہری ندوی ۱۸۹	۱۰۸، ۱۰۷	(ڈاکٹر) کے، بی گریفن
	(اتحاد سید) محسن احمد باروم ۳۰۶	۱۴۰	(مسٹر) کے، کے نیواری
	(ڈاکٹر) محسن شمسی ۲۶۸		(ک) (ل)
	محسن کاکوروی ۲۲۱	۱۲۹، ۹۱، ۸۶، ۸۱	گاندھی جی
	(اتحاد) محمد ابراہیم شقرہ ۲۴، ۲۳	۱۹۷، ۱۵۰	
	(علامہ) محمد ابن الہنیم ۲۲۹	۲۳۳	گولڈ زہر
	محمد احمد خاں ۱۱۶	۲۲	گانو (فرانسیسی متشرق)

۱۱۸	محمد ظفر اللہ خاں	۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۱	محمد اسحاق کانپوری
۳۱۷	(مولانا) محمد عارف ندوی	۱۲۶	(مولانا) محمد سعید مدنی
۳۰۹، ۲۸۱	محمد عثمان حیدر آبادی	۱۰۵	(ڈاکٹر) محمد اشتیاق حسین قریشی
	(گورنر) محمد عثمان عارف نقشبندی	۳۰۰، ۲۶۹، ۱۹۶	
۳۲۱، ۱۹۰		۲۲۹	(شیخ) محمد بن محمد اللادزیسی
۴۸	(شیخ) محمد علی الاکوع	۲۲۹	(علامہ) محمد بن جابر البیتانی
۲۱۷	(مولانا) محمد علی جوہر		(شیخ) محمد بن عبداللہ الشبیلی (امام حرم)
۹	(شیخ) محمد علی الدولہ	۳۲۴، ۲۸۴، ۱۸۹	
۲۳۷	(مولوی) محمد علی رجب ندوی	۴۶	(علامہ) محمد بن علی الشوکانی
۱۱۳	(مولانا سید) محمد علی مونگیری	۲۲۹	(علامہ) محمد بن موسیٰ الخوارزمی
	(مولانا حافظ) محمد عمران خاں ندوی	۷۴	(سید) محمد جمیل
۳۱۰، ۱۸۷		۳۲۴	(اتحاد) محمد الحافظ
۲۵	(شیخ) محمد الغزالی	۱۸۸	(ڈاکٹر) محمد حسان خاں ندوی
۱۷۰	(سلطان) محمد فاتح	۱۰۵	(ماسٹر) محمد حسن انصاری
۲۲۲	محمد فیضان بیگ	۱۶۵	(استاد) محمد حسن بریغیش
۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۲	(اتحاد) محمد قطب	۴۴	(مولانا سید) محمد اکسینی
۱۶۷		۵۹	(مولوی) محمد حسین آزاد
۱۰۵	(مولانا سید) محمد مرتضیٰ	۲۸	(مولانا سید) محمد رابع حسینی ندوی
۲۲۱	(ڈاکٹر) محمد محسن عثمانی ندوی	۲۵۰، ۲۳۵، ۱۷۹، ۱۷۱، ۱۶۲، ۶۵	
	(مولانا قاضی) محمد معین اللہ ندوی	۳۲۴، ۳۱۱، ۲۸۰، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۱	
۳۲۴، ۳۱۰، ۲۶۹، ۱۸۸		۲۲۱	(ڈاکٹر) محمد راشد ندوی
۲۵۶	(مولانا) محمد منظور نعمانی		(شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا سہان پوری
۳۵، ۳۰۳، ۱۶۶	(مولانا) محمد ناظم ندوی	۲۳۷	
	(الحاج) محمد نور عبدالقادر نوروی	۵۰	محمد شاہ رنگیلے
۲۸۱، ۲۸، ۲۶		۱۱۲، ۱۱۱	(مولانا قاری) محمد طیب

ملکہ سبیا ۲۵،۲۱

(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی ۲۰

(مولانا سید) منت الشرحانی ۱۱۳

۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۱، ۱۲۵

۲۰، ۱۹۹، ۱۲۱

(مولوی سید) منظر عالم ندوی ۲۷۷

منو ۱۱۷

مہاراجہ صاحب پتیا ۱۰۵

(شیخ) مہدی بن عبود ۲۵

(ن)

(ڈاکٹر) ناصر الدین الاسد ۲۵

(مولوی) نثار الحق ندوی ۲۶۹

نجمہ ہیبتہ الشکر ۱۲۶، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۷

(قاضی) نذر الاسلام ۶۱

(مولوی) نذرا حفیظ ندوی ۲۱۴

۳۳۱، ۲۳۶، ۲۲۲

(ڈپٹی) نذیر احمد ۵۹

(خواجہ) نظام الدین اولیاء ۲۱۰

(شیخ) نعمت یوسف ملیشی ۲۳۸

نقیس احمد ۲۶۷

(مسٹر) نکلسن ۲۳۲

(مسٹر) نکھل چکرورتی ۲۶۶، ۲۶۴

(مولوی) نور عظیم ندوی ۳۱۱، ۲۲۲

نورولی دیکھے محمد عبدالقادر

نیاز احمد راعے بریلوی ۲۲۰

(مولانا سید) محمد واضح رشید حسنی ندوی ۱۳

۳۰۳، ۱۹۲، ۶۵

(اکھاج) محمد ولی عبدالشکر نورولی ۲۶

۳۲ (شیخ) محمد المودیدی

محمد یونس سلیم ۲۸۱

محمد بنات والا ۱۳۷، ۱۳۸

(ملا) محمد جوینپوری ۲۲۹

(شیخ) محمود اکاظم ۳۲۴

(حافظ) محمود خان شیرانی ۲۳۲

(مولانا) محمود الحسن ۱۱۰

(سلطان) محمود شاہ اول ۳۱۳

(سید) محی الدین احمد ۲۷۱، ۲۲۱

(مولوی) محی الدین ۶۳

(ڈاکٹر) مختار الدین آرزو ۲۶

(علامہ سید) مرتضیٰ بگرامی زبیدی

۵۱، ۵۰

مسرور احمد لکھنوی ۲۷۵، ۱۰۹

(ڈاکٹر) مسعود الرحمن خان ندوی ۱۸۸

(ڈاکٹر) مشیر الحق ندوی ۳۱۶

(سید) مصباح النبی حسنی ۳۰۶

(ڈاکٹر) مصطفیٰ ۱۶۲

(ڈاکٹر) مصطفیٰ الباعی ۲۰

(مولانا سید) مظفر حسین کچھوچھوی ۱۲۶

(مولانا) مقنذی احسن ازہری ۳۲۵

مقدسی ۲۲

(مولانا شاہ) ہدایت علی مجددی ۲۱۸

(۷)

۲۲ یا قوت جموی

۲۰ (مولانا) یحییٰ علی صادق پوری

۲۳، ۳۴ (شیخ) یحییٰ القسیل

۲۴ (شیخ) یحییٰ لطیف القسیل

۳۳ (شیخ) یسین عبدالعزیز

۲۲۲ (ڈاکٹر) یسین منظر صدیقی ندوی

(ایڈووکیٹ) یوسف حاتم مچھالہ

۱۳۸، ۱۲۶

۱۴۰ (شیخ) یوسف کاراجہ

۲۵ (ڈاکٹر) یوسف القرضاوی

نیاز حسن خاں (اسپیکر یوپی اسمبلی) ۱۹۰

(نثری) این ڈی تیواری ۱۳۹

(۸)

۲۸۶ (سلطان) وحید الدین

۷۲ (مفتی) ولی حسن لوٹکی

(حکیم الاسلام شاہ) ولی اللہ دہلوی

۲۰۰، ۱۷۴-۷۶، ۷۷، ۱۵۲، ۱۱۵

۳۲۷، ۳۱۴، ۲۶۲، ۲۲۹

۲۵۳، ۲۵۲ (سر) ولیم میور

۲۵۳ (WHERRY) (مسٹر) وہیری

۲۶۶ ہٹلر

فلپ دیکھے ہٹی

کتابیات

۱۸۶ الابرہام (جوبیدہ)

ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

۲۵۷، ۲۵۷

A LITERARY HISTORY OF

۲۳۲ THE ARABS

A LITERARY HISTORY OF PERSIA

۲۳۲

A SHORT HISTORY OF THE ARABS

۲۳۳

ISLAM AND THE EARLIEST

MUSLIMS TWO CONFLICTING

۲۶۰ PORTRAITS

قرآن مجید

(الف)

۱۴۷ انجار نو دہلی (انجارج)

۴۴ اذا ہیبت ریح الایمان

۷۷ ازالۃ الخفاء

۱۹۹ اسٹیٹس مین (انجارج)

۲۵۹ اسوہ صحابہ

۲۵۲ اصول کافی

انسانی تہذیب و تمدن پر اسلام کے

۱۳۳ اثرات و احسانات

(ب) (پ)

بابری مسجد تاریخی پس منظر اور پیش نظر کی

روشنی میں ۸۲

برہان (رسالہ) دہلی ۳۰

البعث الاسلامی (مجلہ) ۳۰۳

پرانے چراغ ۳۰۲۱

پندرہویں صدی ہجری ماضی و حال

کے آئینہ میں ۲۸۸

(ت) (ث)

تاج العروس ۵۱

تاریخ دعوت و عزیمت ۲۶۱، ۲۶۱، ۲۶۲

۳۳۱، ۳۲۸، ۳۲۵

تحفہ پاکستان ۶۶

تعمیر حیات (اخبار) ۲۱۴، ۱۴۱

تعلق (طامل اخبار) ۱۴۰

تفویۃ الایمان ۳۱۶، ۳۱۴

۲۶۶، ۲۶۵، ۱۳۱ TIMES OF INDIA

۲۶۶ THE MEANING OF QURAN

۱۱۸ THE QURAN

THE RECONSTRUCTION OF

RELIGIOUS THOUGHT

۳۳۱ IN ISLAM

THE RUNNING COMMENTARY OF

۱۱۸ THE HOLY QURAN

۲۶۵ THE TELEGRAPH

۲۳۲، ۱۶ الثقافة الاسلامیہ فی الہند

(ج) (ح)

جب ایمان کی بہار آئی ۲۲۱، ۲۲۰

الجزیرۃ فی الاسلام ۲۳۲

چراغِ رہ گزر ۳۱۶

(خ) (ز)

حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب

امیڈن اور اندیشوں کے درمیان ۲۵۲

حجۃ الشرابالغۃ ۴۴، ۴۶

حکومت الاسلامیہ ۲۵۳

حماسہ (دیوان) ۳۲

خطبہ صدارت دینی تعلیمی کونسل کانفرنس

بنارس ۱۵۹

خطبہ صدارت اجلاس ہشتم آل انڈیا

مسلم پرسنل لا بورڈ بمبئی ۱۹۰، ۱۵۹

خیام ۲۳۲

(س) (د) (ذ)

دائرۃ المعارف مذاہب و اخلاق ۳۰۸

دستور حیات ۱۶۴

دستور ہند ۱۵۲، ۱۲۳

دعوت دہلی (اخبار) ۱۴۰

دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی

دو متضاد تصویریں ۱۵۱، ۱۵۱-۵۳

۱۶۱، ۱۶۰

ذکر و فکر دہلی (ماہنامہ) ۲۸۸، ۲۳۵

الرائد (جریدہ) ۳۰۳، ۱۳

۵۲، ۵۱	قاموس	۱۶۴، ۵۵، ۲۵	روائع اقبال
	القرن الخامس عشر الهجري الجديد		(س) (ش)
۲۸۸، ۲۸۷		۳۰۲	سفرنامہ حجاز
۳۱۴	قصیدہ عہدادیہ	۲۹۸	سنن ابن ماجہ
۲۲۱	قصیدہ مدیح خیر المسلمین	۷۶، ۴۰	سیرت بید احمد شہید
۱۳۰، ۱۲۴	قوی آواز (اخبار) لکھنؤ	۲۵۹	سیر الصحابہ
۲۶۸، ۱۹۸، ۱۴۰، ۱۳۱		۲۵۹	سیرۃ الصدیق
	(ک) (گ)	۹۸	السیرۃ النبویۃ
۶۵، ۲۹، ۱۴، ۱۱، ۹	کاروان زندگی	۲۳۲	SPIRIT OF ISLAM
۱۹۵، ۱۸۰، ۱۱۱، ۱۰۶، ۷۵، ۷۴		۲۳۲	شعر العجم
۳۰۷، ۲۷۰، ۲۶۳، ۲۶۱			(ص)
۲۲۵	کتاب الممالک والمساک	۲۲۸	صحاح ستہ
۲۵۳، ۲۵۲	کشف الاسرار	۲۹۷، ۱۰۰، ۷۳	صحیح بخاری
۲۲	کہفت اہل الکتاب	۲۹۷	صحیح مسلم
۳۳	CRITIQUE OF PURE REASON	۲۲	القراءۃ بین الایمان والمادنیۃ
۳۱۳، ۳۱۲	گل رعنا	۲۶۰	صورتان متضادتان
	(م)	۲۹۵	
۲۹۵	ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین		(ع)
۲۳۰، ۱۶۳	مثنوی مولانا روم	۲۵۴	عالم عربی کالمیہ
۲۷۷، ۲۷۶	المجتمع (جریدہ)	۲۳۲	عرب و ہند کے تعلقات
۹۸، ۲۸	مختارات من ادب العرب	۲۳۲	عربوں کی جہاز رانی
۶۴	مدینہ (اخبار)	۱۶۴	العقیدۃ والعبادۃ والسلوک
	مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی		(ف) (ق)
	اشکس	۲۵۹	الفاروق
	مسلم پرنسپل لاکھی صحیح نوعیت اہمیت (رسالہ)	۳۰۷، ۱۹	فی سیرۃ الحیاة

MAHARASHTRA HERALD

۲۶۴

MAIN STREAM

(۵) (۴)

۳۲۹، ۲۲۴

النبوات

۲۹۸

نبی رحمت

۲۳۲، ۵۱

نزہۃ الخواطر

۳۱۳

نصیحت المسلمین

نعمات الایمان میں صنعاء و عمان

۴۰، ۳۹، ۳۷

نقذہ مطلقہ کے بارے میں سپریم کورٹ

۱۲۰

کا عالیہ فیصلہ (رسالہ)

۹۷

نقوش اقبال

۲۶

نیل الاوطار

۲۵۳

ولایۃ الفقیہ

۲۶۷

HINDUSTAN TIMES

مسلمانوں کے مسائل و جذبات سمجھنے کی

کوشش کیجئے (رسالہ) ۱۹۷

۲۹۷

مستد احمد

۲۶

مصنف عبدالرزاق

۱۸۸

مطالعہ سلیمانی

۳۲۵

معارف (ماہنامہ)

المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة ۱۶

ملک کے بھی خواہوں کے سوچنے اور کرنے

۲۰۶

کی باتیں (رسالہ)

ملک و معاشرہ انتہائی خطرناک موڑ پر

ہے اور اس کی جلد خبر لینے اور فکر کرنے

۲۰۲

کی ضرورت ہے (رسالہ)

۱۱۷

منتجات قرآن

۲۲۸

المواقعات

مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ۷۶

مَقَامَاتُ

۲۹۸، ۵۳، ۲۲، ۲۲، ۱۹، ۱۸

۱۲۵

ازلیہ

۲۲

ازمیر (ترکی)

۱۴۴

آسام

۸۲

اپین

۲۱۸، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۲، ۱۶۱

استنبول

۱۱۵

آسنول

(الف)

۳۵

آبشار ٹورنٹو

۱۶۷، ۱۶۶

آبنائے باس فورس

۳۲۴، ۳۱، ۲۵

الوطنی

۱۵۸، ۸۱

اجودھیا

۱۹

ارید

۱۷، ۱۵، ۱۱ اردن - شرق اردن

۱۵۴۲۴۳

ایشیا

۳۱۸، ۳۱۳، ۲۱۷، ۱۸۱

۳۲۳، ۳۲۲

(ب)

۳۰۴

باب السلام (مسجد نبوی)

۳۱۸

افغانستان

۱۶۶

باس فورس (ترکی)

۲۲

ایس

۹۳

بالاکوٹ

۲۶۹

اکبری گیٹ (لکھنؤ)

۱۰۴

پانڈہ

۱۷۹، ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۶

۲۹۸

پتزا (PETRA)

۳۲۶، ۲۷۵، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰

۲۶۷

پنجور

۳۱۶، ۲۱۷

الہ آباد

۱۶۹

پھر مہرہ

۱۱

امارات عربیہ

۲۱۷

بحرین

۲۳۶، ۲۳۱، ۲۰۷، ۱۵۳، ۲۲

۲۶۴، ۲۵۶

برصغیر (ہندوپاک)

۲۸۲، ۲۵۶

۳۲۷، ۳۱۶، ۲۷۵

برطانیہ دیکھیے انگلستان

۱۹

ام قیس (مقام اردن)

۲۳۶، ۲۳۵، ۱۵۶، ۱۵۳

برا

۲۲

اناطولیہ

۱۰۹

بروکسلز

۲۰

انبالہ

۲۰۴

برہانپور

۲۸۲

انٹرنیشنل نیشنل ہوٹل، مکہ مکرمہ

۳۲۴، ۳۰۳

بتان نورولی

۱۹۹، ۱۲۹

انٹرنیشنل سنٹر، دہلی

۱۰۶، ۷۹

بلجیم

۳۱۰

اندور

۱۷۰

بلغاریہ

۲۶۹، ۱۲۵

آندھر پردیش

۵۱

بلگرام

۲۳۶، ۲۳۵، ۱۹۴، ۱۴۳

انڈونیشیا

۱۵۹، ۱۵۴، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۱۱

بمبئی

۲۸۲، ۲۶۲

انگلستان، انگلینڈ، برطانیہ، ۱۰۶، ۷۹

۲۸۲، ۲۸۱، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۵۷

بنارس

۲۷۱، ۲۶۲، ۱۷۹، ۱۵۴، ۱۰۷

۳۱۶، ۲۲۱، ۲۱۷، ۱۵۹، ۱۸۱

بنگلہ دیش

۵۱

اودھ

۳۲۵، ۳۲۲

بندیل کھنڈ

۵۱

ایٹھوپیا

۱۰۴

بنگلہ دیش ۵۸-۵۳-۶۰، ۶۳

۲۶۲، ۲۵۹، ۲۳۲، ۱۹۹، ۱۸۲، ۱۷۱، ۱۲۱

۲۳۶، ۲۱۷، ۱۹۴، ۶۶

ایران

۲۴۰-۱۲۳۹	ترنگانو	۱۴۲۶۶۶۵	بنوری ٹاؤن (کراچی)
۷۴۵۰-۱۴۸	تغز	۱۷۵	
۲۶۹	تغلق آباد	۱۲۵۱۱۴۱-۴	بہار
۱۸۱	تلمسان	۳۰۳	بہاولپور
۲۶۴	تھانہ بھون	۳۱۰-۱۸۹۱۸۸۶۵	بھوپال
۲۴۴۱۲۳۵	تھائی لینڈ	۱۲۷	بوٹ کلب (نئی دہلی)
۳۵	ٹورنٹو	۱۷۰-۱۶۹۱۶۶	بورصہ
۳۱۶۱۲۲۲۶۵	ٹونک	۲۳۵	بورنیو
	(ج) (ج)	۱۶۱	بیروت
۱۹۹	جاپان		(پ)
۲۱	جبل الرجیب	۶۵۶۴۱۵۴۱۵۳۱۲۵	پاکستان
۶۴۱۵۲۱۳۲۱۲۶-۲۹۱۹	حدہ	۱۷۵۱۷۲۱۷۱۱۴۳۱۹۳۱۷۴	
۲۸۷۱۲۸۱۱۸۷۱۸۶۱۹۸		۳۰۳۱۲۸۶۱۲۵۷۲۵۶۱۲۱۶	
۲۲۴۱۳۰۵-۷۱۳۰۳۱۳۰۱۲۹۴		۲۶	
۳۲۵		۳۱۹۱۲۰۴۱۲۰	
۳۳۱۲۷۱۲۷۱۱۵۴	جرمنی	۵۷۱۵۶	
۱۷۹-۸۱۷۵۳۱۳۱۲۸	جزائر	۲۴۱	
۲۳۵۱۱۶۸		۱۰۵۱۱۰۴	
۲۸۶۱۲۸۳	جزیرۃ العرب	۳۱۷۱۳۱۶۱۹۳	پنجاب
۱۲۵	جنوبی ہند	۲۱۲۱۲۰۶۱۲۰۵۱۹۶۱۱۹۳	پونہ
۲۵	جنوبی یمن	۵۶	پنیام
۱۲۵	جونپور		(ت) (ٹ)
۲۱۷-۱۹۱۱۳۰	جے پور	۱۲۵	تامل ناڈو
۱۱۰	جنیوا	۱۶۳۱۱۶۱۱۲۹۱۲۲	ترکی ترکستان
۵۴-۵۶	چانگام	۳۱۸۱۲۸۶۱۲۱۸۱۶۸۱۱۶۶۱۱۶۵	

۱۱۸۱۱۰۰۹۱۷۴۲۹۱۳	دہلی	۲۰۲۰۱	چین
۱۵۹۱۴۱۱۳۸۱۳۱۱۳۰۱۲۷			(ح) (خ)
۱۹۶۱۹۳۱۸۷۱۷۸۱۷۱۱۶۲		۲۱۷	جلد
۲۳۵۱۲۲۲۱۷۷۱۷۰۱۹۷-۲۰۱		۴۷۱۳۲۱۲۶۱۱۳۱۱۱	حجاز مقدس
۲۶۷-۶۹۱۲۶۴۱۲۵۰۱۲۳۸۱۲۳۷		۲۱۸۱۷۷۱۷۹۱۷۴۱۷۳۱۷۲	
۳۱۶۱۳۰۹۱۳۰۶۱۳۰۲۱۲۸۱۲۷۷		۳۰۱۲۸۶۱۲۸۱۲۷۸	
۳۲۴۱۳۲۱۳۲۰		۲۴۱	حدیبیہ
۲۶۴۱۱۱۱	دیوبند	۵۱۷۸	حدیدہ
۱۳۰	دیورالا	۱۰۳۱۹۵۱۱۶۱۱۵	حرمین شریفین
۳۲۱	ڈالی گنج (لکھنؤ)	۲۹۳۱۲۸۶۱۲۸۵۱۲۷۹۱۲۶۲	
۶۴۱۶۰۰۵۶۱۵۴	ڈھاکہ	۳۲۴۱۲۹۴	
	(س) (ش)	۳۰۱	حسن پور
۲۱۸۱۳۰۱۱۰۴	راجستھان	۲۲۱۱۳۸۱۳۷۱۳۰	حیدرآباد
۲۶۸۱۲۶۷	رام جنم بھومی	۷۳	حیدرآباد کالونی (پاکستان)
۱۱۱	راپچی	۲۶۴	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۳۱۶۱۲۲۱۲۴۱۱۱۲۱۶۴	راعے بریلی	۱۱۴	خانقاہ رحمانیہ (مونگیر)
۳۲۰۱۳۱۹		۲۳۵	خلیج بنگال
۲۶۴	راعے پور	۲۶۲۱۵۸۱۳۱۲۸	خلیج عرب
۲۸۲۱۲۳۵۱۱۹۴۱۳۱۲۲۵	رباط		(۵) (۶)
۲۵۶۱۲۰۷۱۱۹۹	روس	۹۲	دائرہ شاہ علم الشریکیہ کلاں
۲۲۵۱۷۲۱۲۱۱۱۸	روم	۲۷۱	دبئی
۲۸۱۱۲۱۹۱۰۳۱۲۸۱۲۷	ریاض	۱۹	دریائے یرموک
۳۲۶۱۳۰۹۱۳۰۶۱۳۰۰	ریجنسی بالاس (ہوٹل عثمان)	۲۸۱۲۰۱۱۶۱۹	دشن
۱۴	ریواں	۱۶۶	دولہہ باغیچہ (تاریخی قصر)
۱۰۵	زیب	۲۰۵	دھارنی
۵۱۷۵۰۱۲۸		۲۶۹	دہلی ایرپورٹ

۲۵۴۳۳	شمالی مین	۱۹	زرقاء
۱۹۹۱۱۱۴	شہیدینار میدان (کلکتہ)	۲۴۲	زین العابدین ہال - لیشیا
۲۸۴۲۴۳۲۴۳۲۴۲۴۱۳	صنعا		(س)
۶۴۴۲۸۴۲۵۴۲۳۴۲۱		۱۰۵۱۱-۴	نشانی
۳۲	صنعا ایرپورٹ	۴۶	سڈ آرب
۹۳	صوبہ سرحد	۲۱۰	سری نگر
	(ط)	۱۸۶۱۱۸۱	سطیف
۲۹۸	طائف	۲۱۴۱۱۸۹۱۰۴۲۵	سعودی عرب
۳۰۰	طریق الحج	۳۰۲۴۳۰۱۴۲۹۹۲۲۸۱۲۸۰۴۲۱۹	
۱۸	طور	۵۶	سلہٹ
۹۵	طیبہ ثانویہ (مدینہ منورہ)	۹۸	سالیہ
	(ع)	۵۶	سٹار گارڈن
۱۱۱۰	عالم اسلام - مالک اسلامیہ	۵۶	شدھ
۷۶۶۲۶۱۵۸۴۳۳۱۴۱۵		۱۰۸	شکیانگ
۲۵۱۱۹۴۱۸۰۱۱۶۳۱۱۳۴۱۰۶		۹۸	سودان
۲۷۹۴۷۸۴۶۲۴۶۱۴۵۶		۲۶۴	سہارنپور
۳۲۶۴۲۹۱۴۲۸۲		۲۶۹	سہاگ پلس
۲۸۴۳۱۱۴۱۳	عالم عرب - مالک	۱۸۸	سیتاپور
۱۸۶۱۸۰۱۸۲۴۵۳۴۵۱۴۲		۱۰۵۱۱-۴	سیدھی
۲۸۷۴۷۹۴۶۱۴۵۶۱۴۱۹۴۱۴		۱۳۰	سیکر
۲۸۸			(ش) (ص)
۵۲۴۵۱	عم	۲۸۲	شارع منصور (مکہ مکرمہ)
۲۹۸۴۶۲	عراق	۲۱۷۴۷۵۴۲۵۴۲۴۲۰	شام
۳۰۸۴۳۰	عراق	۳۲۳	شمالی منزل (اعظم گڑھ)
۲۲۲۴۲۱۴۱۷۶۱۴۲۸۴۲۶	علی گڑھ	اردن	شرق اردن دیکھیے
۳۱۶۴۶۹			

۲۵۵	قلعہ الموت	۲۶-۵۲۲۱-۲۶۱۸۱۱-۱۴	عُمان
	(ک)	۲۵	عُمان
۲۸۶	کاشغر	۸۱	عیدگاہ منقرا
۲۱۷۱۲۵	کالی کٹ	۲۶۳	عیدگاہ مرادآبا
۲-۴	کامٹی		(ت)
۳۲۲۱۲۷۲۱۲۷۱	کانپور	۱۷۲	قاران کلب (کراچی)
۶۸۱۶۴-۶۶۱۵۳۱۵۲	کراچی	۳۲۱	فرنگی محل (لکھنؤ)
۳۰۳۱۷۲۱۷۱۷۱۷۱۷۱۷۱		۲۴۴	فظانی
۲۷۶۱۲۷۵	کرامول ہاسپٹل۔ لندن	۱۰۹۱۲۲	فلاڈلفیا
۱۲۵	کرناٹک	۲۳۵	فلپائن
۳۱۶۱۱۲۵	کشمیر	۲۱۷۱۷	فلسطین
۵۸	کشور گنج	۳۴	فندق احمدالسیاحی (بمن)
۱۱۳۱۶۴۱۵۶۱۵۴۱۵۳	کلکتہ	۲۸۲	فندق الحیاء (مکہ مکرمہ)
۱۹۸۱۱۱۶		۲۰	فندق البرموک (دمشق)
۲۱۰	کنیا کماری	۱۶۲	فندی زادہ (محلہ استنبول)
۵۳۱۳۵	کنیڈا		(ق)
۲۲۴۱۲۳۸-۲۲۱۲۳۷	کوالالمپور	۱۷	قاعة البتراء (ہوٹل عمان)
۲۲۹۱۲۴۵		۲۸۲	قاعة التضامن الاسلامی۔ جدہ
۱۲۵	کوچین	۲۶-۱۸۶۱۸۰۱۷۹۱۳۷	قاہرہ
۱۷۳	کوفہ	۳۰۳	
۵۶	کوکس بازار	۲۴۵۱۲۴۴	قدح
۲۲۵	کوہ صفا	۴۳	القدس
۲۱	کہف الرجیب	۳۲	قرطبہ
۲۷۰۱۸۱۱۴۱۱۳۱۱۱	کویت	۱۶۶	قصر بلیڈز
۳۲۵۱۲۷۷۱۲۷۶۱۲۷۳۱۲۷۱		۲۹۵۱۲۱۷۱۲۱۶۱۲۵	قطر

۲۱۲۰۰۱۹	یرموک
۱۷۰	یلووا
۴۱۳۰-۳۵۲۷۱۲۶۱۱۱-۱۳	بین
۷۴۵۳۵۲۴۶-۴۹۴۴۴۴۳	
۲۱۷	
۲۰۷۹۰۱۵۹۱۲۵۱۱۰۱۰۴	یوپنی
۲۶۸۲۲۱۲۱۳	
۲۲۲۲۲۰۱۵۴۱۰۸۱۰۶۶۳	یورپ
۲۸۲۲۳۹۲۳۶۲۳۳۲۳۱۲۲۳	
۲۲۹۲۲۸۲۲۵۱۸۳۱۸۲۶۳	یونان

مساجد و معابد:

۱۹۱۱۹۰	بیت الشرف شریف، کعبہ شریف
۳۰۰۲۹۹۲۹۸۲۹۶۲۸۵۲۸۴	
۲۱۱۷۱۱۴	بیت المقدس مسجد اقصیٰ
۳۰۳۲۹۴۱۹۱۱۹۵-۹۸۲۶	مسجد نبوی
۳۵۲۳۰۴	
۱۵۷-۵۹۱۳۸۱۸۱	یاری مسجد - ابو دھیا
۲۶۸۲۶۷	
۶۰	بیت المکرم (جامع مسجد ڈھاکہ)
۳۱۰۱۸۹۱۸۸	تاج المساجد کھوپال
۳۲۳	جامع مسجد منو
۶۶۶۵-۱۷۵۱۷۲	جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی
۴۱	جامع مشہدین
۴۹	جامع المظفر - تعز
۸۳	دربار صاحب - امرتسر
۲۵۰	مسجد اسلامک سنٹر، واشنگٹن
۱۸۱	مسجد نیشیالہ برائے سہمی - سطیف
۲۱۲	مسجد تنبولیاں، پونہ
۱۹	مسجد بیدنا عمر بن الخطاب - اردن
۲۳	مسجد صلاح الدین ایوبی - اردن

۲۶۵-۶۸۱۲۶۳۲۰۳۰۱۲۸	میرٹھ
۱۹۸	نارنگ
۲۰۰۱۱۹۶۱۱۹۳۱۱۳۸۱۱۳۷	ناگپور
۲۰۵۷۲۰۴۲۰۱	
۱-۵۷۱-۴	ناگود
۲۶۸	نانڈپیر
۲۶۴	نالونہ
۴۷	نجد
۱۳۷۲۹	نظام الدین دہلی
۵۶	نہیلیہ
۱۳۷۱۲۶	نئی دہلی
۲۸۶	(دریائے) نیل
۵۶	نیلاب
۷۲۶۵	نیوٹاؤن کراچی (بتوری ٹاؤن)
۷	واشنگٹن
۲۵۰	ولید پور
۲۶۷	ماہشم پورہ
۲۶۸	ہتھورہ
۱-۵۷۱-۴	
۲۶۱۲۰۱۱۶۱۱۵۱۱۳۱۱۱۰	ہندوستان
۶۹۶۳۵۰۱۲۰۱۳۷۱۳۶۱۳۳۱۲۹	
۲۲۱۰۳۱۹۴۱۹۱۰۸۴۱۸۲۱۷۵-۷۷	
۱۲۰-۲۲۱۱۳۶۱۱۳۲۱۱۳۲۱۱۲۹۱۱۲۲۱۱۰	
۱۵۷-۵۹۱۱۵۵۱۱۵۳۱۱۵۲۱۱۴۸	
۱۹۴۱۱۹۳۱۱۸۹۱۱۸۲۱۱۷۹۱۱۷۵	
۲۱۷۱۳۱۳۱۲۱۰۷۲۰۵۱۱۹۶-۲۰۰	
۲۳۸۲۳۲۲۳۱۲۲۹۲۲۰۲۱۸	
۲۵۷۲۲۲۲۶۲۲۶۳۲۵۵-۵۷	
۳۲۲۱۳۱۸۱۳۱۶۱۳۱۵۱۲۸۶۱۲۷۶	
۳۳۰۷۳۲۷۱۳۲۵	
۵۷	ہوٹل پوربانی
۵۳	ہورہ اسٹیشن

۳۰۶	مسجد منصور شعبی۔ جدہ	۱۷۱، ۱۶۲	مسجد فاتح۔ استنبول
۸۱	گیان بانی مسجد۔ بنارس		مسجد فرقانیہ حیدرآباد کالونی (پاکستان)
۸۳	گولڈن ٹمپل (گردوارہ) امرتسر	۷۳	
۸۲	وشوناتھ مندر۔ بنارس	۲۱۲	مسجد مومن پورہ، پونہ

منفقات

۳۲۵، ۳۲۲	جامعہ سلفیہ۔ بنارس	تعلیمی ادارے، جامعات و مدارس:
۱۰۵	جامعہ عربیہ ہتھورہ	آکسفورڈ یونیورسٹی ۲۷۰، ۱۷۹، ۱۰۷، ۱۰۶
	جامعہ العلوم الاسلامیہ (دارالعلوم)	۳۲۶، ۲۷۵، ۲۷۳، ۲۷۲
۷۲، ۶۵	بتوری ٹاؤن۔ کراچی	۳۱۶، ۲۱۷
۳۱۶، ۲۲۲، ۲۱۷	جامعہ ملیہ۔ دہلی	۲۷۳
۲۱۹، ۲۱۸	جامعہ ہدایت، جے پور	انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی۔ کوالا لپور ۲۳۸
۱۹	جامعہ الیرموک۔ اربد	۲۲۹
۲۳۸	جمعیۃ الترتیبۃ الاسلامیہ کوالا لپور	۳۱۶، ۲۱۷
۳۱۶، ۲۲۱	جواہر لال نہرو یونیورسٹی۔ دہلی	۳۱۶
۱۸۹	دارالعلوم تاج المساجد بھوپال	پونہ کالج ۲۱۲
۲۶۴، ۱۱۱	دارالعلوم دیوبند	۲۲۴، ۱۲۳، ۱۲۳، ۱۲۳
۵۵، ۲۸، ۲۳، ۱۳	دارالعلوم ندوۃ العلماء۔	ٹیمپل یونیورسٹی۔ قلاڈلفیا ۱۰۹
۱۸۹، ۱۸۸، ۱۷۰، ۱۶۵، ۱۶۱، ۱۱۲، ۱۰۵		جامع ازہر۔ مصر ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۶۲، ۱۳۴
۲۶۹، ۲۳۶، ۲۲۲، ۲۱۷، ۲۱۶، ۱۹۰		جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ۳۱، ۲۷، ۲۶
۳۱۹، ۲۲، ۳۱۷، ۳۱۰، ۳۰۳		۳۰۴، ۳۰۳، ۲۲۰، ۱۹۸، ۱۹۵
۳۲۴		الجامعۃ الاسلامیۃ بہاولپور ۳۰۳
۲۵۷	دارالمبلغین۔ لکھنؤ	جامعہ اسلامیہ۔ پٹیہ (چالگام) ۵۷، ۱۵۵
۲۰	دمشق یونیورسٹی	جامعہ امام محمد بن سعود۔ ریاض ۱۰۳، ۲۸، ۲۷
۳۱۶، ۳۱۵، ۲۱۷	دہلی یونیورسٹی	۳۲۶، ۲۷۲، ۲۶۱
۲۷۳، ۱۰۷، ۱۰۶	سینٹ کراس کالج لندن	۳۱۶، ۲۲۱
۲۲۳	شرعیۃ فیصلی (کلیۃ الشریعہ) کوالا لپور	جامعہ امدادیہ۔ کشور گنج ۵۸

۲۴۵	ملیشین یونیورسٹی۔ کوالالمپور	۳۴	صنعا یونیورسٹی
۳۲۱	میڈیکل کالج لکھنؤ	۲۱۲	طبیہ کالج۔ پونہ
۱۰۷	میگ والن کالج۔ لندن	۲۲۱/۲۰	عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدرآباد
۲۰۱	ناگپور یونیورسٹی	۲۱۷	کالی کٹ یونیورسٹی
۲۲۱	ہندو یونیورسٹی۔ بنارس	۷۰	کراچی یونیورسٹی
	نظریات و مذاہب:	۳۱۶	کشمیر یونیورسٹی
۲۳۱	استشراق	۹۸	کلیۃ تخصص البعثات۔ مکہ مکرمہ
۴۷	تیسرا	۱۰۳	کلیۃ الدعوة والاعلام۔ ریاض
۱۹۸/۱۵۵/۱۴۵	جمہوریت	۲۰	کلیۃ الشریعہ۔ دمشق
۴۷	زیدی مذہب	۲۵	کلیۃ الشریعہ۔ قطر
۱۴۶/۱۴۵	سیکولزم	۳۸	کلیۃ الطيران۔ صنعا
۲۶۱/۲۵۸	شیعیت	۳۲۶	کلیۃ العلوم الاجتماعیہ۔ ریاض
۳۰۷	عیسائی مذہب	۲۱	کلیۃ العلوم العربیہ۔ عمان
۲۶۰/۲۵۷/۲۵۱/۱۲۶	فرقہ اثنا عشریہ	۲۸	کلیۃ اللغة العربیہ۔ ندوۃ العلماء
۲۶۱	قادیانیت	۲۲۳	قومی یونیورسٹی کوالالمپور
۲۲۱/۲۴۹/۲۴۵	کیمونزم۔ اشتراکیت	۲۱۲	گیان پرلودھنی۔ پونہ
۲۵۹	مجوسیت	۳۱۶	لکھنؤ یونیورسٹی
۴۷	مذہب اثنا عشری جعفری	۶۴	مدرسہ عالیہ۔ ڈھاکہ
۱۲۰	ہندو مذہب	۱۷۰	مدرسۃ الوعظ والنخطباء۔ پورصہ
۱۶۰/۱۵۴/۱۵۱/۱۳۹	یکساں سول کوڈ	۲۲۱/۲۱۷/۱۹۶/۲۶	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۳۰۷	یہودی مذہب	۳۰۰/۲۶۹/۲۲۲	مظاہر العلوم سہارنپور
	تحرکات جماعتیں ہوسا ایلیا اور قلم	۲۶۴	معهد التزبیت الاسلامیہ۔ قذح
۲۳۹/۲۳۶	ایم (ABIM)۔ اسلامی تنظیم	۲۴۵	المعهد العالی للدعوة۔ قذح
۲۴۶/۲۴۴	اتحاد طلاب الیمن	۲۰۵	مولدینیہ جوئیر کالج۔ پونہ
۳۲/۲۷	اتحاد المسلمین حیدرآباد	۲۱۲	مولدینیہ ہائی اسکول۔ پونہ
۱۲۶	اتحاد المسلمین حیدرآباد		
۲۳	انوان المسلمین		

۱۲۶، ۱۲۵	تعدیرتت حیدرآباد	۳۰	ادارة البحوث العلمیة والاقتاء - ریاض
۱۳۳، ۱۳۲	تلگودنشم	۳۲۱	اردو اکیڈمی - لکھنؤ
۱۲۵	جماعت اسلامی حیدرآباد	۲۰۶	آریہ سماج
۱۲۶	جماعت اسلامی ہند	۱۳۴	آسام گن پریشد
۲۴۲، ۱۸۹، ۲۹، ۲۳	جماعت تبلیغ	۲۰، ۱۷، ۱۹، ۱۰، ۶، ۹	اسلامک سنٹر - آکسفورڈ
۲۵۲	جماعت فری مین	۳۲۶، ۲۷۲	اسلامک سنٹر بیک اسٹریٹ لندن
۲۷	جمعیۃ اتحاد الطلبة بین	۱۱۰	اسلامک سنٹر واشنگٹن
۲۷	جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کویت	۲۵۰	اسلامک ویلفیر لندن
۱۲۶	جمعیۃ العلماء ہند	۱۱۰	آل انڈیا شیوعہ کانفرنس
۵۶	جمیل الدین لیمیٹڈ - ڈھاکہ (زم)	۱۲۶	آل انڈیا مسلم پریسل لاورڈ
۲۲۹، ۲۳۷	الحزب الاسلامی کوالالمپور	۱۲۴-۲۶، ۱۱۱-۱۵	آل انڈیا مسلم لیگ
۲۵۰	خمینی تحریک	۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۷، ۱۵۶	ایمنٹی انٹرنیشنل
۳۰۸	دینی تعلیمی کونسل یو پی	۱۳۸، ۱۲۶	انجمن اشاعت قرآن عظیم کراچی
۱۵۹، ۱۱۰	رابطہ ادب اسلامی	۲۶۸	ایکشن کمیٹی باری مسجد
۱۶۱، ۱۰۰، ۲۸، ۲۷	۳۰۳، ۲۳۳، ۲۱۵-۲۰، ۱۶۵، ۱۶۲	۱۳۱	بوسرہ جماعت
۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۴	رابطہ عالم اسلامی - مکہ مکرمہ	۱۲۶	پریوی کونسل - لندن
۶۸، ۶۴، ۶۳، ۶۲	۲۷۸، ۲۷۲، ۱۸۹، ۱۳۴، ۱۰۷، ۹۴	۱۲۲	مجمعی آندھرا اٹرنیٹیورٹ کمیٹی
۲۷۸، ۲۷۲، ۱۸۹، ۱۳۴، ۱۰۷، ۹۴	۳۲۶، ۳۲۴، ۳۲۳، ۲۹۹، ۲۸۱، ۲۸۰	۲۶۹	تحریک آزادی ہند
۱۲۶	راجیہ سبھا	۳۱۷، ۳۱۵، ۲۱۲، ۸۴	تحریک اصلاح و جہاد (سید احمد شہید)
۲۰۱	رائل بودھیک سوسائٹی ناگپور	۵۵، ۵۴	تحریک باطنیہ
۲۱۲، ۱۰۶، ۸۱	آر۔ ایس۔ ایس	۳۱۶، ۳۱۵، ۱۷۷	تحریک پیام انسانیت لکھنؤ
۱۱۱-۲۳	سپریم کورٹ (ہند)	۲۹۱، ۲۵۵	تحریک حسن بن صباح (قلم الموت)
۱۶۰، ۱۵۷، ۱۵۱، ۱۳۲-۳۶، ۱۲۷، ۱۲۶	الشبان المسلمین - پونہ	۲۱۵، ۲۰۵، ۲۰۳	تحریک خلافت
۱۹۵	شینو سینا	۲۵۵	تحریک خوارج
۲۱۲	عبد الغنی محمد نوروی سعودیہ (زم)	۲۹۱	تحریک فدائیان

۱۲۵ نیشنل کانفرنس
 ۱۵۷، ۱۸۶، ۱۸۱ و شوہندو پریشد
 ۳۱۰ وقت بورڈ مدھیہ پردیش
 ۲۶۹ ہمدرد فاؤنڈیشن - دہلی
 ۷۹-۸۶ ہندو اجائیت (تخریک)
 ۲۰۵، ۲۰۰، ۱۹۶، ۱۵۲، ۱۵۱
 الہیۃ العامہ للمعاہد العلمیۃ بین ۲۲، ۲۳
ڈائلاگ سیمینار و کانفرنسیں:
 اجلاس سیشن آل انڈیا مسلم پینل لاہور
 بمبئی (۹ دسمبر ۱۹۶۶ء) ۱۵۹
 پچاسی سالہ جشن تعلیمی ندوۃ العلماء
 (۱۹۷۵ء) ۲۳
 پہلی کانفرنس رابطہ ادب اسلامی
 ندوۃ العلماء لکھنؤ (۷-۹ جنوری ۱۹۶۶ء) ۲۱۶
 ڈائلاگ و پریس کانفرنس - دہلی (۲۲ مئی ۱۹۶۶ء)
 ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۷، ۱۲۹، ۱۲۸
 ناگپور (۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء) ۲۰۵، ۲۰۰
 پونہ (۲۱ فروری ۱۹۶۵ء) ۲۱۲، ۲۰۵
 سیمینار - اسلام اور منتشر قنیں اعظم گڑھ
 (۲۲ فروری ۱۹۶۲ء) ۲۹
 سیمینار علامہ سید سلیمان ندوی خدمات
 و کارنامے - بھوپال (ستمبر ۱۹۶۵ء) ۱۸۷
 سیمینار امام مالک الوطنی (مارچ ۱۹۶۶ء)
 ۳۲۲

۶۹ فاران کلب - کراچی
 کانگریس (آئی) (۱۹۲۱، ۱۹۳۹، ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۷۹)
 ۲۰۳، ۱۹۸، ۱۲۵، ۱۲۲
 کل ہند مجلس اشکام و کمیٹی فورم لکھنؤ ۱۹۷
 کمیونسٹ پارٹی ۱۲۲
 لائسنز کلب - پونہ ۲۰۶
 لوک سبھا (ہند) ۱۲۶، ۱۲۲
 مجلس البحوث الاسلامیۃ العالمیہ -
 لکسمبرگ ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۰۹
 مجلس الشعب - یمن ۳۲
 المجلس العالمی للمساجد رابطہ یکمیکرمہ
 مجلس مشاورت ۲۸، ۲۹
 مرکزی ادارہ امور زراعت مدعا - قدح
 ۲۲۵
 مرہٹہ جیس آف کامرس - پونہ ۲۰۶
 مسلم مجلس ۱۲۶
 مسلم ویلفیر لندن ۱۱۰
 کمیٹی التوجیہ والارشاد یمن ۳۱-۳۳، ۲۷
 ملتقی الفکر الاسلامی - بحرہ ۱۷۹-۸۲
 ۱۸۶
 منظمہ مؤتمر اسلامی - قدس ۱۶۶
 ہمارا شطر اردو اکیڈمی ۲۰۲
 نادى المدینۃ المنورۃ الادبی ۹۲
 نادى مکتبہ المکرمة الثقافی ۹۸
 ندوۃ الشباب العالمی سعودیہ ۳۰۶
 ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۱۵، ۱۱۳

بورڈ آف اسلامک پبلیکیشنز۔ دہلی ۱۱۸

دار البشیر اردن ۲۳، ۲۱

دار الشروق۔ جدہ ۳۰۶، ۱۹۸

دار الصحوة۔ قاہرہ ۳۷

دار القلم۔ دمشق و جدہ ۹

دار القلم۔ کویت ۳۲۵، ۷۷، ۱۷۵

دار المصنفین اعظم گڑھ ۸۱، ۲۹

۳۱۵، ۳۱۳، ۲۵۹، ۲۱۷، ۱۸۲

۳۱۸ - ۲۳

عربک اینڈ پبلسیشن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

ٹونک ۲۲۲

کتب خانہ اسکندریہ ۲۳۲

مولانا ابوالحسن علی ندوی برائے بریلی ۹۱

ندوة العلماء لکھنؤ ۳۱۷، ۳۱۱، ۱۰۵

کرزن اسٹیٹیم پریس۔ دہلی ۳۰۲

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

۲۶۰، ۱۸۱، ۷۶، ۶۳، ۳۷

مجمع بحوث الحضارة الاسلامیہ بنگالہ ۱۲

المجمع العلمی العربی (مجمع اللغة العربیة)

دمشق ۲۸، ۱۶

المجمع الفقہی للرابطہ۔ مکہ مکرمہ ۱۳۴

۳۲۳، ۲۸۰

مکتبۃ الملک عبدالعزیز۔ مدینہ منورہ ۹۵

مؤسسۃ آل البیت۔ اردن ۱۲-۱۴

مؤسسۃ الرسالہ ۲۵

۲۳

بینار ملتقى الفكر الاسلامی۔ البحر ۱۰

(ستمبر ۱۹۸۶ء) ۱۸۱

بینار رابطہ ادب اسلامی۔ جے پور

(۱۷/۸ فروری ۱۹۸۷ء) ۲۱۷

بینار اردو ادب پر حضرت سید شہید کی

تحریک کا اثر "ندوة العلماء لکھنؤ"

(۱۲/۱۱ نومبر ۱۹۸۷ء) ۳۱۱

بینار شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ بنارس

(۲۱-۲۳ نومبر ۱۹۸۷ء) ۳۱۵، ۳۲۲

کانفرنس دینی تعلیمی کونسل سیتاپور

(اکتوبر ۱۹۸۶ء) ۱۸۸

کانفرنس دینی تعلیمی کونسل۔ بنارس

(نومبر ۱۹۸۶ء) ۱۵۹

کل ہند تحفظ شریعت کانفرنس برائے بریلی

(۹ فروری ۱۹۸۶ء) ۱۲۴

مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنس۔ امریکہ

(۱۹۶۷ء) ۳۱۶

المؤتمر الاسلامی العام الثالث للرابطہ

مکہ مکرمہ (اکتوبر ۱۹۸۷ء) ۲۹۳، ۲۸۷، ۲۷۸

مؤتمر عالم اسلامی۔ کراچی ۶۸

علمی تحقیقاتی و نشریاتی ادارے

کتب خانے اور مطابع :

اجلاء النزات الاسلامی قطر ۲۹۵، ۲۱۶

اسلامک فاؤنڈیشن۔ ڈھاکہ ۵۸-۵۶، ۶۱

۶۳، ۶۴

ہوائی کمپنیاں :

۲۰	جنگ مابار	۲۵۰	ایرانڈیا
۱۹	جنگ یرموک	۲۳۸	ایروفلوٹ (روسی جہاز کمپنی)
۳۰۸، ۲۵۱	حجۃ الوداع	۲۷۷	برقش ایرویز
۱۳۰	رسم چندری (دیورالائستمبر ۱۹۸۷ء)	۳۷۱، ۱۱۳	B.O.A.C. (ایرویز)
۱۳۱	صلح حدیبیہ	۱۸۶	ایکیرس ایرلائن
۲۴۱	غدر ۱۸۵۷ء	۱۸۶، ۳۲	سعودی ایرلائن
۳۰۲	غزوہ بدر	۲۷۶	کویت ایرویز
۱۰۰	فساد مراد آباد اگست ۱۹۸۷ء	۲۵۰	میشین ایرلائن
۲۶۳	قضیہ بوفورس		
۲۰۳	مقدمہ انبالہ (۱۸۶۵ء)		
۲۰	مسئلہ خلافت		
۱۲۹	مسلم مطلقہ قانون بل ۱۹۶۶ء		
۱۳۰	واقعہ اسراء و معراج ۱۹۹۱، ۱۹۷		
۲۱، ۱۹، ۱۷	واقعہ سستی دیورالائستمبر ۱۹۸۷ء		
۱۳۰	واقعہ سستی دیورالائستمبر ۱۹۸۷ء		
	دیگر متفرقات :		
۲۷۱	ایرانڈیا ٹینزی کانپور	۲۶۲، ۲۵۶، ۲۵۱	ایرانی انقلاب ۱۹۷۹ء
۲۹	جدہ ریڈیو	۳۰۸، ۲۷۹	
۴۷	جنیبہ (ایک رسم)	۲۶۳، ۲۰۳، ۱۲۸	المیہ میرٹھ ۱۹۸۷ء
۷۹	جنتا حکومت ۱۹۷۷ء	۱۲۸	تقسیم ہند
۶۳	درس نظامی		تنازعہ بایری مسجد و رام جیم بھومی
۱۰۱	رومن امپائر	۲۶۸، ۲۶۷	اجودھیا
۲۹، ۲۸	قات (بمبئی بوٹی)	۲۶۳، ۱۹۸	جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء
۲۵۱	یہودی سلطنت	۲۷۹، ۲۶۲	جنگ ایران و عراق خلیجی جنگ
		۱۲۷، ۱۰	شاہ بالوکیس
		۱۸	جنگ صلیبی
		۱۵۲	جنگ عظیم اول
		۱۵۲	جنگ عظیم دوم

